اصلاح مفاہیم
ترجمہ
مفاہیم یجب ان تصحح
تالیف
فضیلۃ الشیخ سید محمد بن علوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین کے چند اہم امور سے متعلق

اصلاحِ مفاہیم

ترجمہ

مَفَاهِيمُ يَجِبُ أَنْ تُصَحَّحَ

قرآن پاک اور حدیثِ نبوی نیز آثار و اقوال علماء کرام کی روشنی میں

تالیف

فضیلۃ الشیخ العلامہ السید الشریف المحدث محمد بن علوی المکی المالکی الحسنی حفظہ اللہ تعالیٰ

خادم العلم بالحرمین الشریفین زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً

ترجمہ

جناب مولانا مفتی حافظ الحاج انیس احمد صاحب المظاہری

مدرس دار العلوم الاسلامیہ۔ کامران بلاک۔ علامہ اقبال ٹاؤن۔ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَبَشِّرۡ

عِبَادِ ۝ الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ

الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ

الَّذِیۡنَ ھَدٰىھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمۡ

اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝

(آیت ۱۸ — پارہ ۲۳ — سورۂ زمر)

پس خوشخبری دے

میرے بندوں کو جو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس پر جو اس میں بہتر ہے یہ لوگ ہیں جن کو ہدایت کی اللہ نے اور وہی ہیں عقل والے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

محمد علوی المالکی

خادم العلم الشريف بالبلد الحرام

أذنت لأخي الاستاذ المفتي الشيخ أنيس أحمد ابن مولانا صغير احمد الحاج بترجمة كتابنا (مفاهيم يجب أن تصحح) وعرضه على من يعرف من اهل اللغتين العربية والاردوية والله ولي التوفيق

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اردو ترجمہ شائع کرنے کا مقصد

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۔

برادرانِ اسلام ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ اَمَّا بَعْد :۔

زیرِ نظر کتاب اس دور کے عظیم عالم اور بہترین مصنف ، عرب وعجم کے مشہور اسلامی مفکر فضیلة الأستاذ الكبير المحقق والداعية الإسلامي المحب لله تعالى ولرسوله صلى الله عليه وسلم السيد محمد بن علوي المالكي المكي الحسني خادم العلم وأهله بالحرمين الشريفين دامت برکاتہم ، کی ایک قابلِ فخر عربی کتاب " مفاهيم يجب ان تصحح " کا ترجمہ ہے ۔ جن خیالات ونظریات کا مصنف موصوف دامت برکاتہ نے تجزیہ کیا ہے ، وہ بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں ۔ اکثر اسی طرح کے مسائل ہی میں افراط وتفریط کی وجہ سے امتِ مسلمہ میں فتنہ وفساد پھیلا ہے ۔ بلا شبہ یہ مسائل فروعی ونظری ہیں ۔ اور ان میں اختلاف بھی رہا ہے ۔ لیکن بنیادی ضروریات دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں ۔ ان میں بحث ومباحثہ اور الجھاؤ پیدا کر دینے سے عملی طور پر عوام کفر و شرک اور الحاد میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ اور پھر وہی اختلافِ امت جس کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت فرمایا ہے ، افتراق ودشمنی کا سبب بن جاتا ہے ۔ چنانچہ کچھ عرصہ قبل یہاں ہند و پاک میں اهل السنة والجماعة ہی میں دو گروہ (دیوبندی ، بریلوی) بن گئے ۔ مسلک ومشرب کے لحاظ سے اگرچہ ان میں کچھ اختلاف تھا ۔ لیکن آہستہ آہستہ یہی لفظی وفروعی اختلاف بعد میں اعتقادی اختلاف کی صورت اختیار کر گیا ۔ اور کچھ مسائل مثلاً ندائے غیر اللہ ، مجلس مولود شریف ، ایصال ثواب عرس اولیاء کرام اور توسل وغیرہ میں اس درجہ کے عملی واعتقادی منکراتِ شرعی شامل ہو گئیں کہ خود ان کے حامی علماءِ کرام بھی اس شکل میں اس کے قائل نہیں تھے ۔ لیکن چونکہ ان کی نظر میں خیر ہی کا پہلو

رہا اور ساتھ ہی عوام کے طرزِ عمل سے بھی بے خبر رہے تو اس وقت کے راسخین فی العلم والفضل، مشائخ کرام اور علمائے ربانیین کو اُن امور پر شدت سے گرفت کرنا پڑی۔ اور ان امور کو جن سے عملاً گمراہی و ضلالت کا دروازہ کھل رہا تھا، سدًّا للباب بڑی شدت سے انسداد کرنے پر مجبور ہو گئے اور اس میدان میں انہوں نے خوب کام کیا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

اس صورتِ حال میں انگریز کو سازش کرنے کا بھی موقع مل گیا۔ اور اس نے طرفین کے اس باہمی اختلاف کو اپنی ریشہ دوانیوں سے وسیع کر دیا۔ البتہ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس ظالم و خبیث انگریز کے چلے جانے کے بعد کیا اس طرز کو باقی رکھنا چاہیئے، نہیں ہرگز نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان نزاعی مسائل کی حوصلہ افزائی اب کم ہوتی جا رہی ہے۔ دونوں طرف کے اکثر موجودہ علمائے کرام اور سنجیدہ عوام بھی حقیقت حال پر غور کرنے اور اسے قبول کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہیں۔ اور ذرا سی ترغیب، صحیح مسلک کی وضاحت سے لوگ منکرات و بدعات چھوڑنے پر تیار ہوتے دیکھے جا رہے ہیں۔ جس کا تجربہ شاہد ہے۔ اس لئے اب ضرورت ہے کہ ان تمام مسائل کی اصل صورت حال کو ظاہر کیا جائے جیسا کہ اس وقت سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے "رسالہ ہفت مسئلہ" اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "المہنّد علی المفنّد" میں ارشاد فرمایا گیا تھا۔

ان مسائل کو اب نہایت مدلل طور پر حق و صداقت کے ساتھ کتاب "مَفَاهِيمُ يُجِبُ اَنْ تُصَحَّحَ" میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح شاید ولی کامل شیخ العرب والعجم (جو جانبین کی متفقہ شخصیّت تھی) نے جو کوشش اس وقت کی تو اس کی افادیت کے ظہور کا وقت اب آ گیا ہو۔ نیز قارئین کرام کے سامنے رہے کہ اس "فیصلہ ہفت مسئلہ" رسالہ کے بارے میں اس شدت کے زمانے میں بھی فتاویٰ رشیدیہ میں قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے مبارکہ کہ "فی الحقیقت اختلاف اصل مسائل میں نہیں ہوا بلکہ بسبب عدم علمِ حال اہل زمانہ کی وجہ سے واقع ہوا ہے" موجود ہے۔

زیرِ نظر کتاب "المفاہیم" کے اردو ترجمہ میں "فیصلہ ہفت مسئلہ" اور "المہنّد" والے ہی مسائل کو علمی دلائل کے ساتھ خوب واضح کیا گیا ہے۔ جس کو عرب و عجم میں فریقین کے جیّد علمائے کرام نے خوب سراہا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کی تقاریظ سے ظاہر ہے۔ پاکستانی علمائے کرام کی تقاریظ میں دیگر

علمائے کرام کے علاوہ حضرت مولانا ہزاروی حقانی خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث مہاجرِ مدنی کی تقریظ مَا پر اس حقیقت کو واضح کرتی ہے جو موجودہ دور میں افراط و تفریط کا مجرب علاج ہے۔ اسی ضرورت کی بنا پر یہاں ترجمہ کا اہتمام کرایا گیا ہے۔

جس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ عامۃ المسلمین کو اس کی دعوت دے کر اور فضائل جتلا کر ان اختلافی اعمال کی "جو ہیئتِ کذائیہ کے ساتھ مروج ہیں" کی ترغیب دی جائے۔ بلکہ مقصد وحید یہ ہے کہ جو حضرات پہلے سے اس پر جس انداز سے عمل کر رہے ہیں اس میں اصلاح و نرمی پیدا کریں اور ان کے مخالفین بھی خواہ مخواہ کی بدگمانی کا شکار ہو کر ان کو اسلام سے خارج نہ کرتے پھریں تاکہ اس طرح آپس میں یگانگت و برادرانہ تعلقات بڑھ سکیں۔ اور یہ امتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ پھر باہم شیر و شکر بن کر رہ سکے۔ اور اسلام کی مبارک حقانی تعلیمات کو چار دانگِ عالم میں باحسن طریق پہنچایا جا سکے۔ آمین۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللهَ الْعَظِیْمَ۔

وَصَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اٰمِیْن یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

ادارہ حضرت مولانا مفتی محمد زبیر صاحب سابق مفتی و ناظم تعلیمات معہد الرشید الاسلامی زامبیا کا بے حد شکر گذار ہے کہ انہوں نے پوری توجہ اور محنت سے کتاب کی ترتیب و تدوین میں ہماری مدد فرمائی۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

طالبِ دعا و دعاگو

احمد عبد الرحمٰن الصدیقی عفی اللہ عنہ

ایم۔ اے، ایل۔ ایل بی، فاضل وفاق و حقانیہ

امیر انجمن خدام الدین رجسٹرڈ، نوشہرہ صدر پشاور، پاکستان

محررہ ۲۳ شعبان المعظم سنہ ۱۴۱۴ھ ۲۴ فروری سنہ ۱۹۹۵ء

نوٹ:۔ چونکہ اردو خواں حضرات عرب علمائے کرام کی علوِ شان سے متعارف نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی تقاریظ کا ترجمہ نہیں کیا گیا اور عربی جاننے والے اور علمائے کرام کے لئے اصل عربی میں تقاریظ کتاب کے آخر میں درج ہیں۔

پیشِ لفظ از مترجم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ۔

اَمَّا بَعۡدُ: اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کا فضل و احسان ہے کہ میرے اکابر، میرے پیر و مرشد میرے سردار میرے والد صاحب اور سیدی محسنی و مشفقی حضرت اقدس صوفی محمد اقبال صاحب مدنی اور حضرت اقدس مخدومی و مکرمی حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی دامت برکاتہم العالیہ کی دعا و توجہ اور بار بار ارشاد فرمانے اور میرے استاذِ محترم فضیلۃ الشیخ محدثِ کبیر عالمِ نبیل مؤلفِ کتاب سید محمد بن علوی الحسنی المکی المالکی کے ارشاد کی برکت سے اس کریم و ستار مالک نے مجھ جیسے ایک ابتدائی درجہ کے طالب علم کو اس عظیم اور اہم کتاب "مفاہیم" کے ترجمہ کی توفیق مرحمت فرمائی۔

کچھ عرصہ قبل محدثِ کبیر شیخ الحرمین عالمِ جلیل استاذِ محترم سید محمد بن علوی المکی المالکی، الحسنی اپنی اس عظیم کتاب پر اکابر علماءِ پاکستان کی تقاریظ کے سلسلہ میں پاکستان تشریف لائے تو اس موقع پر شیخ موصوف نے اس کتاب کے سب سے پہلے ایڈیشن پر اپنے قلم مبارک سے بندہ کا نام تحریر فرما کر ایک نسخہ عنایت فرمایا۔ اور ترجمہ کا حکم فرمانے کے بعد تحریری طور پر بھی اس کے ترجمہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور اسی سفر میں کتبِ ستہ کی اوائل احادیث سماعت فرما کر اجازتِ حدیث بھی مرحمت فرمائی۔

بحمداللہ درس و تدریس کے مشاغل کے ساتھ ساتھ ترجمہ کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ کچھ عرصہ کے لئے بندہ کو اس دوران مدرسہ "معہد الرشید الاسلامی" چپاٹا زمبیا تدریس کے سلسلہ میں جانا ہوا تو ترجمہ کا بیشتر حصہ وہاں پر ہوا۔ کچھ پاکستان میں ہوا۔ اور بالآخر ختام المسک مدینہ منورہ علیٰ صاحبہا آلاف آلاف صلوٰۃ اللہ وسلامہٗ میں ہوا۔

اور جس مقام پر کوئی دقت پیش آئی تو بندہ نے اس سلسلہ میں ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ و

اعلی اللہ مراتبہ کے ذاتی کاتب و خادمِ خاص اور ہند و حجاز کے طویل عرصہ کے حاضر باش صحبت یافتہ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مدنی زید مجدہٗ کی طرف مراجعت کی۔ حضرت مولانا کو اللہ پاک نے دونوں زبانوں پر عبور کے ساتھ علمی رسوخ و ذوق اور علمِ حدیث کے ساتھ خصوصی شغف بھی مرحمت فرمایا ہے۔ اور ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ بہت سے علمی مشاغل میں مولانا موصوف سے کام لیا کرتے تھے جیسے کہ الحل المفہم لصحیح المسلم وغیرہ

اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ مولانا موصوف اور بندہ کے دیگر تمام محسنین کو جنہوں نے میرے ساتھ اس علمی کام میں تعاون کیا ہے، دارین میں اپنی شانِ ارفع کے مناسب بہترین جزائے خیر مرحمت فرمائیں میرے محترم مخدوم ابن مخدوم بھائی مولانا محمد عمیر صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ خلیفہ مجاز حضرت اقدس صوفی صاحب مدظلہ کو بھی اللہ پاک دارین میں بہترین جزائے خیر مرحمت فرمائیں کہ موصوف نے اپنے علمی و دیگر مشاغل کے باوجود اس کتاب کی تقاریظ کے ترجمہ کی ذمہ داری قبول فرمائی اور پھر اس کو پورا بھی کیا۔ اور میری کوتاہیوں اور کمی بیشیوں سے صرفِ نظر فرما کر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں قبول فرمائیں۔ اور میرے لئے، پڑھنے والوں اور پوری امت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت، کمال اتباع والی کے حصول کا ذریعہ فرمائیں اور آپ کی شفاعتِ کبریٰ و عظمیٰ کا بھی ذریعہ فرمائیں۔

مجھے اس کا تو دعویٰ نہیں کہ میں نے ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے۔ یقیناً اس میں ترجمہ کی بہت سی غلطیاں رہ گئی ہوں گی۔ اہلِ علم حضرات سے بھی میری استدعا ہے کہ اگر وہ کوئی غلطی پائیں تو اس طرف متوجہ فرمائیں تاکہ آئندہ طباعت میں ان شاء اللہ اس کی تصحیح کر دی جائے۔

وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔

انیس احمد مظاہری

نزیل مدینہ منورہ

۱۰ رجب ۱۴۱۴ھ یوم الخمیس

خانقاہ دارالاحسان امدادیہ چشتیہ

تقـريـظ

شيخ الحديث ورئيس الجامعة الأشرفية
وأمير جمعية علماء الإسلام فى باكستان

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين ، والعاقبة للمتقين ، وصلى الله تعالى على خاتم الأنبياء والمرسلين ، وعلى آله وأصحابه أجمعين .

أما بعد : فقد اطلعت على الكتاب القيم اللطيف [مفاهيم يجب أن تصحح] لفضيلة العلامة الأستاذ الشيخ السيد محمد علوى المالكى الحسنى ، وفى الحقيقة إن هذا الكتاب يحتوى على موضوع مبتكر ، ومضامين عالية ، تحتاج إليه العلماء والطلاب ، وفيه من حسن ذوق المؤلف وعلوّ فكرته ، ما تحل به المغلقات فى موضوعات كثيرة فى أصول الدين ، ولا شك أن هذا الكتاب كشف الحجاب عن نكات مستورة وبعيدة عن أنظار العلماء ، فجزاه الله أحسن الجزاء وأسبغ عليه من نعمه ظاهرة وباطنة .

نسأل الله تعالى أن يمتع المسلمين ، وخاصة أهل العلم به وبعلومه دائما فى مشارق الأرض ومغاربها ، وما ذلك على الله بعزيز آمين ، يارب العالمين .

شيخ الحديث بالجامعة الأشرفية بلاهور
محمد مالك الكاندهلوى غفر الله له

تصديق	تصديق	تصديق
رئيس الجامعة الأشرفية	نائب رئيس الجامعة الأشرفية	حامد مياه بن محمد مياه
محمد عبيدالله المفتى	عبدالرحمن	أمير جمعية علماء اسلام باكستان
		وخليفة شيخ الاسلام حسين أحمد المدنى

تقریظ

شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ اشرفیہ و امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد

تحقیق میں فضیلۃ العلامہ استاذ شیخ سید محمد بن علوی مالکی حسنی کی قیمتی اور لطیف کتاب "مَفَاہِیْمُ یَجِبُ اَنْ تُصَحَّحَ" پر مطلع ہوا۔ درحقیقت یہ کتاب ایک جدید موضوع اور ایسے اونچے مضامین پر مشتمل ہے جن کی علماء اور طلباء کو ضرورت تھی۔ اور یہ کتاب مصنف کے ایسے بہترین ذوق اور بلندئ فکر پر مشتمل ہے جن سے اصولِ دین کے بہت سے موضوعات کی مشکل باتیں حل ہو جاتی ہیں! اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کتاب نے ایسے بہت سے مخفی نکات سے پردہ اٹھایا ہے جو علماءِ کرام کی نظروں سے دور تھے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ اور ان پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو مکمل کر دے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں اور خصوصاً اہلِ علم کو تمام اطرافِ عالم میں **اس کتاب** سے اور مصنف کے تمام علوم سے ہمیشہ ہمیشہ مستفید فرمائے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں۔ آمین یا رب العالمین۔

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
محمد مالک کاندھلوی غفر اللہ لہٗ

تصدیق	تصدیق	تصدیق
مہتمم جامعہ اشرفیہ	نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ	حامد میاں بن محمد میاں
(حضرت مولانا محمد عبید اللہ المفتی)	(حضرت مولانا عبد الرحمٰن شیخ الحدیث)	امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان
		(خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ)

تقريظ مدير التعليم

بجامعة العلوم الإسلامية كراتشى

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين ، وعلى آله وصحبه أجمعين .

وبعد : فقد قرأت ما كتبه فضيلة الشيخ الفاضل السيد محمد علوى المالكى حفظه الله تعالى ، وما كتبه العلماء الأفاضل من تقاريظ .

وإننى أوافق ما كتبه فضيلة العلامة المفتى الشيخ حسنين محمد مخلوف حفظه الله تعالى ، وأرى أن الوقت قد حان لتجتمع كلمة علماء الحق ، وأن يكونوا صفا واحدا كالبنيان المرصوص إزاء العدو المشترك الذى يهدف بحوله وقوته القضاء على هذا الدين الحنيف وأهله ، والإساءة بالمقدسات الإسلامية ، وليتسامح بعضهم بعضا فى الأمور التى هى مجال لاجتهاد المجتهدين حتى لا تضيع قوتهم فيما بينهم ، بل يجب أن نصرف هذه القوة لنشر الدين الحنيف ، والدفاع عنه .

وقد شاهدت فضيلة الشيخ الفاضل السيد محمد علوى المالكى أيام دراسته عند ما زار كراتشى ومكث فيها شهورا ، شاهدته وهو يحرص على حضور مجالس أهل الحق والتوحيد من العلماء الكبار ، أمثال : فضيلة العلامة المحدث الجليل الشيخ محمد يوسف البنورى ، وفضيلة العلامة المفتى الجليل الشيخ محمد شفيع رحمهما الله تعالى .

وأسأل الله سبحانه له التوفيق ، والسداد .

تصديق	الدكتور عبدالرزاق اسكندر
نائب رئيس الجامعة	مدير التعليم والأمين العام بجامعة العلوم
محمد بن يوسف البنورى	الإسلامية كراتشى

تقریظ

ناظمِ تعلیمات جامعہ علومِ اسلامیہ، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن

حمد و صلوٰۃ کے بعد!

تحقیق میں فضیلۃ الشیخ جناب سید محمد بن علوی مالکی حفظہ اللہ کی کتاب اور اس پر علماء کرام کی تقاریظ سے آگاہ ہوا۔

میں فضیلۃ العلامہ مفتی شیخ حسنین محمد مخلوف کے کلام کی موافقت کرتا ہوں۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یقیناً اب وہ وقت آگیا ہے کہ علماءِ حق ایک بات پر جمع ہو جائیں۔ اور علماء کرام ان دشمنوں کے مقابلہ میں جو ایک ساتھ جمع ہو کر دینِ حنیف اور اہلِ دین کو اپنی قوت کا نشانہ بنا کر ختم کرنا چاہتے ہیں اور اسلام کی مقدس چیزوں کے ساتھ بُرائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ایک صف میں کھڑے ہو جائیں۔ اور جن امور میں مجتہدین کے اجتہاد کی گنجائش ہے ان میں ایک دوسرے سے تسامح کریں۔ تاکہ ان کی قوت آپس ہی میں ضائع نہ ہو جائے۔ بلکہ وہ اپنی اس قوت کو دینِ حنیف کے پھیلانے اور اس کی طرف سے مدافعت کرنے میں صرف کریں۔

اور میں محترم فضیلۃ الشیخ سید محمد بن علوی مالکی کو ان کی تعلیم کے ایام میں جب وہ کراچی آئے تھے اور کئی مہینے کراچی میں ٹھہرے تھے، دیکھتا تھا کہ ان کو اس بات کی حرص ہوتی تھی کہ وہ اکابر اہلِ حق اور اہلِ توحید علماء کرام کی مجالس میں شریک ہوں۔ مثلاً فضیلۃ العلامہ محدث جلیل شیخ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اور فضیلۃ العلامہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے توفیق اور پختگی کا سوال کرتا ہوں۔

تصدیق	(حضرت مولانا) ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر
نائب مہتمم جامعہ	ناظمِ تعلیمات و جنرل سکریٹری
(حضرت مولانا) سید محمد بن یوسف بنوری	جامعہ علومِ اسلامیہ کراچی

تقريظ الداعية الكبير

العلامة الشيخ محمد عزيز الرحمن الحقاني الهزاروي

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده ، وعلى آله وأصحابه ، ومن اتبع هديه .

أما بعد : فقد طالعنا كتاب « مفاهيم يجب أن تصحح » لفضيلة العلامة الجليل السيد محمد علوى المالكى الحسنى المكى ، فوجدناه – ما شاء الله ولا قوة إلا بالله – كتابا قيما جمع فيه فوائد متنوعة بأسلوب نفيس ، ملتزما بوقار العلماء ونهج الحكماء ، فجزاه الله خيرا كثيرا .

ووجدنا أن كل ما فيه هو فى الجملة ما عليه جمهور علماء أهل السنة والجماعة سلفا وخلفا ، وهو الذى وجدنا عليه مشايخنا من المحدثين ، والمفسرين ، والفقهاء المحققين كمسند الهند الإمام الشاه ولى الله الدهلوى الفاروقى ، وأنجاله الغر الميامين ، وتلامذتهم .

ثم الأمير المجاهد الإمام العارف بالله الشيخ إمداد الله الفاروقى المهاجر المكى ورفقاءه ، والشمسين النيرين حجة الإسلام الإمام محمد قاسم النانوتوى ، وقطب الإرشاد الإمام رشيد أحمد الكنكوهى ، وحكيم الأمة الإمام الشاه أشرف على التهانوى الفاروقى ، وشيخ الإسلام الإمام السيد حسين أحمد المدنى الحسينى ، وقطب الأقطاب بركة العصر شيخ الحديث الإمام محمد زكريا الكاندهلوى ثم المهاجر المدنى قدس الله سرهم ، وغيرهم من أعيان علماء أهل السنة والجماعة ، بشبه القارة الهندية .

وجل كتبهم ورسائلهم طافحة ببيان هذه المسائل ، ولا سيما الرسالة القيمة «المهند على المفند» للإمام المحقق الجليل العلامة الشيخ خليل أحمد المحدث السهارنبورى الأنصارى ، وقد قرضها عامة العلماء الكبار فى ذلك العصر ، وغالبها فى بيان هذه المسائل المذكورة فى كتاب المفاهيم ، وإن اختلفت العبارات وتنوعت أساليب الكتابات إلا أن المقصود واحد ، والمعنى هو هو بعينه ، وكما يقول الشاعر :

عباراتنا شتى وحسنك واحد :: وكل إلى ذاك الجمال يشير

تقريظ

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی حقانی خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَمَنِ اتَّبَعَ ھُدٰیہٗ

اما بعد۔ ہم نے فضیلۃ العلامۃ الجلیل السید محمد بن العلوی المالکی الحسنی المکی دامت برکاتہم کی کتاب "مَفَاهِیمُ یَجِبُ اَنۡ تُصَحَّحَ" کا مطالعہ کیا۔

ہم نے اس کو ماشاء اللہ ایسی تحقیقی کتاب پایا جس میں انہوں نے مختلف انواع کے فوائد کو علماء کے وقار اور حکماء کے انداز کا التزام کرتے ہوئے عمدہ انداز سے جمع کیا ہے۔ فَجَزَاہُ اللّٰہُ خَیۡرًا کَثِیۡرًا

اور ہم نے دیکھا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ مکمل طور پر متقدمین و متاخرین جمہور اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اور یہ وہی طریقہ ہے جس پر ہم نے اپنے محدثین، مفسرین، فقہاء اور محققین مشائخ کو پایا ہے جیسے مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فاروقی رحمہ اللہ اور ان کی اولادِ امجاد وتلامذہ۔

پھر امیر المجاہدین عارف باللہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب الحسینی المدنی، قطب الاقطاب، برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم المہاجر مدنی رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً، اور ان کے علاوہ برصغیر کے اکابر علماء اہلِ سنت کا طریقہ بھی یہی ہے۔ ان اکابر کی کتب و رسائل کا بڑا حصہ ان مسائل کے بیان سے پُر ہے خاص طور پر محققِ جلیل محدث العصر حضرت علامہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری انصاری رحمۃ اللہ علیہ کا گراں قدر رسالہ "المہند علی المفند" جس پر اپنے زمانے کے تمام کبار علماء نے تصدیقات لکھی ہیں، اس رسالہ کا اکثر حصہ، کتاب "مَفَاهِیم" میں مذکور مسائل کے بیان پر مشتمل ہے۔ اگرچہ عبارات اور طرزِ تحریر جُدا جُدا ہے لیکن مقصود ایک ہی ہے۔ اور وہ بعینہٖ شاعر کے اس شعر کا مصداق ہیں۔

نرجو من البارى الكريم أن يجمع المسلمين على هذا الحق المبين ، ويوحد صفوفهم حيث أنهم ما احتاجوا إلى توحيد الكلمة مثل احتياجهم إليه اليوم حيث تكالب حولهم الاعداء من اليهود والهندوك والنصارى والشيوعيين والملحدين الشرقيون والغربيون .

كما نشطت الطوائف الزائغة كالقاديانية والبهائية والإسماعيلية الباطنية والروافض .

وأهل السنة نائمون ، والمستيقظون منهم جهودهم مشتتة وقُواهم منتشرة ، وقلوبهم مختلفة ، أشغلتهم أمور تافهة اختلفت فيها آراء العلماء منذ القدم عن أمور جسام وأخطار عظيمة ومنكرات ظاهرة فظيعة تحدق بالأمة من كل جانب ، فليت أولئك العلماء المنتسبون إلى الطائفة الناجية «أهل السنة والجماعة» الذين يضللون المسلمين ويكفرونهم لأمور خلافية تنبهوا لذلك وعادوا إلى رشدهم وبذلوا جهودهم لتوحيد شمل المسلمين والعود بهم إلى دينهم وطاعة ربهم وإتباع نبيهم .

وأنّى يكون ذلك إلا بالمحبة والحكمة وسعة الصدر والموعظة الحسنة وغض النظر عن الأمور الخلافية ، وترك الفظاظة والغلو ، فقد قال العزيز الحكيم الخبير لأفضل رسله وخاتم أنبيائه وحبيبه وصفيه صلى الله عليه وسلم : ﴿ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك﴾ .

وشكر الله سعى العلامة السيد محمد علوى المالكى الحسنى ، وزاده توفيقا وقبولا ، فقد التزم فى كتابه هذا بالأدب الرفيع مع خصومه الذين طعنوا فيه ظلما ورموا بالكفر والضلال ، ولم يذكر أحدا منهم بسوء بل إنه لم يذكر حتى أسماءهم ، وإنما أتى بالحجة الشرعية الناصعة ، والدليل الواضح من كتاب الله وسنة رسوله صلى الله عليه وسلم ، وأقوال أئمة العلم والدين ، وهذا هو الأصل ، والذى ينبغى بلا جدال ، وكان هذا هو المأمول منه حفظه الله ووفقه لكل خير

عِبَارَاتُنَا شَتّٰى وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ   وَكُلٌّ اِلٰى ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ

ہماری تعبیریں اگرچہ مختلف ہیں لیکن آپ کا حسن تو ایک ہی ہے اور یہ سب اسی حسن وجمال کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

ہم ربِ کریم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اس واضح حق پر جمع کردے۔ اور ان کی صفوں کو ایسے وقت میں ایک کردے جب کہ وہ متحدہ ومتفقہ موقف کے اس درجہ محتاج ہیں کہ پہلے کبھی نہیں ہوئے۔ کیونکہ ان کے دشمن یہود وہنود، نصاریٰ وملحدین کی دشمنی چاروں طرف سے کھل کر سامنے آچکی ہے۔

گمراہ فرقے مثل قادیانی، بہائی، اسماعیلی اور رافضی وغیرہ جس قدر چست ہیں، اہلسنت اسی قدر محو خواب ہیں۔ ان میں سے جو تھوڑے بہت بیدار بھی ہیں، ان کی محنت کی جہات مختلف ہیں، ان کی طاقت بکھری ہوئی اور ان کے قلوب جدا جدا ہیں۔ ان کی مصروفیت ومشغولیت ایسے چھوٹے چھوٹے کاموں میں ہے کہ زمانۂ قدیم سے علماء ان میں اختلاف کرتے چلے آئے ہیں۔ جب کہ بڑے بڑے امور اور خطرات ومنکرات، جو امت کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، ان کی طرف وہ متوجہ ہی نہیں۔

کاش وہ علماء جو طائفہ ناجیہ اہل سنت والجماعت سے نسبت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی مختلف فیہ باتوں کی وجہ سے مسلمانوں کی تضلیل وتکفیر کرتے ہیں اس پر متنبہ ہوجاتے اور اپنے راستے کی طرف لوٹ آتے اور اپنی کوششوں کو مسلمانوں کی جماعت کو متحد کرنے اور ان کو اپنے دین اور اپنے رب کی فرمانبرداری اور اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی طرف واپس لانے میں صرف کرتے۔

اور یہ سب کچھ محبت وحکمت، وسعت ظرفی وموعظہ حسنہ کے بغیر ممکن نہیں جب کہ اختلافی امور سے صرفِ نظر ہو۔ بدخلقی اور غلو کو بھی ترک کردیا جائے۔ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب خاتم الانبیاء افضل الرسل سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ (آل عمران آیت ۱۵۹)

اللہ تعالیٰ علامہ سید محمد بن علوی مالکی حسنی کو ان کی کوشش کا بہترین بدلہ دے اور ان کو مزید توفیق وقبولیت عطا فرمائے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں اپنے ان مخالفین کے ساتھ بھی بڑے

فقد رأينا دائما شيخنا الإمام القطب محمد زكريا الكاندهلوى المدنى قدس الله سره يحبُّه حبا شديدا ويعتبره كأحد أبنائه ، وهو أيضا من أعظم المحبين لشيخنا فى حياته وبعد وفاته ، كما أنه عظيم المحبة والتقدير لمشايخه ومشايخنا الذين استفاد من علومهم ، وفاضت عليه بركاتهم ، كإمام العصر المحدث الجليل السيد محمد يوسف البنورى الحسينى ، والإمام المحدث الكبير السيد فخر الدين المراد آبادى شيخ الحديث بدار العلوم ديوبند ، والإمام المفتى محمد شفيع الديوبندى المفتى الأعظم لباكستان ، والإمام الداعية المحدث الشيخ محمد يوسف الكاندهلوى وأمثالهم قدس سرهم .

«والأرواح جنود مجندة ما تعارف منها ائتلف ، وما تناكر منها اختلف»

نرجوه سبحانه وتعالى أن يتقبل هذا الكتاب وينفع به عباده و يجعله ذريعة وسببا للرشد والهداية .

وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه أجمعين

والحمد لله رب العالمين .

محمد عزيز الرحمن الحقانى الهزاروى

خطيب وإمام مسجد الصديق الأكبر براولبندى – باكستان

خليفة الإمام المحدث العلامة محمد زكريا الكاندهلوى ثم المدنى

ادب کا التزام کیا ہے جنہوں نے ان پر کفر و گمراہی کے جھوٹے الزامات لگائے ہیں۔ اور ان میں سے کسی کی بھی برائی نہیں کی۔ بلکہ ان کے ناموں تک کا ذکر نہیں کیا۔

انہوں نے تو روشن دلائل شرعیہ کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ائمۂ دین کے اقوال کو ذکر کیا ہے اور یہی چیز اصل ہے جو کہ بلا نزاع مطلوب ہے۔ اور یہی ان سے امید کی جا سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہر خیر کی توفیق نصیب فرمائے۔

ہم نے اپنے شیخ و مرشد قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم المہاجر مدنی قدس سرہٗ کو ہمیشہ ان سے اپنے بیٹے کی طرح بہت محبت فرماتے ہوئے دیکھا۔ اور یہ بھی ہمارے شیخ قدس سرہٗ سے بہت محبت کرنے والوں میں سے ہیں۔ جیسا کہ وہ بہت محبت و قدر دانی کرتے ہیں اپنے اور ہمارے ان مشائخ کی جن کے علوم سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔ ان کے علمی مشائخ میں امام العصر محدث جلیل سید محمد یوسف بنوری الحسینی، محدث کبیر شیخ الحدیث سید فخر الدین مراد آبادی، شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مفتی اعظم پاکستان، محدث جلیل داعیِ کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً شامل ہیں۔

ہم ربِ کریم سے دعا گو ہیں کہ اس کتاب کو قبولیت بخشے۔ اور اس سے اپنے بندوں کو نفع دے۔ اور اس کو رشد و ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

(حضرت مولانا) **عزیز الرحمٰن** حقانی ہزاروی

راولپنڈی

تقــريـظ
رئيس مجلس علماء الباكستان

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده ، والصلاة والسلام على من لا نبيّ بعده ، وعلى آلــه وأصحابه وأتباعه أجمعين .

أمّـا بعـد :

فأقول أنا /السيد محمد عبدالقادر آزاد رئيس مجلس علماء باكستان : بأننى إصالة عن نفسى ، ونيابة عن مجلس علماء باكستان وأعضائه المنتشرين بفضل الله فى كل مدينة من مدن باكستان وخارجها ، والذى يضم نحو عشرين ألف عالم : لقد اطلعنا على كتاب **«مفاهيم يجب أن تصحح»** الذى صنفه فضيلة العلامة السيد الشريف محمد بن السيد علوي المالكى المكى ، فوجدناه يحتوى على ما عليه أهل السنة والجماعة سلفا وخلفا ، وقد أجاد فيه ، وأفاد بالأدلة القرآنية والحديثية ، ونرجو من الله سبحانه وتعالى أن يجمع كلمة المسلمين على الحق المبين ونحن معه فى جهاده في الدعوة إلى الله ونصرة أهل الحق أهل السنة والجماعة .

وصلى الله على سيّدنا ومولانا محمد و على آله وأصحابه وأتباعه أجمعين وبارك وسلّم تسليما .

سيد محمد عبدالقادر آزاد رئيس مجلس علماء باكستان
وخطيب المسجد الملكى بلاهور ١ /٥ /١٤٠٨هـ .

تصاديق :

نفيس الحسيني خليفة الإمام الشيخ عبدالقادر رائبوري
محمد عبد الغني – الجامعة المدنية – لاهور باكستان
علي أصغر خطيب منطقة بنجاب لاهور باكستان
محمد عبدالواحد خطيب الجامع الإسلامي بمنطقة سيالكوت الباكستان

تقریظ
صدر مجلس علماء پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ

حمد وصلوٰۃ کے بعد

میں سید محمد عبدالقادر آزاد صدر مجلس علماء پاکستان اصالتاً اپنی طرف سے اور نیابۃً مجلس علماء پاکستان اور اس کے تمام ارکان کی طرف سے جو اللہ کے فضل وکرم سے اندرونِ پاکستان اور بیرونِ پاکستان تمام شہروں میں منتشر ہیں، اور جو مجلس تقریباً بیس ہزار علماء کرام پر مشتمل ہے، یہ کہتا ہوں کہ ہم اس کتاب "مَفَاهِيْمُ يَجِبُ اَنْ تُصَحَّحَ" سے آگاہ ہوئے جس کو فضیلۃ العلّامہ السیّد الشریف محمد بن سیّد علوی مالکی نے تصنیف فرمایا ہے۔ یہ کتاب ایسے مباحث پر مشتمل ہے جس پر اہل سنت والجماعت کے متقدمین ومتاخرین چلتے آئے ہیں۔ اور اس کتاب میں مصنف نے بہت عمدہ طریقہ اختیار فرمایا ہے اور اس کو قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ کے دلائل کے ذریعہ مفید بنایا ہے۔ ہم اللہ تعالےٰ سے یہ امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حق مبین پر جمع فرمائیں۔ اور ہم مصنف کے دعوت الی اللہ کے راستے میں جہاد کرنے اور اہلِ حق اہل سنت والجماعت کی مدد کرنے میں انکے ساتھ ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں اور سلامتیاں ہوں ہمارے سردار اور ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی تمام آل اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تمام متبعین پر

سید محمد عبدالقادر آزاد
صدر مجلس علماء پاکستان
وخطیب بادشاہی مسجد، لاہور

تصدیقات

(عارف باللہ الشیخ) سید نفیس الحسینی خلیفہ امام الشیخ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ
(حضرت مولانا) محمد عبدالغنی سابق مدرس جامعہ مدنیہ لاہور، پاکستان
(حضرت مولانا) علی اصغر خطیب پنجاب محکمہ اوقاف حکومت پاکستان
(حضرت مولانا) محمد عبدالواحد خطیب جامعہ اسلامیہ سیالکوٹ پاکستان

تقديم فضيلة الشيخ حسنين محمد مخلوف

مفتي الديار المصرية السابق

وعضو جماعة كبار العلماء بالأزهر الشريف

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه والتابعين .

(وبعــد) .. فقد اشتمل هذا الكتاب العظيم للعلامة المحقق الجليل فضيلة الأستاذ السيد محمد علوى المالكى ، على مباحث هامة مفيدة وموضوعات جليلة عديدة ، تنفع المسلمين فى هذه الأزمان التى يحتاجون فيها إلى الوقوف على المعلومات الهامة والأحكام العامة لخدمة الإسلام ، وتحقيق العقائد الدينية ، والدعوة إلى الأخذ بما جاء به الرسول ﷺ على الأمة الإسلامية من الخير الجزيل والفوائد العظيمة النادرة والنصح لأمة الإسلام فى هذه الأزمان بالموعظة الحسنة ، والتى يحارب فيها الإسلام من كثير من الأعداء ويحرصون فيه على تأييد المبادئ الضالة والدعايات الكاذبة ضد الإسلام وأهله تحقيقا لأغراضهم ضد الإسلام وأهله وسعياً لتأييد أعدائه والله تعالى متم نوره على عباده المسلمين بما وفق له هذا العالم الجليل لتأييد ونشر دعوته وتحقيق مسائله والإرشاد إلى ما دعى إليه من العلم الجزيل والفوائد الثمينة والموضوعات الهامة التى تحقق الهداية والدراية والدعوة الصالحة حسماً للنزاع والمكابرة والخلاف ونحو ه .

وقد ظهر من مباحث هذا الكتاب أنه حجة وبرهان وقول صادق وبيان ، فيه للمسلمين عزة وكرامة ، وتحقيق واف وأمانة ، وأن نشره فى هذه الأزمان مما يعتز به الإسلام ويقضى به على مكائد الأعداء اللئام .

وقد أفاض المؤلف حفظه الله فى البيان الواضح حيث تحدث بعلم غزير

مقدّمہ

فضیلۃ الشیخ حسنین محمد مخلوف

سابق مفتیٔ دیارِ مصر ورکن جماعۃ کبار العلماء بالازہر الشریف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ اور درود و سلام ہوں ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر! اور ان کی تمام آل اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تمام تابعین رحمہم اللہ پر۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد!

علامہ محقق جلیل، فضیلۃ الاستاذ سید محمد بن علوی مالکی کی یہ کتاب بہت اہم اور مفید مباحث اور بہت عظیم موضوعات پر مشتمل ہے۔ موجودہ دور میں جب کہ لوگ اسلام کی خدمت کے لئے اہم معلومات اور عام احکام کے جاننے اور عقائد دینیہ کی تحقیق کے محتاج ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو بے شمار بھلائیاں اور عظیم نادر فوائد عطا فرمائے ہیں، ان کو حاصل کرنے کے لئے دعوت دینے کے محتاج ہیں، یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی۔ اسی طرح موجودہ زمانے میں امتِ مسلمہ کی موعظہ حسنہ (یعنی اچھے طریقے سے وعظ و نصیحت) کے ساتھ خیر خواہی کرنے میں مفید ثابت ہوگی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام بے شمار دشمنوں سے نبرد آزما ہے جو کہ اپنی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اغراض کو پورا کرنے کے لئے اور اعداءِ اسلام کی تائید کے لئے گمراہ اصولوں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈوں کی تائید میں اپنا سارا وقت صرف کرتے ہیں۔

اور اس کتاب کے مباحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک قسم کی دلیل اور برہان ہیں! اور سچا اور واضح کلام ہے جس کے اندر مسلمانوں کی عزت اور شرافت اور مکمل تحقیق اور امانت ہے۔ اور اس زمانے میں ان مباحث کو پھیلانا اسلام کی عزت اور سربلندی کا سبب ہے۔ اور ان کے ذریعہ اسلام کمینے دشمنوں کی چالوں کو ختم کر سکتا ہے۔

وتحقيق واضح عن مسائل هامة فى معرفة المفاهيم الصحيحة السليمة والذود عن كل مفهوم سقيم ولصد الأعداء الكائدين وإقامة الحق المبين فى بلاد الإسلام والمسلمين .

ذلك أن من مباحث هذا الكتاب ودعوته الحقة ، وأسلوبه الرصين ما يأتى :

التحذير من المجازفة بتكفير المسلمين : ونقل فيه انعقاد الاجماع على منع تكفير أحد من أهل القبلة .

التفرقة بين مقام الخالق والمخلوق : وهو الحد الفاصل بين الكفر والإسلام .

المجاز العقلى : وضرورة ملاحظته فى مقياس الكفر والإيمان . التنظيم بين العبادة والأدب

الواسطة بين الخالق والمخلوق : وبين فيها الواسطة الشركية .

البدعة وتقسيم العلماء لها : بين فيه لأصحاب الأفهام السقيمة والصدور الضيقة من حاربوا كل جديد وتنكروا لكل مخترع مفيد ، بين لهم المفهوم الصحيح للبدعة وتقسيم العلماء لها .

الأشـاعـرة : بين فيه مذهبهم وذكر بعض من ينتسب إليهم لكى يتورع كل من ينسب إليهم سهام الضلال والمروق من الدين .

حقيقة التوسل : وبين فيه التوسل المتفق عليه وحديث توسل آدم بالنبى ، ونقل كلاما نفيسا ورأيا لطيفا للشيخ ابن تيمية ومحمد بن عبد الوهاب ، ونقل كلاما جيدا عن الشوكانى فى جواز التوسل بالنبى ﷺ ، وفى نهاية البحث ذكر أشهر من يقول بالتوسل من كبار الأئمة وحفاظ السنة .

الشفـاعة : حقيقتها وطلب الصحابة من النبى الشفاعة وتفسير ابن تيمية لآيات الشفاعة .

مفهـوم الاستعانة :

والتوجه بالطلب للنبى وبعض الدعاوى الباطلة التى تثـار حول هذا

اوراس کتاب میں مصنف رحمہ اللہ نے تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے کثیر علم اور اہم مسائل کی مکمل تحقیق سے کام لیا ہے تاکہ صحیح اور سالم مفاہیم سامنے آجائیں اور غلط مفاہیم کو دور کیا جائے اور مکار دشمنوں کی سازشوں کا قلع قمع ہو۔ اور اسلام اور مسلمانوں کے شہروں میں حق مبین کو قائم کیا جائے۔ اس لئے کہ اس کتاب کے مباحث اور اس کی سچی دعوت اور سنجیدہ اسلوب یہ ہے۔

مسلمانوں کو بے سوچے سمجھے محض اٹکل اور اندازہ سے کافر قرار دینے سے بچنا۔ اس باب میں اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اہلِ قبلہ میں سے کسی کو کافر قرار دینا جائز نہیں۔

خالق اور مخلوق کے مقام میں وجۂ امتیاز، اور یہی اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل ہے۔

مجاز عقلی اور کفر و ایمان کے ترازو میں اس کے لحاظ کا ضروری ہونا اور عبادت اور ادب کے درمیان ترتیب۔

خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ، اس میں واسطۂ شرکیہ کا ذکر ہے۔

بدعت اور علماء کے نزدیک اس کی تقسیم۔ اس بحث میں بعض کج فہم اور تنگ ظرف لوگوں کے لئے جنہوں نے ہر جدید چیز سے جنگ شروع کردی اور ہر مفید ایجاد کو ناپسند کیا، بدعت کا صحیح مفہوم اور علماء نے اس کی جو تقسیم کی ہے وہ بیان کی ہے۔

اشاعرہ، اس کے اندر اشاعرہ کا مذہب اور بعض ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اشاعرہ کی طرف منسوب ہیں وہ گمراہی اور خروج عن الدین کے تیروں سے محفوظ ہیں۔

توسل کی حقیقت، اس میں متفق علیہ توسل بیان کیا ہے اور وہ حدیث شریف بیان کی ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ توسل کرنے کا ذکر ہے۔ اور اس میں ایک نفیس کلام اور بہت عمدہ رائے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی ذکر کی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ توسل کے جائز ہونے کے بیان میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ کا ایک عمدہ کلام نقل کیا ہے اور بحث کے اختتام میں ان مشہور ترین اکابر ائمہ اور حفاظِ حدیث کا ذکر کیا ہے جو توسل کے قائل ہیں۔

شفاعت، اس باب میں شفاعت کی حقیقت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنے کا بیان ہے۔ اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے آیاتِ شفاعت کی جو تفسیر کی ہے

الموضوع فى الباب الثانى من الكتاب ، فذكر فيه مباحث قيمة عن الخصائص النبوية وحقيقة النبوة والبشرية ، ومفهوم الحياة البرزخية .

وفى بحث مستفيض تحدث المؤلف عن التبرك ، ومفهومه الذى يخطىء كثير من الناس فى فهم حقيقته .

وشرع فى الباب الثالث من الكتاب فذكر فيه مباحث مختلفة يتعطش إليها الباحث ، فمن بينها مشروعية الزيارة النبوية وما يتعلق بها .

والمفهوم الصحيح لحديث (لاتشد الرحال ...) وكلام أئمة السلف فى مشروعية زيارة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم .

وذكر فى هذا الباب بعض المباحث اللطيفة عن الآثار النبوية والإعتناء بها وإعتناء القرآن بآثار الأنبياء السابقين ومحافظة الصحابة على بعض الآثار النبوية ، ومفهوم الإجتماع والمولد النبوى .

وذكر قصة عتق ثويبة وتوجيه العلماء لها .

هذا عرض إجمالى لما تضمنه الكتاب والذى يعتبر مؤلفه أحد علماء الحرمين الشريفين من تضلع من بحر الحوض الإلهى والسنة النبوية صاحب المجالس العلمية والدروس النبوية ، ، والتى كان يحضرها الجم الغفير من المستفيدين .

صاحب المساهمات العلمية والندوات الفقهية التى كان يشارك بها فى رابطة العالم الإسلامى ، وفى حفلات مسابقة تحفيظ القرآن الكريم ومؤتمرات السنة النبوية .

صاحب التآليف الكثيرة والتى بلغت نيفا وثلاثين مؤلفا ، منها ما هو فى القرآن وعلومه ، وفى الحديث وفنونه ، والسيرة النبوية والنصائح الدينية ، والدعوة الإصلاحية .

وكل ذلك يدعونا إلى تقدير هذا الكتاب ودعوة المسلمين إلى مطالعته ، والقيام بدعوته ، وحث العالم الإسلامى إلى وجوب دراسته ، تعليم أولادهم بما فيه

اس کا بیان ہے۔

استعانت کا مفہوم

اور ایک طویل بحث میں مصنف نے تبرک اور اس کا مفہوم بیان کیا ہے جس کی حقیقت سمجھنے میں لوگ غلطی کرجاتے ہیں۔

اور کتاب کا تیسرا باب شروع کیا ہے تو اس میں ایسے مختلف مباحث بیان کئے ہیں جن کے اہلِ بحث پیاسے ہیں۔ جن میں سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارتِ پاک کی مشروعیت اور اس کے متعلقات بھی ہیں۔

اور حدیث شریف "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ الخ" کا صحیح مفہوم اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارتِ پاک کی مشروعیت کے بیان میں ائمہ سلف کا کلام نقل کیا ہے۔

اور اس باب میں بعض عمدہ مباحث ذکر کئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثارِ مبارکہ اور ان کے اہتمام کے بیان میں اور قرآن کریم کے انبیاء سابقہ کے آثارِ مبارکہ کا اہتمام کے ساتھ ذکر کرنے کے بیان میں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض آثارِ مبارکہ کی حفاظت کرنے کے بارے میں اور مجالس اور مولود شریف کا مفہوم بیان کیا ہے۔

اور ثویبہ کے آزاد کرنے کا قصہ اور علماء نے اس کی جو توجیہات کی ہیں، ان کو بیان کیا ہے۔

یہ کتاب کے مباحث کا اجمالی خاکہ تھا۔ اور جہاں تک مؤلف کتاب کی قدر و منزلت کا تعلق ہے تو وہ علمائے حرمین شریفین میں سے ایک ایسے عالم ہیں جنہوں نے حوضِ الٰہی اور سنت نبویہ کے سمندر سے خوب شکم سیر ہو کر پیا ہے۔ ان کی علمی مجالس اور دروس نبویہ ہوتے ہیں جن کے اندر مستفیدین کا ایک جم غفیر حاضر ہوتا ہے۔ ان کی علمی محفلیں اور فقہی حلقے ہوتے ہیں جن کے ذریعہ یہ رابطہ عالم اسلامی اور مقابلہ تحفیظ القرآن الکریم کی محفلوں اور سنت نبویہ کی کانفرنسوں میں حصہ لیتے ہیں۔

کثیر التصانیف ہیں جن کی تعداد تیس سے اوپر پہنچ گئی ہے جن میں سے بعض قرآن کریم اور علوم قرآن کے بارے میں اور بعض حدیث اور فنونِ حدیث کے بارے میں اور بعض سیرتِ نبویہ اور نصائح دینیہ کے بارے میں ہیں۔ اور بعض دعوتِ اصلاحی کے بارے میں ہیں۔

اور یہ تمام چیزیں ہمیں اس طرف بلاتی ہیں کہ ہم اس کتاب کی قدر کریں اور مسلمانوں کو اس کے

من الحق الصريح والقول الصحيح ، والدفاع عن حرمات الإسلام ، وبيان ما اجترحه الأعداء من الضلالات والأكاذيب والدعوات الباطلة ، والله تعالى يؤيد عباده الصالحين بتأييد دينه القويم أتم تأييد ، وفى الختام نسأل الله تعالى أن يوفق المسلمين جميعا لمطالعة هذا الكتاب وتأييد دعوته .

ونسأل الله تعالى لمؤلفه المثوبة والسلامة من المكائد وتحقيقا لما دل عليه القرآن من نصر دعاة الحق والدين ، وخذلان دعاة الباطل أعداء الدين ، والله الموفق والهادى إلى الحق المبين .

تحريرا فى آخر جمادى الأولى سنة ١٤٠٥هـ .

حسنين محمد مخلوف

مفتى الديار المصرية السابق

عضو هيئة كبار العلماء بالأزهر الشريف

عضو المجلس التأسيسى لرابطة العالم الإسلامى

الحائز على جائزة الملك فيصل العلمية

لخدمة الدعوة الإسلامية

مطالعہ کی دعوت دیں۔ اور اس کی دعوت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور عالم اسلام کو اس کی تعلیم کے لازمی قرار دینے پر ابھاریں ۔ اور اس کتاب کے اندر جو صاف ستھرا حق، صحیح کلام اور اسلام کی حرام کی ہوئی چیزوں کی طرف سے دفاع اور دشمن کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں، جھوٹ اور غلط دعوؤں کا بیان ہے۔ ان چیزوں کو اپنے بچوں کو سکھانے پر مسلمانوں کو ابھاریں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے نیک بندوں کی مکمل مدد فرماتا ہے ان کے دینِ مستقیم کی مدد کرنے کی وجہ سے۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس کتاب کے مطالعہ اور اس کی دعوت کی تائید کی توفیق عطا فرمائیں۔

اور ہم اللہ تعالےٰ سے مؤلف کے لئے بہترین بدلہ اور ہر قسم کے مکائد سے حفاظت کا سوال کرتے ہیں۔ اور قرآن کریم کے مدلول کے مطابق کہ اللہ تعالیٰ داعیانِ حق اور دین کی مدد فرماتے ہیں اور داعیان باطل اور دشمنانِ دین کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہیں مصنف کی مدد و نصرت فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ ہی توفیق دینے والے ہیں اور حق مبین کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔

یہ تحریر آخر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ میں لکھی گئی

حسنین محمد مخلوف

سابق مفتی دیار مصر

رکن مجلس کبار العلماء بالازہر الشریف

رکن مجلس تاسیسی رابطہ عالم اسلامی

دعوت اسلامیہ کی خدمت کی بنا پر

شاہ فیصل علمی ایوارڈ یافتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ اور اللہ کی رحمتیں اور سلام ہوں تمام رسولوں میں سب سے اشرف ترین رسول ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی تمام آل اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد

اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنی بے شمار نعمتیں فرمائی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی نعمت اسلام کی نعمت ہے اور یہ کتنی عظیم نعمت ہے۔ اور ایک نعمت امن و امان کی نعمت ہے کہ ہم ان شہروں میں چین اور سکون کے ساتھ زندگی گذار رہے ہیں۔ اور ایک نعمت یہاں پر شریعتِ اسلامیہ کا نافذ ہونا اور حدود اللہ کا قائم ہونا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کے مطابق فیصلے ہونا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور پھر ہمارے ان حکام کی مہربانی ہے جن کو اللہ تعالےٰ نے ان بلادِ مقدسہ بلادِ حرمین شریفین کا محافظ بنایا ہے! اور ان کو ان دونوں شہروں کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی اور ان کی حفاظت اور پہریداری کی امانت پوری کرنے کا شرف بخشا۔ لہٰذا انہوں نے اس راستے میں اپنی پوری کوشش اور محنت صرف کی۔

اور پھر اللہ کے فضل و کرم سے ان کو اس راستہ میں ایسا مخلص اور باوفا طبقہ ملا جنہوں نے صدقِ دل سے ان سے بیعت کی اور اپنے وعدے کو صحیح طرح پورا کیا۔ اور سامنے اور پیٹھ پیچھے ہر حال میں اپنے عہد کے پابند رہے۔ لہٰذا ہم بھی اپنے اس عہد پر قائم ہیں۔ اور اپنے اس وعدے کو اپنے خالص ایمان کے تحت پورا کرتے ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ وہی ہے جو ہمارے اسلاف کا عقیدہ تھا۔ اور ہمارا راستہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔ اس لئے کہ یہ بلادِ مقدسہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے

ہر گندگی سے پاک ہیں اور ہر شرک سے محفوظ ہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی پہلے ہی خبر دیدی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا يَجْتَمِعُ دِيْنَانِ فِي جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ — جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يُّعْبَدَ فِي جَزِيْرَتِكُمْ، جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ۔ — بے شک شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے۔ کہ آئندہ تمہارے اس جزیرے جزیرہ عرب میں اس کی عبادت کی جائے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ — اے اللہ میری قبر کو ایسا بت نہ بنائیے جس کی پرستش کی جائے۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یقیناً مقبول ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَتَخَوَّفُ عَلٰى أُمَّتِيْ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، أَمَا إِنِّيْ لَسْتُ أَقُوْلُ يَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَّلَا قَمَرًا وَّلَا وَثَنًا وَّلٰكِنْ أَعْمَالًا لِّغَيْرِ اللّٰهِ وَشَهْوَةً خَفِيَّةً۔ — مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سورج یا چاند یا بتوں کی عبادت کریں گے۔ بلکہ وہ غیر اللہ کے لئے اعمال کریں گے۔ اور خفیہ خواہشات میں مبتلا ہونگے (جو عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتیں)

(رواہ ابن ماجۃ فی کتاب الزّھد)

خصوصاً جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی اطلاع دی ہے کہ یہ بلادِ مقدسہ ایمان کا مرکز، اہلِ ایمان کا مرجع اور حاملین ایمان کی جائے پناہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الْإِيْمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلٰى جُحْرِهَا، وَفِيْ رِوَايَةٍ إِنَّ الْإِيْمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْحِجَازِ۔ — بے شک ایمان سمٹ کر آجائے گا مدینہ منورہ کی طرف جیسے سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ کر آجاتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے بیشک ایمان سمٹ کر آجائے گا حجاز کی طرف۔

اور ان احادیثِ مبارکہ اور ان کے مفاہیم کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانے اور راسخ کرنے کے لئے اس ملک کے حکام اور مقتدر حضرات نے اپنے اپنے وقت میں محنتیں کیں اور ان محنتوں کی ابتدار ملک عبدالعزیز مرحوم کے زمانے سے ہوئی جنہوں نے جزیرۃ العرب کو متحد کیا اور تمام لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور عصبی امتیازات کو مٹایا اور مادی رکاوٹوں کو دور کیا جس کی وجہ سے لوگ آپس میں اتفاق اور محبت سے رہنے لگے۔ اب وہ ایک بنیاد پر جمع ہوتے ہیں اور ایک جھنڈا ان کے انتشارات کو ختم کر دیتا ہے اور وہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا جھنڈا۔ وہ اسی بنیاد پر زندگی گذارتے ہیں۔ اگرچہ ان کی آرار اور طور وطریقے مختلف ہوں۔ لہذا بنیاد ایک ہے اور دوستی ایک ہے اور وعدہ سچا ہے جس کا ایفار لازم ہے لیکن بعض طفیلی غیر ملکی اور اجنبی ایجنٹ یہ چاہتے ہیں کہ صاف ستھرے پانی کو گدلا کر دیں اور دین کی صورت کو مسخ کر دیں اور فتنہ پھیلائیں۔ اور یہ لوگ ان پاک دامن لوگوں کو جو نفاق سے بالکل ناواقف ہیں، برائی اور شر پسندی کا لبادہ اڑھاتے ہیں اور اپنے اس عمل کے ذریعہ ایک دروازہ کھول رہے ہیں جس سے ہم بے پرواہ تھے اور آنکھوں کو وہ کچھ دکھاتے ہیں جو انہوں نے کبھی نہیں دیکھا۔ لیکن کوئی حرج نہیں۔ ہم اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور ہمیں اپنے اہل عقل وبصیرت حکام سے حسن ظن ہے۔ اور اس بات سے ہمارے دلوں کو ایک طرح کا اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے کہ ہمارے حکام ان چغلخوروں اور داعیان فتنہ کی باتوں کی طرف دھیان نہیں دینگے جن کا مقصد صرف مسلمانوں میں انتشار پھیلانا ہے۔

خصوصاً جب کہ ہم اس بلند مرتبہ حکومت کے زیر سایہ ہیں جو صحیح اور خالص عقیدہ کی حفاظت کرتی ہے اور عقائد صحیحہ کے پھیلانے اور ان کی طرف دعوت دینے میں پوری کوشش کرتی ہے۔ حکومت توحید کے زیرِ سایہ ہیں جو علم، حاملین علم اور داعیان علم کی مدد کرتی اور صاف ستھری علمی ابحاث پر ہمت افزائی کرتی ہے خواہ وہ کسی بھی میدان میں اور کسی بھی جہت سے ہوں۔ اور ان علمی ابحاث پر بحث کرنے والوں کا اعزاز واکرام کرتی ہے اور انہیں قیمتی انعامات اور بلند تمغوں سے نوازتی ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ سعودی ہوں یا (ایک حد تک) غیر سعودی ہوں۔ اور خواہ وہ دعوت اسلامیہ کے میدان میں بحث کریں یا علمی، اور نفاذِ احکام کی بحث کریں۔ اس لئے کہ ان کے ہاں پیمانہ اور ترازو

صرف اور صرف علم اور بحث ہے اور یہ حکومت اپنے اس موقف کے ذریعے عقلوں کو چمکانے اور آنکھوں کو روشن کرنے کا کام سر انجام دیتی ہے اور ایسے افکار کا جن کو مفاہیم سے تعبیر کیا جاتا ہے جو علماء اور باحثین کے خیالات میں گردش کرتے ہیں، ان کے دلوں پر جاری ہوتے ہیں اور ان کے نفوس میں موجزن ہوتے ہیں، استقبال کرتی ہے۔ لہذا یہ علماء اور باحثین اپنے اس مافی الضمیر کو زبان سے ادا کرنے کے لئے راستہ ہموار پاتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی سب سے قوی ترین ذریعہ ہے حق کے اظہار اور اس کے راسخ کرنے کا۔ اس لئے کہ وضاحت اور صفائی معاشرے کی تعمیر اور افراد معاشرہ کے باہمی اتحاد کے لئے بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ اور یہ وضاحت اور صفائی پوری طرح اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان کے دل میں جو بھی خیالات آتے ہیں اور جن مفاہیم کو بھی وہ صحیح سمجھتا ہے، ان کا اظہار نہ کر دے خواہ وہ کسی بھی اسلامی اور اجتماعی حکم کے متعلق ہوں۔

اور یہی سب سے بڑا وہ اصول ہے جس کو اسلام کی طرف دعوت دینے میں مدنظر رکھنا چاہیئے؛ اسلام نے اپنے دشمنوں کو بھی غور اور فکر کی مہلت دی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ۔ (التوبہ آیت ۶)

اور اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دیجئے یہاں تک کہ وہ سن لے کلام اللہ کا۔

اور اسلام نے دشمنوں کو مکمل فرصت فراہم کی ہے اس بات کی کہ ان کے دل میں جو بھی اعتراض یا جو بھی دلیل اور مفہوم ہو اس کو ظاہر کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (البقرہ آیت ۱۱۱)

آپ کہہ دیجئے لے آؤ سند اپنی اگر تم سچے ہو۔

اور اسلام نے تو مشرکین کو اس طرف بلایا ہے کہ وہ اس دین کی حقیقت کے بارے میں اور اس کے داعی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غور وفکر کریں۔ کبھی علیحدہ علیحدہ غور وفکر کریں اور کبھی آپس میں مل بیٹھ کر ایک دوسرے سے مشورہ کر کے غور وفکر کریں۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ

آپ فرما دیجئے کہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا

تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ (سبا آیت ۴۶)

ہوں تم کو کہ اٹھ کھڑے ہو اللہ کے نام پر دو دو اور ایک ایک پھر دھیان کرو کہ اس تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اسلام نے تو دشمن کو مکمل اعتماد فراہم کیا ہے تاکہ وہ آگے بڑھے اور اپنے دل سے اسلام کی حقیقت کو محسوس کرے اور اپنی آنکھوں سے دیکھے اس لئے کہ وہ بھی ایک زندہ وجود ہے اور خدا کی مخلوق ہے۔ اس کے پاس بھی عقل وفہم ہے۔ تو اس کو چاہیئے کہ اپنی عقل اور فہم سے سوچے اور سمجھے اور جب وہ غور وفکر کر چکے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے غور وفکر کے نتیجے سنیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔

اور ہم یا تم بے شک ہدایت پر ہیں یا پڑے ہیں صریح گمراہی میں۔

اسی طرح اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا ہے کہ وہ اہل باطل اور گمراہ مشرکین سے جن کا نہ کوئی صحیح دین ہے اور نہ کوئی عقیدہ معتبر، مناقشہ اور جدال کے وقت یہ کہیں کہ تم خود غور کرو، یا تو میں ہدایت پر ہوں گا یا تم، یا میں گمراہی پر ہوں گا یا تم۔

انہی باتوں کے پیشِ نظر میں یہ چند مباحث پیش کر رہا ہوں جو اسلام کے چند ایسے احکامات کے متعلق ہیں جن میں علماء کا اختلاف ہے اور جن کے بارے میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں علماء کی آراء ایک بات پر جمع ہو گئی ہیں۔

اور ان مفاہیم کو ظاہر کرنا اور ان کو علماء اور اصحاب بحث کے سامنے رکھنا بہت ضروری تھا تاکہ وہ ان میں غور وفکر کریں۔ اگر یہ باتیں درست ہیں تو الحمد للہ یہ صرف اللہ کی توفیق اور اس کی [illegible] سے ہیں۔ اور اگر غلط ہیں تو یہ میری طرف سے اور میرے اجتہاد کی وجہ سے ہیں۔ اور میں نے یہ [illegible] حقیقت اور ان مفاہیم عامہ کی تصحیح کے لئے پیش کئے۔ اور اس کے علاوہ میرا مقصد سوائے اصلاح اور تلاشِ حق کے اور کچھ نہیں۔ اس لئے کہ ہم بھی انسان ہیں صحیح بات بھی کہتے ہیں اور ہم سے غلطی بھی ہوتی ہے۔ اور ہم میں سے ہر شخص کی باتیں ایسی ہیں جن کو لیا بھی جا سکتا ہے اور رد بھی کیا جا سکتا ہے۔ وہ تو صرف سید معصوم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جو اپنے نفس کی خواہش سے کچھ نہیں

فرماتے تھے بلکہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا حکم ہوتا تھا۔ اور ہر کتاب زیادتی اور کمی، تغییر و تبدل اور اصلاح و تہذیب کے قابل ہے سوائے اس کتاب کے جس پر جھوٹ کا دخل نہیں آگے سے اور نہ پیچھے سے اور جو شخص اس کے علاوہ کوئی اور دعویٰ کرے وہ افترا پرداز اور شکی ہے۔

اور ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ ہم ان لوگوں میں سے ہو جائیں جو جھگڑے اور جدال کے لئے علم حاصل کرتے ہیں۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَآءَ اَوْ يُكَابِرَ بِهِ الْعُلَمَآءَ اَوْ يَصْرِفَ بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ۔

جو شخص اس لئے علم کی طلب کرے تاکہ اس کے ذریعہ بے وقوف لوگوں سے جھگڑا کرے یا اس کے ذریعہ علماء پر غالب آجائے یا اس کے ذریعہ لوگوں کے چہروں کو اپنی جانب پھیرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے۔

(اعاذنا اللہ منہ)

اور ہماری یہ کتاب بھی دیگر کتب کی طرح اصلاح اور مراجعت کے قابل ہے۔ اور میں اللہ کے فضل و کرم سے اپنی ہر کتاب میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں اور اس کے آخر میں یہ کہتا ہوں کہ "میں اللہ ہی سے توفیق اور رہنمائی کا طالب ہوں۔ اپنی اس کتاب میں اگر یہ درست ہے تو اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میرے نفس اور میرے اجتہاد سے ہے اور میں ہر اس شخص سے یہ امید رکھتا ہوں جو اس کتاب کا مطالعہ کرے وہ میری رہنمائی کرے اور مجھے میری غلطیوں پر متنبہ کرے۔"

اور ہمیشہ سے یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ علمائے کرام اپنی تصانیف میں ایک دوسرے سے مراجعت کر لیتے ہیں۔ اگر کسی کو فریق مخالف کی بات سے تسلی اور تشفی ہو جاتی ہے تو پھر وہ اس کو ماننے سے انکار نہیں کرتا سوائے اس شخص کے جو متکبر ہو۔ ہاں اگر کسی کے پاس فریق مخالف کی بات کے اندر کوئی تاویل یا وجہ نظر ہو یا دلیل یا شبہ دلیل ہو تو الگ بات ہے اس لئے کہ اگر اس کے پاس ان اعذار میں سے کوئی عذر نہیں ہے اور پھر بھی وہ نہیں مانتا تو اسے کم از کم خاموش تو ہو جانا چاہیئے۔ اور علمائے کرام کے درمیان جو ایک خاص طریقے سے گفتگو اور بحث و مباحثہ ہوتا ہے وہ اصول پسندی اور یکجہتی، ورع اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی روح اپنے اندر لئے ہوئے ہوتا ہے۔ اور ان اوصاف کے ساتھ ممتاز ہوتا ہے

اس لئے کہ ان سب کے پیشِ نظر صرف اسلامی تربیت، ذہن سازی، اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے لوگوں کو بچانا اور ہر خیر کی طرف لوگوں کو لانا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انبیاء کرام کے وارث ہیں اور میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ غلطیوں اور لغزشوں کے ذرائع سے بچائیں اور سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی فرمائیں۔

بے شک وہی بڑے سننے والے اور دعاؤں کو قبول کرنے والے ہیں اور انہی کی طرف سے توفیق ملتی ہے۔

محمد بن علوی المالکی الحسنی

ایک اہم ملاحظہ

کتاب میں مذکور احادیث مبارکہ کے متعلق ایک اہم ملاحظہ

ہم نے اپنی اس کتاب میں احادیثِ نبویہ اور آثار کی ایک کثیر مقدار نقل کی ہے اور ان احادیث و آثار کے بارے میں ہم نے بڑے بڑے متقدمین علماءِ حدیث کے اقوال نقل کئے ہیں۔ تو بعض علماء نے بعض احادیث کو صحیح قرار دیا ہے اور بعض کو حسن اور بعض پر توقف کیا ہے اور بعض پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔

اور ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر تصحیح یا تحسین یا تضعیف متقدمین علماءِ حدیث میں سے کسی ایک سے مروی ہو۔ مثلاً امام ترمذی، امام بیہقی اور منذری و ہیثمی رحمہم اللہ، تو اس میں مزید بحث و جستجو اور کتب جرح و تعدیل و کتب اسماء الرجال کی طرف مراجعت کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہاں اگر کوئی حدیث ایسی ہے جس کے بارے میں محدثین متقدمین نے کلام نہیں کیا تو پھر جو شخص اس حدیث کے بارے میں غور و فکر اور مراجعت کرنا چاہے تو اس کے لئے میدان کھلا ہے۔ اور یہ بہت وسیع اور کشادہ میدان ہے۔ سینکڑوں احادیث اس قسم کی ہیں جو اپنی خدمت اور تحقیق و تخریج کرنے والے کی منتظر ہیں۔

از مؤلف

کتاب کی اجمالی فہرست

ہم نے اس کتاب کو تین ابواب پر مشتمل کیا ہے۔

پہلا باب:
عقائد کی بحثوں میں اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آجکل کسی کو کافر یا گمراہ قرار دینے کے جو معیار مقرر کئے ہیں وہ غلط ہیں۔

دوسرا باب
نبوت کے مباحث میں۔ اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے اور نبوت و بشریت کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ طیبہ سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثارِ مبارکہ سے برکت حاصل کرنے کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

تیسرا باب۔
مختلف مباحث میں ہے۔ جن میں حیات برزخ کا بیان، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا مشروع ہونا۔ اور اس کے متعلق آثار، مشاہد اور مناسباتِ دینیہ کا بیان ہے۔

اَلبَابُ الاَوَّل

عقائد کی بحثوں میں

اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آجکل کسی کو کافر یا گمراہ قرار دینے کے جو معیار مقرر کئے گئے ہیں،

وہ غلط ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انتباہ! محض اندازے سے تکفیر کرنے سے بچنا چاہیئے

بہت سے لوگ ان اسباب کی حقیقت کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں جن کی وجہ سے آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس پر کفر کا حکم لگانا واجب ہو جاتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ محض مخالفت کی وجہ سے بعض لوگ فوراً کفر کا حکم لگا دیتے ہیں، اس طرح تو روئے زمین پر بہت ہی کم مسلمان رہ جائیں گے۔ ان کو ہم اپنے حسنِ ظن کی بنار پر معذور سمجھیں گے اور کہیں گے کہ نیت تو ان کی صحیح ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس طرح ان لوگوں نے کیا ہے، لیکن ہم کہیں گے کہ ان حضرات سے ایک بات رہ گئی ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی میں حکمت و مصلحت اور عمدہ طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اور اگر مجادلہ و مناظرہ کی نوبت آجائے تو یہ بھی عمدہ طریقہ سے ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں۔

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ (پ۱۴) سورہ نحل آیت ۱۲۵۔

بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح۔ اور الزام دے جس طرح بہتر ہو۔

ایک مسلمان نماز پڑھتا ہے اور دیگر فرائض کی ادائیگی بھی کرتا ہے، محرمات سے بھی بچتا ہے، دعوت الی اللہ کے کام میں مشغول ہے، مساجد و مدارس کے قیام میں بھی کوشش کرتا ہے، اب ایسے آدمی کو آپ نے کسی ایسی بات کی دعوت دی جس کو آپ تو حق سمجھتے ہیں لیکن اس آدمی کی رائے آپ کے خلاف ہے اور ہمیشہ سے علمارِ کرام کی رائے بھی مختلف ہے تو اگر اس نے آپ کی موافقت نہیں کی تو محض اس وجہ سے آپ اس کو کافر قرار دیدیں تو یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اور

آپ نے بہت بُری بات کا ارتکاب کیا۔ اللہ جلّ شانہٗ نے آپ کو اس سے منع فرمایا ہے۔ اور اس میں حکمت اور عمدہ طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ امام علامہ سید احمد مشہور الحداد نے فرمایا ہے:

حالانکہ اس بات پر علمائِ امّت کا اجماع ہے کہ اہلِ قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے۔ اِلّا یہ کہ وہ ایسی بات کا ارتکاب کرے جس میں اللہ جلّ شانہٗ کی نفی ہو یا کھلا شرک ہو جس میں کوئی تاویل نہ ہو سکے۔ یا نبوت کا انکار کرے یا دین کے بدیہی امور یا تواتر سے ثابت شدہ یا مجمع علیہ ضروریاتِ دین کا انکار کرے۔

اور ضروریاتِ دین یہ ہیں۔ مثلاً توحید، نبوت، ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیّین ہونا، آخرت میں اٹھایا جانا، حساب کا ہونا، بدلہ ملنا، جنت و دوزخ۔

ان کا انکار کرنے والا کافر ہوگا۔ اور اس بارے میں مسلمانوں سے جہالت کا عذر قبول نہ کیا جائے گا۔ ہاں اگر کوئی نیا مسلمان ہو تو یہ عقائد ضروریہ سیکھنے تک معذور سمجھا جائے گا۔ مگر سیکھنے کے بعد وہ بھی معذور نہ سمجھا جائے گا۔

متواتر اس خبر کو کہتے ہیں جس کو ایک بہت بڑی جماعت، بہت بڑی جماعت سے نقل کرے جن کا جھوٹ پر جمع ہو جانا محال ہو۔ اسناد کی حیثیت سے اس کی مثال یہ حدیث ہے۔ "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ" الحدیث۔ اور طبقہ کی حیثیت سے متواتر کی مثال قرآن کریم ہے۔ کیونکہ یہ روئے زمین پر درس و تلاوت اور حفظ کے اعتبار سے متواتر ہے اور ہر طبقہ نے اپنے پہلے والے طبقہ سے نقل کیا ہے اور اس کے لئے اسنادی دلیل کی ضرورت نہیں۔ ایک قسم تواتر کی تواتر عملی اور توارث ہے۔ جیسے بعض اعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب تک ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو دیکھ کر نقل کرتا آیا ہے۔

ایک قسم تواتر کی تواتر علمی ہے۔ جیسے معجزات کا تواتر کہ اگرچہ بعض معجزات بطور آحاد کے مروی ہیں مگر قدرِ مشترک ہر مسلمان کے علم میں متواتر ہے۔[1] (کہ ان معجزات کا وقوع نبی کریم فداہ ابی و

(۱) تواتر کی اقسام اور مثالوں کے بارے میں حضرت امام علامہ انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام پاکستان حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہما کا کلام بہت سلجھا ہوا ہے۔ حضرت عثمانی رحمہ اللہ کا کلام فتح الملہم شرح مسلم میں دیکھا جا سکتا ہے۔ (از مترجم)

امّی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا ہے۔)

اور ان جگہوں کے علاوہ جن کو ہم نے بیان کیا ہے، مسلمان پر کفر کا حکم لگانا بہت خطرناک معاملہ ہے۔ حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ جب آدمی اپنے بھائی کو "یا کافر" کہتا ہے تو دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہو جاتا ہے۔[1] (یعنی جس کو کافر کہا ہے اگر وہ اس کا مستحق نہیں ہے تو کفر کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔)

تکفیری حکم اس عالم کی طرف سے صحیح ہو سکتا ہے جس کا نورِ شریعت سے منور ہونا معروف ہو وہ کفر کے مداخل و مخارج کا عالم ہو اور شریعت کی روشنی میں کفر و ایمان کی حدود کو جانتا ہو۔ لہٰذا ہر ایرے غیرے کے لئے اس میدان میں کودنا اور پختہ علم اور پوری تحقیق و یقین کے بغیر، محض ظن و وہم سے کسی کو کافر بنانا جائز نہیں ہے۔ ورنہ بڑا خلط ملط واقع ہوگا۔ اور روئے زمین پر تھوڑے ہی مسلمان باقی رہ جائیں گے۔ جب کہ ایمان اور شہادتین کے ہوتے ہوئے محض گناہوں کی وجہ سے کسی کو کافر کہنا جائز نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم فداہ ابی و امّی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایمان کے اصول میں سے ہیں (۱) لا الٰہ الّا اللہ کہنے والے سے رُک جانا، اس کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کریں گے اور نہ کسی کام کے کرنے کی وجہ سے اسلام سے خارج کریں گے (۲) جہاد چلتا رہے گا میری بعثت سے لے کر یہاں تک کہ میری امت کا آخری آدمی دجال سے قتال کرے۔ کسی ظالم کے ظلم اور کسی عادل کا عدل جہاد کو ختم نہیں کر سکتا۔ (۳) تقدیر پر ایمان[2]

امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم سے پوچھا جائے کہ کونسی عبارتیں قابلِ تکفیر ہیں اور کونسی نہیں، اس کی تفصیل بیان کریں، تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ یہ بے محل بات ہے۔ کیونکہ اس بات تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ اس کا مبنیٰ اصولِ توحید ہے اور جو شخص حقائق کی انتہا کو نہ پہنچتا ہو وہ دلائل تکفیر کو کما حقّہ نہیں سمجھ سکتا۔

ہم اس لئے محض اندازے سے تکفیر کو منع کرتے ہیں۔ سوائے ان مسائل کے جن کا بیان ما قبل

(۱) رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

(۲) اخرجہ ابوداؤد۔

میں گذر چکا ہے۔ کیونکہ یہ بہت خطرناک معاملہ ہے۔

وَاللّٰهُ الْهَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کا موقف

اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اس میدان میں بہت عظیم موقف اختیار کیا ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو شیخ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس موقف کا انکار کرتے ہیں۔ پھر اپنی اٹکل سے کفر کا حکم لگا دیتے ہیں ہر اس شخص پر جو ان کے طریقہ کی مخالفت کرتا ہو اور ان کے اس طرزِ فکر سے متفق نہ ہو۔ حالانکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب ان کی طرف منسوب شدہ فضولیات اور احمقانہ الزامات کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے اس خط میں جو انہوں نے اہلِ قصیم کو لکھا تھا اپنے عقیدہ کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

پھر تم سے یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلیمان بن سحیم کا خط تم تک پہنچا ہے جس کو تمہارے علاقہ کے اہلِ علم نے مانا ہے اور اس کی تصدیق بھی کر لی ہے۔ حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ اس شخص (سلیمان بن سحیم)، نے ایسی باتوں کا الزام لگایا ہے جو میں نے نہیں کہیں بلکہ ان میں سے اکثر باتوں کی طرف میرا خیال بھی نہیں گذرا۔

ان الزامات میں سے ایک یہ بھی ہے، میں مذاہبِ اربعہ کی کتب کو باطل کہتا ہوں۔ اور یہ کہ لوگ میرے نزدیک چھ سو سال سے صحیح نہج پر نہیں ہیں۔ اور یہ کہ میں مجتہد ہونے کا دعویدار ہوں۔ اور میں خارج از تقلید ہوں۔ اور یہ کہ میں علماء کے اختلاف کو ایک وبال کہتا ہوں۔ اور یہ کہ میں صالحین سے توسل کرنے والوں کو کافر قرار دیتا ہوں۔ اور یہ کہ میں علامہ بوصیری کو ان کے اس قول "یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ" کی وجہ سے کافر کہتا ہوں۔ اور یہ کہ میں نے یہ کہا ہے کہ اگر مجھے قبۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گرانے کی قدرت ہوتی تو میں اس کو گرا دیتا۔ اور اگر مجھے کعبۃ اللہ پر قدرت ہوتی تو اس کے موجودہ میزاب کو نکال کر اس کے لئے لکڑی کا میزاب بنا دیتا۔ اور یہ کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کو حرام قرار دیتا ہوں۔ اور یہ کہ میں والدین وغیرہ کی قبور کی زیارت کا منکر ہوں۔ اور یہ کہ میں غیر اللہ کی قسم کھانے والے کو کافر کہتا ہوں۔ اور یہ کہ میں ابنِ فارض اور ابن عربی کو کافر کہتا ہوں۔ اور یہ کہ میں

دَلَائِلُ الْخَیْرَاتِ اور رَوْضُ الرَّیَاحِیْن کو جلاتا ہوں اور اس کا نام روض الشیاطین رکھتا ہوں

ان الزام شدہ مسائل کے بارے میں میرا (یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب کا) جواب:۔

میں کہتا ہوں سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ (کہ یہ مجھ پر ایک عظیم بہتان ہے) اس سے پہلے وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان لگایا کہ وہ حضرت عیسی بن مریم اور صالحین پر سب وشتم کرتے ہیں۔ لہذا جھوٹے الزامات اور جھوٹی باتوں میں ان دونوں فرقوں کے دل مشابہ ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ (پ ۱۴ سورۂ نحل)

جھوٹ تو وہ لوگ بناتے ہیں جن کو یقین نہیں اللہ کی باتوں پر

ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بھی الزام لگایا تھا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ "ملائکہ اور عیسیٰؑ اور عزیرؑ جہنم میں ہوں گے"۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (پ ۱۷ انبیاء)

جن کے لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی، وہ اس سے دور رہیں گے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے مجموعۂ مؤلفات میں ان کے ذاتی خطوط میں سے پہلا خط ملاحظہ ہو۔ جو جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیة کے زیر اہتمام طبع ہوا ہے۔ (القسم الخامس)

اس موضوع پر شیخ کا ایک اور اہم خط

یہ وہ خط ہے جو شیخ محمد بن عبدالوہاب نے عراق کے یک ۔ لم شیخ سویدی کو لکھا تھا۔ اور اس سے پہلے شیخ سویدی نے ان کو ایک خط بھیج کر ان کی طرف منسوب کی ہوئی بعض باتوں کے بارے میں استفسار کیا تھا تو شیخ نے اس خط کے ذریعے جواب دیا۔ جس میں لکھا ہے کہ:۔

عقلمند آدمی کو جھوٹے الزامات نقل کرنے سے بھی شرمانا چاہیئے۔ چہ جائیکہ وہ خود بھی الزام تراشی کرے جیسے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ میں اپنے پیروکاروں کے سوا سب کو کافر کہتا ہوں، بڑے تعجب کی بات ہے کیا ایک صاحبِ عقل کی عقل میں بھی یہ بات آسکتی ہے؟ اور کیا ایک مسلمان یہ بات کہہ سکتا ہے؟

اور یہ جو تم کہتے ہو "کہ اگر مجھے قبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گرانے کی قدرت ہوتی تو میں اس کو گرا دیتا، اور یا یہ کہ میں دلائل الخیرات کو ناجائز قرار دیتا ہوں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے سے روکتا ہوں خواہ وہ کسی بھی الفاظ میں ہوں" تو یہ مجھ پر بڑا بہتان ہے اور مسلمان اپنے دل میں کتاب اللہ سے زیادہ کسی چیز کی بڑائی کا گمان نہیں کر سکتا۔

اسی کتاب کے ص۶۴ میں شیخ فرماتے ہیں:۔

اور یہ جو تم کہتے ہو کہ میں صالحین سے توسل کرنے والے کو کافر کہتا ہوں، اور علامہ بوصیری کو "یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ" کی وجہ سے کافر کہتا ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کا منکر ہوں اور والدین وغیرہ کی قبروں کی زیارت کا منکر ہوں، اور غیر اللہ کی قسم کھانے والے کو کافر کہتا ہوں تو ان باتوں کے بارے میں میرا جواب یہ ہے کہ سُبْحٰنَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ۔

(رسائل شخصیہ۔ ص ۳۷ مجموعہ مؤلفات الشیخ)

مسلمان سے گالی گلوچ کرنا بُری بات اور اس سے قتال کرنا کفر ہے

ان وجوہات کی وجہ سے جن کا بیان ماقبل میں گذر چکا، مسلمانوں کو بُرا سمجھنا، اور ان سے قطع تعلق کرنا حرام ہے ——— نیز مسلمانوں سے گالی گلوچ کرنا بہت بُری بات ہے اور حلال سمجھ کر مسلمانوں سے قتال کرنا کفر ہے۔

اور اس باب میں سیدنا حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی حدیث تکفیر پر جلد بازی کرنیوالوں کو روکنے کے لئے کافی ہے، جب وہ بنو جذیمہ میں لشکر لے کر گئے تو ان قبیلہ والوں نے انکو خوش آمدید کہا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا ہم تو مسلمان ہیں، تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اتر جاؤ اور اپنے ہتھیار نیچے ڈال دو، انہوں نے کہا ہم ہتھیار تو نہیں ڈالیں گے۔ اور اگر ہم نے ہتھیار ڈال دئے تو قتل کر دئے جائیں گے۔ تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک تم اپنے قلعہ سے اترو گے نہیں تو ہم تم کو امان بھی نہ دیں گے۔ یہ سُنکر بعض لوگ تو آگئے اور بقیہ ادھر، اُدھر ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ جب ان کے پاس پہنچے، تو وہ لوگ بہت اچھی طرح ملے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم کافر ہو یا مسلمان؟ انہوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں۔ اپنے یہاں مساجد بنائی ہیں، ان میں اذانیں دیتے ہیں۔

ایک اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ اپنے اسلام لانے کو اچھے الفاظ میں تعبیر نہ کر سکے۔ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم دین سے نکل گئے، ہم دین سے نکل گئے (مقصد یہ تھا کہ دین کفر سے نکل کر دینِ اسلام میں داخل ہو گئے) حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم نے یہ ہتھیار کیوں اٹھا رکھے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بعض قبائل سے ہماری دشمنی ہے۔ آپ کو دیکھ کر ہمارا خیال ان کی طرف چلا گیا، اس لئے ہتھیار اٹھا لئے۔ تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے اپنے ہتھیار سب رکھ دو۔ انہوں نے جب ہتھیار رکھ دئے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سب کو قید کر دیا اور انہی کو حکم دیا کہ ایک دوسرے کو باندھو، پھر ان سب کو اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ صبح کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اعلان کروا دیا کہ جس کے پاس جو قیدی ہو اس کو قتل کر دے۔ بنو سلیم نے تو اپنے قیدیوں کو قتل کر دیا لیکن مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے قتل کرنے سے رُک گئے۔ اور اپنے اپنے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا اے اللہ میں خالد کے فعل سے بَری ہوں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام ۴/۷۰، ۷۲)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ان کے انکار

سے یہ سمجھ لیا ہو کہ یہ تکبر اور عدم انقیاد کی وجہ سے کہہ رہے ہیں۔ اور نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جلد بازی اور خوب اچھی طرح سے ان کے کلام کو نہ سمجھنے پر انکار فرمایا۔ کیونکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قبیلہ کا ایک فرد خالد بن الولید اللہ تعالیٰ کا بہت اچھا بندہ ہے، اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جس کو اللہ جلّ شانہ نے کفار اور منافقین پر سونت رکھا ہے۔ (مجمع الزوائد ۹/۳۵۱)

اسی طرح سے محبوب بن محبوب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا قصہ ہے جس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حرقہ کی طرف غزوہ کے لئے بھیجا۔ ہم نے صبح ہی صبح ان پر حملہ کیا اور ان کو شکست دیدی۔ میں نے اور ایک انصاری نے ان میں سے ایک آدمی کو پکڑ لیا۔ جب اس کو گرا دیا تو وہ لا الٰہ الّا اللہ پڑھنے لگا۔ یہ سنکر انصاری نے تو اس کو چھوڑ دیا، لیکن میں نے اپنے نیزے سے اس کو قتل کر دیا۔ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ کو یہ سارا واقعہ بتایا، تو آپ نے فرمایا کہ لا الٰہ الّا اللہ پڑھنے کے بعد بھی تم نے اس کو قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا کہ وہ تو قتل سے بچنے کے لئے لا الٰہ الّا اللہ پڑھتا تھا۔ لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی فرماتے رہے۔ تو اس وقت میرے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ کاش میں اب اسلام لایا ہوتا۔ (تاکہ میرا گناہ معاف ہو جاتا۔ کیونکہ اسلام گذشتہ تمام گناہ معاف کرا دیتا ہے)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ تم نے اس کا دل چیر کر ہی کیوں نہ دیکھ لیا کہ سچا ہے یا جھوٹا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب میں کسی ایسے آدمی سے جو لا الٰہ الّا اللہ کہتا ہو، قتال نہ کروں گا۔ (ریاض الصالحین باب ۴۹ حدیث نمبر ۳۹۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ یہ آپ کے مخالفین کیا کافر ہیں؟ فرمایا کہ نہیں، کفر ہی سے بھاگ کر آئے ہیں۔ تو سائل نے دریافت کیا کہ کیا یہ منافق ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ منافق بھی نہیں۔ منافق تو اللہ کو بہت کم یاد کرتا ہے اور یہ لوگ تو اللہ کو خوب یاد کرنے والے ہیں۔ سائل نے پوچھا کہ پھر یہ کیا ہیں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا کہ یہ فتنہ میں پڑ کر اندھے بہرے ہو گئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خالق اور مخلوق کا مقام

خالق اور مخلوق کے مقام میں فرق کرنا، یہی کفر و ایمان کی حدود میں فاصل ہے۔ اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص دونوں مقاموں میں خلط کر دے تو العیاذ باللہ وہ کافر ہو جائے گا۔ اور ہر مقام کے کچھ خاص حقوق ہیں۔ لیکن اس باب میں خاص طور سے وہ امور ذکر کئے جائیں گے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں۔ اور آپ کی وہ خصوصیات جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے بشر سے ممتاز کر دیا ہے اور ان امور و خصوصیات نے آپ کو دوسروں پر رفعت عطا کی ہے۔ یہ امور بہت سے لوگوں پر ان کی کم عقلی و کم فہمی و تنگ نظری و بد فہمی کی وجہ سے مشتبہ ہو گئے تو انہوں نے جلدی سے ان امور کے قائلین پر کفر و ملتِ اسلامیہ سے خروج کا حکم لگا دیا۔ اور یہ سمجھنے لگے کہ ان لوگوں نے خالق و مخلوق کے مقام میں خلط کر دیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام الوہیّت تک پہنچا دیا۔ ہم تو اللہ پاک کی بارگاہ میں اس عقیدۂ فاسدہ سے برارت کرتے ہیں۔ اور اللہ کے فضل سے ہم جانتے ہیں کہ وہ تمام اُمور جو صرف اللہ جلّ شانہٗ کے مناسب ہیں، اور وہ امور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت ہیں اور وہ امور بھی جو محض اللہ جلّ شانہٗ کا حق ہے اور وہ جو محض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق ہیں، بغیر غُلو و مبالغہ و حد سے تجاوز کئے منع و عطار و نفع و ضرر میں مستقل بنفسہٖ اور قدرتِ کاملہ و خَلق و ملک و تدبیر و تفرّد بالکمال و جلال و تقدیس اور عبادت کی تمام انواعِ مختلفہ و احوال و مراتب وغیرہ صفات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک کی صفات و خصائص ربوبیّت و اُلوہیّت میں شریک کئے بغیر جانتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و طاعت اور آپ سے تعلق کی زیادتی میں غُلو تو محبوب و مطلوب ہے۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے۔ " لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَأَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ " اس کے معنٰی یہ ہیں کہ نصارٰی نے جو حضرت عیسٰی بن مریم کی تعریف میں طریقہ اختیار کیا (ابن اللہ، اللہ کا بیٹا بنا دیا) اس کے علاوہ خوب تعریف کرنا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنار کرنا محمود ہے۔ اگر اس کے علاوہ

کوئی دوسرے معنی مراد لئے جائیں تو پھر آپ کی تعریفات ہی مراد ہوگی۔ اور یہ معلوم ہے کہ اس کا مسلمانوں میں سے کوئی بھی جاہل سے جاہل بھی قائل نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ پاک نے قرآن حکیم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ سے اعلیٰ عظمت کو بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا ہم پر بھی واجب ہے کہ ہم بھی اس ذاتِ اقدس کی تعظیم کریں جس کی اللہ پاک نے تعظیم فرمائی اور حکم فرمایا ہے۔ ہاں ہم پر یہ بھی واجب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صفاتِ ربوبیت میں سے کسی کے ساتھ متصف نہ کریں۔ اور اللہ پاک اس شعر کے قائل پر رحم کرے کہ اس نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِيْ نَبِيِّهِمِ ‏ ‏ ‏ ‏ وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمِ

ترجمہ:۔ نصاریٰ نے جن اوصاف سے اپنے نبی کو متصف کیا ہے ان کو چھوڑ کر جو تو چاہے حکم لگا دے۔

غیر صفاتِ ربوبیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنے میں کوئی شرک و کفر نہیں، بلکہ یہ تو اعظم القربات والطاعات ہے۔ اسی طرح اللہ پاک نے دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و مرتبہ بیان فرمایا ہے تو ان کی تعظیم بھی اعظم القربات والطاعات اور فرشتوں اور صدیقین و شہداء و صالحین وغیرہم کی تعظیم بھی اس میں داخل ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے:۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ
لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (سورۃ الحج پ۱۷)

جو شخص اللہ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا سو یہ اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ
تَقْوَى الْقُلُوْبِ (سورۃ الحج پ۱۷)

جو شخص دینِ خداوندی کی ان یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔

اور اسی کے قبیل سے کعبۃ اللہ و حجرِ اسود و مقامِ ابراہیم ہیں۔ یہ پتھر ہیں اور اللہ پاک نے ہم کو ان پتھروں کی تعظیم کا حکم دیا ہے کہ بیت اللہ کا طواف کریں اور رکنِ یمانی کو مس کریں اور حجرِ اسود کو بوسہ دیں اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھیں۔ اور کعبۃ اللہ کے دروازہ و چوکھٹ و ملتزم کے پاس دعا کے لئے کھڑے ہوں، ہم ان مقامات پر اللہ جلّ شانہٗ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور غیر اللہ کے لئے کسی تاثیر و نفع و ضرر کا عقیدہ بھی نہیں رکھتے۔ کیونکہ غیر اللہ کے لئے یہ امور ثابت نہیں۔

مخلوق کا مقام

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ آپ بشر ہیں اور آپ کو وہ امراضِ بشریہ جو کہ دوسروں کو بھی آتے ہیں بشرطیکہ سبب نقص و سبب نفرت نہ ہوں، پیش آسکتے ہیں جیسا کہ صاحب العقیدہ نے فرمایا ہے۔

وَجَائِزٌ فِيْ حَقِّهِمْ مِّنْ عَرَضٍ ‏ ‏ ‏ ‏ بِغَيْرِ نَقْصٍ كَخَفِيْفِ الْمَرَضِ

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وہ عوارض پیش آسکتے ہیں جن میں کوئی نقص نہ ہو جیسے ہلکے امراض وغیرہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے و بشر ہیں اپنی ذات کے لئے نفع و ضرر، موت و حیات و نشور کے مالک نہیں۔ اِلّا ما شاء اللہ۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا
ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ
اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ
الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا
اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ
(سورۂ اعراف پ۹)

آپ فرما دیں کہ میں اپنی جان کے لئے بھلے اور برے کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ پاک چاہیں۔ اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی برائی یعنی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو بس ڈرانے والا، خوشخبری سنانے والا امومنوں کو ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حق رسالت کو ادا فرمایا، امانت کو پہنچا دیا اور امت کے ساتھ خیر خواہی فرمائی، غم و حزن کو دور فرمایا۔ اللہ کے راستہ میں جہاد فرمایا۔ حتّٰی کہ یقین، موت آگئی اور اپنے رب کے پڑوس میں راضی و مرضی منتقل ہو گئے۔ جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔

(سورۃ الزمر پ۲۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ
اَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ٥
(سورۃ الانبیاء پ۱۷)

اور ہم نے نہیں دیا آپ سے قبل کسی بشر کو ہمیشہ زندہ رہنا۔ پس کیا اگر آپ مر گئے تو وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

اور[1] عبودیت تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سب سے زیادہ اشرف صفت ہے اور آپ اس پر فخر فرماتے تھے۔ فرماتے " اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ " اور اللہ پاک نے سب سے اعلیٰ مقام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وصفِ عبدیت کے ساتھ متصف فرمایا۔

سُبْحٰنَ الَّذِىْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا۔
(سورہ بنی اسرائیل پ۱۵)

پاک ہے وہ ذات جو رات کے ایک حصہ میں اپنے بندہ کو لے گئی۔

اور ارشاد فرمایا:۔

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ
كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا۔

اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ لوگ اس بندے پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بشریت بھی عین معجزہ ہے کہ آپ جنس بشریت سے ہوتے ہوئے دیگر تمام انسانوں سے ان اوصاف کی وجہ سے ممتاز ہیں کہ ان اوصاف میں کوئی آپ کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں اپنی ذات کے بارے میں خود فرمایا ہے:۔

اِنِّىْ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنِّىْ اَبِيْتُ
عِنْدَ رَبِّىْ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِىْ۔

میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصفِ بشریت آپ کے ایسے خصائصِ فریدہ اور مناقبِ حمیدہ کے ساتھ متصف ہے جس کی وجہ سے یہ وصفِ بشریت آپ کو دیگر بشر سے ممتاز و جدا کر دیتا ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص نہیں بلکہ اللہ کے تمام رسولوں کے بارے میں ثابت

---

(۱) تفسیر کبیر طرازی ص ۔ ج تحت تعالیٰ (سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ)

ہے تاکہ ہماری نظر ان کو ان کے مقام کے مناسب دیکھے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بغیر کسی خصوصیتِ ممتازہ کے عام بشر کی طرح سمجھنا جاہلانہ و کافرانہ سوچ ہے۔ اور قرآن حکیم میں بکثرت اس پر شواہد موجود ہیں۔ اس کی ایک مثال نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کا قول ہے:۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (سورہ ہود پ۱۲)

سو جو ان کی قوم میں کافر سردار تھے کہنے لگے ہم تو تم کو اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں۔

دوسری مثال حضرت موسیٰ و ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کی قوم کا قول ہے:۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ
قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (سورہ مومنون پ۱۸)

چنانچہ وہ کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری ہی طرح کے آدمی ہیں ایمان لے آویں حالانکہ ان کی قوم کے لوگ ہمارے محکوم رہے ہیں

تیسری مثال حضرت صالح علیہ السلام کی قوم (قوم ثمود) کا قول ہے:۔

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (شعراء پ۱۹)

تم تو بس ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو سو کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

چوتھی مثال حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کا قول ہے:۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ وَمَآ
اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ
لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ (شعراء پ۱۹)

وہ کہنے لگے کہ بس تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کیا ہے اور تم تو محض ہماری طرح کے ایک آدمی ہو۔ اور ہم تم کو جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں۔

پانچویں مثال ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشرکین مکہ کا قول ہے کہ ان مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بشریت کی آنکھ سے دیکھا۔

قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ
وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ۔
(سورہ فرقان پ۱۸)

یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں سچی خبریں بیان فرمائیں۔ اور اللہ پاک نے آپ کو ایسی

عظیم صفات اور خوارق عادات سے متصف فرمایا کہ ان کی وجہ سے آپ دیگر تمام بشر سے ممتاز ہو گئے[1]

حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

تَنَامُ عَيْنِيْ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ ۔

میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا۔

دوسری حدیث صحیح میں ہے :-

اِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ كَمَا اَرَاكُمْ مِنْ اَمَامِيْ ۔

میں تم کو پیچھے سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیساکہ آگے سے دیکھتا ہوں۔

تیسری جگہ حدیث صحیح میں ہے :-

اُوْتِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَآئِنِ الْاَرْضِ

مجھے خزائن الارض کی چابیاں دیدی گئیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ دنیا سے انتقال فرما گئے مگر اپنی قبر شریف میں حیاتِ برزخی کے ساتھ زندہ ہیں۔ سلام کو سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اور جو شخص آپ کو سلام اور درود شریف پیش کرتا ہے، آپ کو اس کا درود شریف پہنچتا ہے۔ اور آپ کی خدمت اقدس میں امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ محسنین کے اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور بُروں اور گنہگاروں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اور اللہ پاک نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ آپ کے جسدِ اطہر کو کھائے۔ اور آپ کا جسدِ اطہر آفات و عوارضاتِ ارضیہ سے محفوظ ہے۔

وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ ، فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ ۔ قَالُوْا : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! كَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارے افضل ترین ایام میں سے جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن میں حضرت آدم علیہ السلام (کے پتلے میں) روح پھونکی گئی، اسی میں ان کی وفات ہوئی اسی دن نفخہ (دوسرا صور) اور اسی میں صعقہ (پہلا صور) ہوگا۔ پس اس دن میں کثرت سے مجھ پر درود شریف پڑھا کرو۔ اس لئے

---

(۱) اس موضوع پر ایک خاص بحث "اَلْاَنْبِيَآءُ بَشَرٌ وَّلٰكِنْ" کے عنوان سے مستقل آرہی ہے۔

عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ يَعْنِيْ بَلِيْتَ ؟ فَقَالَ : اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَآءِ

(القول البدیع للسخاوی)

کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائیگا آپ تو قبر شریف میں بوسیدہ ہو چکے ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے زمین پر یہ بات حرام کر دی کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے بدنوں کو کھائے۔

اس کو امام احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ و ابنِ حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے اس کو روایت کرکے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور اس موضوع پر علامہ جلال الدین سیوطی کا ایک خاص رسالہ "اَنْبَآءُ الْاَذْكِيَآءِ بِحَيَاةِ الْاَنْبِيَآءِ" موجود ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ فَاِذَا اَنَا مِتُّ كَانَتْ وَفَاتِيْ خَيْرًا لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ فَاِنْ رَاَيْتُ خَيْرًا حَمِدْتُ اللّٰهَ وَاِنْ رَاَيْتُ شَرًّا اِسْتَغْفَرْتُ لَكُمْ ۔

(قال الهيثمي : رواه البزار ورجاله رجال الصحيح)

حضرت عبداللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے کہ آپس میں بات چیت ہو جاتی ہے اور جب میری وفات ہو جائے گی تو میری وفات بھی تم لوگوں کے لئے بہتر ہے کہ تمہارے اعمال پیش کئے جائینگے مجھ پر۔ اگر میں خیر دیکھوں گا تو اللہ کی حمد کروں گا اور اگر برائی دیکھوں گا تو تمہارے لئے استغفار کروں گا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَا مِنْ اَحَدٍ يُّسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ پاک میری روح کو لوٹا دیتے ہیں حتیٰ کہ میں اس کو سلام کا جواب دیتا ہوں

(رواہ احمد وابوداؤد۔ قال بعض العلماء: رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ اَیْ نُطْقِیْ)

اس کو احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ "رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ" کے معنی "نُطْقِیْ" یعنی گویائی ہے۔

عَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللّٰہَ وَکَّلَ بِقَبْرِیْ مَلَکًا اَعْطَاہُ اللّٰہُ اَسْمَآءَ الْخَلَآئِقِ، فَلَا یُصَلِّیْ عَلَیَّ اَحَدٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِلَّا اَبْلَغَنِیْ بِاسْمِہٖ وَاسْمِ اَبِیْہِ، ھٰذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ قَدْ صَلّٰی عَلَیْکَ۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے میری قبر پر ایک ایسا فرشتہ مقرر فرمادیا ہے جس کو تمام مخلوق کے نام بتا دئیے ہیں قیامت تک جو بھی مجھ پر درود شریف پڑھے گا تو وہ فرشتہ مجھے اس کے اور اس کے باپ کے نام کے ساتھ وہ درود شریف پہنچائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اس نے آپ پر درود شریف پڑھا ہے۔

رَوَاہُ الْبَزَّارُ وَاَبُو الشَّیْخِ بْنُ حَبَّانٍ وَلَفْظُہٗ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ لِلّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَلَکًا اَعْطَاہُ اَسْمَآءَ الْخَلَآئِقِ فَھُوَ قَآئِمٌ عَلٰی قَبْرِیْ اِذَا مِتُّ، فَلَیْسَ اَحَدٌ یُّصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا قَالَ: یَا مُحَمَّدُ! صَلّٰی عَلَیْکَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، قَالَ: فَیُصَلِّی الرَّبُّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلٰی ذٰلِکَ الرَّجُلِ بِکُلِّ وَاحِدَۃٍ عَشْرًا (رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ بِنَحْوِہٖ)

اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور ابوالشیخ ابن حبان نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک کا ایک ایسا فرشتہ ہے جس کو اللہ پاک نے تمام مخلوق کے نام سکھائے ہیں۔ میری وفات کے بعد وہ فرشتہ میری قبر پر کھڑا رہیگا جو بھی مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے یا محمد! فلاں بن فلاں نے آپ پر درود شریف پڑھا ہے۔ پھر اللہ جل شانہٗ اس شخص پر ایک کے بدلے میں دس مرتبہ اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرماتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ فوت ہوگئے مگر اہلِ ایمان کے نزدیک بلا کسی شک وشبہ کے اللہ کے

نزدیک آپ کی فضیلت اور آپ کا مقام اور آپ کی وجاہت وعزت باقی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں اگر ہم آپ کا توسّل اختیار کرتے ہیں تو درحقیقت آپ کی محبت وبزرگی، آپ پر اور آپ کی رسالت پر ایمان وغیرہ ہی کا اختیار کرنا ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت نہیں بلکہ کتنا بھی آپ کا درجہ عظیم ہو جائے ومرتبہ بلند ہو جائے آپ مخلوق ہی ہیں، کوئی نفع وضرر اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔ (سورۃ الکہف پ۱۶)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں، میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

بعض ایسے امورِ مشترکہ جو اللہ کی پاک ذات کے منافی نہیں

بہت سے لوگ دونوں مقاموں کے مابین امورِ مشترکہ کے سمجھنے میں خطا کر گئے ہیں۔ اور ان کا یہ خیال ہے کہ ان امور کی مخلوق کی طرف نسبت شرک ہے۔ اور پھر مخلوق کی طرف ان امورِ مشترکہ کی نسبت کرنے کو کفر وشرک سمجھنے لگتے ہیں۔ "اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْہُ" ان ہی امورِ مشترکہ میں سے بعض اُمور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات ہیں کہ جن کو سمجھنے میں خطا کرتے ہیں۔ اور ان خصوصیات کو بشریت کے پیمانے پر قیاس کرتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ لوگ ان خصائص کو بہت بڑا خیال کرتے ہیں۔ اور یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خصوصیات کے ساتھ متصف ہونے کے معنٰی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض صفاتِ الوہیت کے ساتھ متصف کر دیا گیا ہے، یہ واضح جہالت ہے کیونکہ اللہ پاک جس کو چاہے، جس طرح چاہے اور جو چاہے دے دیتے ہیں بلا کسی شرط وموجب کے۔ ان پر کوئی جبر نہیں۔ اللہ پاک دوسروں پر جس کی بزرگی وفضیلت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ عطاءِ محض ہے۔ اس میں حقوقِ ربوبیّت وصفاتِ الوہیّت کا اثبات نہیں ہے۔ اور اللہ کے حقوقِ ربوبیّت وصفاتِ اُلوہیّت محفوظ ہیں۔ جب مخلوق ان میں سے کسی وصف کے ساتھ متصف ہوتی ہے تو وہ وصف بشریت کے مناسب محدود ومکتسب ہوتا ہے اور اللہ کے فضل وحکم وارادہ سے ہوتا ہے مخلوق کی قوت وتدبیر اور اس کے امر کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ مخلوق تو عاجز وضعیف ہے اپنی ذات

کے لئے بھی نفع وضرر و موت وحیات ونشور وغیرہ کی مالک وصاحبِ اختیار نہیں ہے۔ بہت سے امور ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ محض اللہ جلّ شانہٗ کا حق ہے۔ لیکن حق سبحانہٗ وتقدس نے ان امور کے ذریعے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان فرمایا۔ لہٰذا اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان خصوصیات کے ساتھ متصف ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام الوہیت تک نہیں پہنچاتا۔ اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک کا شریک بناتا ہے۔

اس کی ایک مثال شفاعت ہے جو خالص اللہ پاک ہی کے لئے ہے۔ چنانچہ اللہ پاک کا ارشاد ہے:۔

قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا۔ (سورۃ الزمر پ۲۴) — آپ فرما دیجئے کہ تمام شفاعتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

حالانکہ یہ شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر شفاعت کرنے والوں کے لئے باذن اللہ ثابت ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:۔

اُوْتِیْتُ الشَّفَاعَۃَ — مجھے شفاعت کا حق دیا گیا۔

اور دوسری حدیث میں ہے:۔

اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ — میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا اور جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی ہونگا

دوسری مثال علمِ غیب کی ہے کہ علمِ غیب بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (النمل پ۲۰) — آپ کہہ دیں کہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی ہوئی چیز کی مگر اللہ۔

اور یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب بہت سکھایا تھا۔ (جزئیًا نہ کہ کلّیًا) اور بہت کچھ دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (سورۃ الجن پ۲۹) — غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو

تیسری مثال ہدایت ہے کہ وہ بھی اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔ (سورۃ القصص پ۲۰) — آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے۔ بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کرتا ہے۔

اور یہ بھی قرآن میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدایت ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ پاک کا ارشاد ہے:۔

وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سورۃ الزخرف پ۲۵) — اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں۔

ہدایتِ اولیٰ کے معنی اور ہدایتِ ثانیہ کے معنی میں فرق ہے۔ مومنین میں سے وہی عقلاء اور سمجھدار لوگ سمجھتے ہیں جو خالق ومخلوق کے درمیان فرق کو جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں۔ اور اگر اس طرح نہ ہو تو پھر یہ کہنا پڑیگا کہ " وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْ " ہدایتِ ثانیہ ہدایتِ ارشاد ہے۔ یعنی یہ تفسیر ہوگی " وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْ هِدَایَۃَ اِرْشَادٍ " یا پھر یہ کہنا ہوگا " وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْ هِدَایَۃً خَیْرَ هُدَ اٰیٰتِنَا " اور یہ ثابت نہیں اللہ پاک نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدایت کو مطلقًا بلا کسی شرط وقید کے ثابت کیا ہے۔ کیونکہ ہم مخاطبین میں سے جو موحد اہلِ اسلام ہیں وہ ان الفاظ کے معانی کو سمجھتے ہیں اور جب ان الفاظ کی نسبت اللہ پاک کی طرف کی جائے۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے تو ان کے معانی میں کیا تغیر ہوتا ہے۔ اس کو بھی سمجھتے ہیں۔ اس کی اور مثال اللہ پاک کا قول:۔

عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ (سورۃ التوبۃ پ۱۱) — جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں۔ ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق، و مہربان ہیں۔

اللہ پاک نے اپنے آپ کو بھی متعدد مواقع پر اس وصف کے ساتھ متصف فرمایا ہے۔ اور فرمایا

اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (توبہ پ۱۱) — بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت شفیق اور

مہربان ہے۔

تو معلوم ہوگیا کہ رأفت و رحمتِ اولیٰ کے معنی اور رأفت و رحمتِ ثانیہ کے معانی میں فرق ہے۔
اور اللہ پاک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کو بیان کیا تو مطلق بلا قید و شرط کے بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ مخاطب موحّد و مومن ہے اور خالق و مخلوق میں فرق کو جانتا ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں اللہ پاک یوں فرماتے "رَءُوْفٌ بِرَأْفَةٍ غَيْرِ رَأْفَتِنَا وَرَحِيْمٌ بِرَحْمَةٍ غَيْرِ رَحْمَتِنَا" یا پھر یہ کہنا ہوگا۔ "رَءُوْفٌ بِرَأْفَةٍ خَاصَّةٍ وَّرَحِيْمٌ بِرَحْمَةٍ خَاصَّةٍ" یا پھر یہ کہنا ہوگا "رَءُوْفٌ بِرَأْفَةٍ بَشَرِيَّةٍ وَّرَحِيْمٌ بِرَحْمَةٍ بَشَرِيَّةٍ" لیکن یہ سب غیر ثابت ہے بلکہ اللہ پاک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رأفت و رحمتِ مطلقہ بلا کسی شرط و قید کے ثابت کرتے ہوئے "بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" فرمایا ہے۔

مجازِ عقلی اور اس کا استعمال

اس میں کوئی شک نہیں کہ مجازِ عقلی قرآن و حدیث شریف میں مستعمل ہے۔ اس کی ایک مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:-

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ٥ (سورۃ الانفال پ۹)

اور جب اللہ کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیات ان کے ایمان کو اور زیادہ کرتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

آیات کی طرف زیادۃ کی اسناد مجازِ عقلی ہے۔ کیونکہ آیات زیادتی کا سبب ہیں۔ اور درحقیقت زیادتی کرنیوالی ذات اللہ جلّ شانہٗ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔

اور دوسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:-

يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا (مزمل پ۲۹)

وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا

یوم کی طرف جعل کی اسناد بھی مجازِ عقلی ہے۔ کیونکہ یوم تو ان کے بوڑھے کئے جانے کا وقت ہے کہ جعل مذکور یوم میں واقع ہوگا۔ اور درحقیقت جاعل اللہ پاک ہی کی ذات ہے۔

تیسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:-

وَلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا۔ (سورۂ نوح پ۲۹)

اور یغوث و یعوق و نسر کو چھوڑنا۔ اور انہوں (بتوں) نے بہتوں کو گمراہ کیا۔

اس میں بھی اِضلال کی نسبت بتوں کی طرف مجازِ عقلی ہے۔ کیونکہ یہ بت گمراہی کا سبب ہیں۔ اور حقیقتاً ہادی و مضل اللہ پاک ہی کی ذات ہے۔

اور چوتھی مثال فرعون کا قول:-

يَا هَامَانُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا (مومن پ۲۴)

اے ہامان میرے لئے ایک محل بنا۔

ہامان کی طرف بِنار کی نسبت مجازِ عقلی ہے۔ کیونکہ وہ سبب ہے اور حکم دینے والا ہے

خود بنانے والا نہیں۔ بنانے والے تو عمال و مزدور ہیں۔

اور احادیث میں بھی اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ جو شخص احادیث سے واقفیت رکھتا ہے اور اسنادِ حقیقی و مجازی میں فرق جانتا ہے وہ اس کو خوب جانتا ہے۔ لہذا اس کو مزید نقل کرنے کی ضرورت نہیں کہ بلاوجہ کی تطویل ہے۔

علماءِ کرام نے فرمایا ہے کہ اس قسم کی اسناد کا صدور مؤمن موحّد سے ہونا اس کو اسنادِ مجازی بنانے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ بندوں کو اور ان کے افعال کو پیدا کرنیوالی ذات اللہ پاک کی ہے۔ پس بندوں اور ان کے افعال کو پیدا کرنے والی ذات اللہ ہی کی ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی بھی خواہ زندہ ہو یا مردہ کسی چیز میں مؤثر نہیں۔ اور یہ اعتقاد ہی خالص توحید ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی عقیدہ رکھے تو وہ اشراک باللہ میں واقع ہو جائے گا۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔

کفر و ایمان کے میزان کے لئے نسبت مجازی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے

گمراہ فرقوں میں بہت سوں نے ظاہر لفظ کو لے کر دھوکہ کھایا۔ کیونکہ انہوں نے قرائن و مقاصد کو مدنظر نہ رکھا اور اقوال میں ایسی تطبیق کرنے کی کوشش بھی نہیں کی جس سے تعارض رفع ہو جائے دیکھئے خلقِ قرآن کے قائلین نے اللہ پاک کے قول "اِنَّا جَعَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا" کے ظاہری الفاظ کو پکڑا۔ اور فرقہ قدریہ نے اللہ کے قول بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ اور بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ کے ظاہر کو لے کر دھوکہ کھایا۔ اسی طرح فرقۂ جبریہ نے اللہ پاک کے ارشاد "وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ" اور "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی" کے ظاہری الفاظ کو پکڑ کر دھوکہ کھایا۔

اِن غلط فہمیوں کی وضاحت یہ ہے کہ فرقۂ قدریہ کے علاوہ تمام امت کا عقیدہ یہ ہے کہ بندوں کے افعال و اعمال اللہ پاک کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اللہ پاک کا قول ہے "وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ" نیز ارشادِ ربانی ہے "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی" گو یہ بھی جائز ہے کہ دوسرے لحاظ سے اس کی نسبت اکتساب بندہ کی طرف کر دی جائے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے "لَہَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ" نیز ارشاد ہے "بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ" ان کے علاوہ

اور آیات میں بھی کسب کی اضافت بندہ کی طرف صراحۃً کی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ پاک کے لئے قدرت اس عالم کو وجود میں لانے سے پہلے بھی ثابت ہے۔ اور کسی کے کسی چیز پر قادر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کا خالق ہی ہے۔ اور اس قدرتِ مذکورہ اور وجود میں لانے والی قدرت کے مطالب میں فرق ہے۔

بندوں کی طرف افعال کی نسبت کی حقیقت

اسی سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ کسی کام پر قادر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ کام وجود میں بھی آجائے۔ اور بندوں کی طرف جو کسی فعل کی نسبت کی جاتی ہے وہ بطور کسب کے ہوتی ہے کہ بندے اس کام کو کر لیتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ عدم سے وجود میں لاتے ہیں۔ کیونکہ افعال کا خالق تو اللہ تعالےٰ ہے اور اسی کے قبضہ میں ان کی تقدیر ہے اور کرنے کا حکم بھی وہی دیتا ہے۔ اس پر یہ اشکال نہیں ہو سکتا کہ جس چیز سے اللہ پاک منع کرتے ہیں اس کو خود کیسے چاہتے ہیں، حکم تو ارادے کا مغایر ہے۔ مثال کے طور پر تمام انسانوں کو ایمان لانے کا حکم دیا، لیکن اللہ جلّ شانہٗ کی مشیت یوں ہے کہ تمام مومن نہ ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن میں فرما دیا ہے:۔

وَمَآ اَکْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ (سورہ یوسف پ۱۳)

آپ چاہے ان کے ایمان لانے کے کتنے ہی شدید خواہشمند ہوں، مگر اکثر لوگ ایمان نہ لائیں گے۔

پس بندوں کی طرف افعال کی نسبت ایسی ہی ہے جیسے مسبب کی نسبت واسطہ یا سبب کی طرف اور اس میں کچھ منافاۃ نہیں۔ کیونکہ اللہ مسبب الاسباب ہی واسطہ کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور اسی نے اس میں وساطت کی صلاحیت رکھی ہے۔ کیونکہ اگر اللہ جلّ شانہٗ وساطت کی صلاحیت نہ رکھتے تو وہ واسطہ کیسے بن سکتا تھا۔ اب اس وساطت کا تعلق چاہے بے سمجھ اشیاء سے ہو جیسے جمادات و افلاک و بارش و آگ وغیرہ یا اہلِ عقل سے ہو جیسے فرشتے، انسان و جن۔

لفظ نسبت کے اختلاف سے معنیٰ بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے

شاید تم یہ اعتراض کرو کہ ایک ہی فعل کی نسبت دو فاعلوں کی طرف غیر معقول ہے کیونکہ ایک ہی اثر پر دو مؤثروں کا اجتماع محال ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ ہاں تمہارا اعتراض اس وقت صحیح ہو گا جب کہ دونوں فاعلوں کی فاعلیت متحد ہو لیکن جب دونوں کی فاعلیت متحد نہ ہو تو اس صورت میں مفعول کی معنویت دونوں کے درمیان علیٰحدہ علیٰحدہ ہو گی۔ اور اس صورت میں فعل کی نسبت دونوں کی طرف ممتنع نہ ہو گی۔ جیسا کہ اسماء مشترکۃ المعنیٰ وحقیقت ومجاز کے استعمال سے ظاہر ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "قَتَلَ الْاَمِيْرُ فُلَانًا" اور یہ بھی کہا جاتا ہے "قَتَلَ السَّيَّافُ" اس کو امیر نے قتل کیا اور اس کو جلاد نے قتل کیا۔ تو قتل کی نسبت امیر کی طرف اور معنیٰ میں ہے۔ اور قتل کرنے والے کی طرف جس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور معنیٰ میں ہے۔ اسی طرح ہمارا یہ کہنا کہ اللہ پاک فاعل ہے، اس کے معنیٰ ہوتے ہیں کہ وہ خالق اور عدم سے وجود میں لانے والے ہیں۔ اور یہ کہنا کہ اس کا فاعل مخلوق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ محل ہے جس میں اللہ جل شانہٗ نے علم کے بعد ارادہ اور ارادے کے بعد قدرت کو پیدا کیا ہے۔ تو ارادے اور حرکت کا تعلق قدرت کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا کہ علت کا معلول کے ساتھ اور مُخترِع کا مُختَرَع کے ساتھ۔ یہ تو جب ہے کہ محل مبحوث عنہ عاقل ہو ورنہ اسباب ومسببات کے تعلق کے قبیل سے ہو گا۔ لہٰذا ہر وہ چیز جو قدرت کے ساتھ مرتبط ہو اس کو فاعل کہنا صحیح ہو گا۔ ارتباط کی نوعیت کیسی بھی ہو جیسے کہ جلاد کو بھی ایک اعتبار سے قاتل کہا جا سکتا ہے اور دوسرے اعتبار سے امیر کو بھی قاتل کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ قتل کا تعلق دونوں سے ہے۔ اگرچہ دو مختلف اعتبار سے لیکن دونوں کو فاعل کہنا صحیح ہے۔ یہی حال کسی ایک مقدور کے دو قدرتوں سے متعلق ہونے میں بھی ہے۔ اور اس کے جواز و وقوع کی دلیل وہ امور ہیں جن کی نسبت خود اللہ جلّ شانہٗ نے کبھی ملائکہ کی طرف اور کبھی بندوں کی طرف اور کبھی اپنی ذات کی طرف کی ہے ایک جگہ ارشاد ہے۔

(۱) قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ۔ (سورۃ السجدہ پ۲۱)
تو کہہ قبض کر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو کہ تم پر مقرر ہے۔

(ب) اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (سورہ زمر پ۲۴)
اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا۔

(ج) اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ۔ (سورہ واقعہ پ۲۷)
بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو۔

اس آیت میں حرث کی نسبت بندوں کی طرف کی ہے۔

(د) اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا (سورہ عبس پ۳۰)
ہم نے ڈالا پانی اوپر سے گرتا ہوا، پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر۔ پھر اگایا اس میں اناج۔

(ھ) فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ (سورہ مریم پ۱۶)
پھر بھیجا ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ پھر بن کر آیا اس کے آگے آدمی پورا۔

(و) فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا۔ (الانبیاء پ۱۷)
پھر پھونک دی ہم نے اس عورت میں اپنی روح

حالانکہ پھونکنے والے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔

(ز) فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ (سورۂ قیامہ پ۲۹)
پس جس وقت پڑھیں ہم اس کو پس پیروی کر پڑھنے ہمارے کی۔

حالانکہ قاری تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جن کی قرأت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سنتے تھے۔

(ح) فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (سورہ انفال پ۹)
سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے ان کو مارا ہے اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی۔

اللہ پاک نے ان سے قتل کی نفی کر کے اپنی ذات کے لئے قتل کو ثابت کیا ہے اور ان سے رمی کی نفی کر کے اپنی ذات کے لئے اثبات فرمایا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ پاک حسی طور پر نسبت قتل الی المسلمین کی نفی فرماتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسی طور پر کنکریاں پھینکنے کی نفی فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا کفار کو قتل کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کنکری پھینکنا اور معنیٰ میں ہے

اور اللہ جلّ شانہٗ کا قتل کرنا اور کنکریاں پھینکنا اور معنیٰ میں ہے۔ اس کا معنیٰ مباشر بالفعل ہونا ہے۔ اور اس کا مطلب خلق و تقدیر ہے۔ لہٰذا دونوں علیحدہ علیحدہ معنی ہو گئے۔

اور ایسا اوقات ایک ہی وقت میں فعل دونوں کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے :-

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ - (سورہ توبہ پ۱۰)

اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اسی پر جو دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہم کو اللہ وہ دے گا ہم کو اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم کو تو اللہ ہی چاہیئے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ بچہ کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو فرشتہ کو بھیجتے ہیں جو رحم مادر میں داخل ہو کر نطفہ کو اپنے ہاتھ سے جسم کی شکل دیتا ہے پھر اللہ جلّ شانہٗ سے پوچھتا ہے کہ اے رب! یہ مذکر ہو گا یا مؤنث، صحیح الجسم ہے یا عیب دار، جیسے اللہ پاک چاہتے ہیں ویسا حکم دیدیتے ہیں اور فرشتہ اس کو ویسا ہی بنا دیتا ہے۔ اور ایک دوسرے الفاظ میں ہے کہ فرشتہ اس کا جسم بنا کر شقی یا سعید کی روح پھونک دیتا ہے۔

جب تم نے یہ ساری باتیں سمجھ لیں تو اب یہ بات ظاہر ہو گئی کہ کسی فعل کا استعمال مختلف وجوہ سے ہوتا ہے اور ان میں کوئی تناقض نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے کبھی فعل کو جمادات کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ جیسے اس آیت میں ارشاد ہے :-

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا - (سورہ ابراہیم پ۱۳)

لاتا ہے پھل اپنا ہر وقت پر اپنے رب کے حکم سے۔

وہ درخت خود کہاں سے پھل لا سکتا ہے۔ اسی طرح سے طبرانی اور ابنِ حبان کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کھجور دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ لے لو۔ اگر یہ تمہاری قسمت میں ہے تو خود نہ لو گے تو چل کر تمہارے پاس آجائے گی۔ تو کھجور کے چلکر آنے کا مطلب کچھ اور ہے! ور آدمی کے چل کر آنے کا مطلب کچھ اور ہے۔ دونوں کی طرف آنے کی نسبت مجازی ہے۔ آدمی کے آنیکا مطلب

یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ اس بندے میں قدرت و ارادہ پیدا فرما دیں گے۔ اور کھجور کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک کوئی ایسا سبب پیدا فرمائیں گے کہ کوئی اور بندہ کھجور کو اس تک پہنچا دے گا اور حقیقت میں دونوں صورتوں میں اس فعل کی نسبت اللہ جل شانہٗ ہی کی طرف ہے۔ اور اسی اعتبار کے اختلاف کی وجہ سے بسا اوقات وسائط کو اصل سمجھنے سے کفر لازم آتا ہے۔ جیسا کہ قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا :-

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (سورۃ القصص پ۲۰)

بولا یہ مال تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے جو کہ میرے پاس ہے۔

اور جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے "میرے بہت سے بندوں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ بہت سے مؤمن ہیں اور بہت سے کافر۔ جنہوں نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل و رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ تو میرے مومن بندے ہیں اور ستاروں کی قدرت کے منکر ہوئے۔ اور جنہوں نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے انہوں نے میرے ساتھ تو کفر کیا اور ستاروں کی قدرت پر ایمان لے آئے" اور یہ کفر اس لئے ہے کہ انہوں نے واسطہ کو مؤثر و خالق جانا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی کے کفر کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔

ا- وہ کافر ہو گیا، ایمان ختم ہو گیا، دین و اسلام سے نکل گیا۔ یہ تو اس شخص کے بارے میں ہے جو اس بات کا عقیدہ رکھتا ہو کہ ستارے ہی فاعل حقیقی اور بارش برسانے والے ہیں۔ جیسا کہ بعض اہل جاہلیت کا عقیدہ تھا۔ اور جو ایسا عقیدہ رکھے اس کے کافر ہونے میں کیا شک ہے۔ یہی قول امام شافعیؒ و جمہور علماء کا ہے۔ اور یہی ظاہر حدیث سے سمجھ میں آتا ہے۔ اسی وجہ سے علماء کرام کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا کہے لیکن اس کا عقیدہ یہ ہو کہ یہ سب کچھ اللہ کے فضل و رحمت سے ہے۔ اور ستارے کو بارش کے لئے اللہ نے علامت کے طور پر بنایا ہے۔ تو اس کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ فلاں کوکب کے وقت میں اللہ نے بارش دی ہے تو ایسے آدمی کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ یہ کہنا بھی مکروہ تنزیہی ہے یا نہیں اور کراہت کا سبب یہ ہے کہ یہ کلمہ کفر و غیر کفر میں مستعمل ہے اور اس کے قائل کے ساتھ لوگ بدظنی کریں گے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ یہ اہل جاہلیت اور ان جیسے لوگوں کا شعار ہے۔

ب۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حدیثِ پاک اصلاً مؤول ہے۔ اور کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے تو گویا کہ اس نے بارش کی نسبت کوکب کی طرف کر کے کفرانِ نعمت کیا۔ لیکن یہ تاویل اس شخص کے بارے میں ہوگی جو تاثیر کوکب کا اعتقاد نہ رکھتا ہو۔ اور اس تاویل کی تائید اسی باب کی آخری روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں بجائے مؤمن کے شاکر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ جل شانہٗ جو بھی برکت آسمان سے نازل فرماتے ہیں تو کچھ لوگ ضرور ناشکری کرتے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے۔ واللہ اعلم۔

اب تم دیکھ رہے ہو کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی فعل کو واسطہ کی طرف منسوب کرتا ہے اور واسطہ کو مؤثرِ حقیقی نہیں سمجھتا تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ بلکہ بسا اوقات واسطہ کے لحاظ کرنے کا شریعت حکم دیتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

مَنْ اَسْدٰی اِلَیْکُمْ مَّعْرُوْفًا فَکَافِئُوْہُ فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِیْعُوْا فَادْعُوْا لَہٗ حَتّٰی تَعْلَمُوْا اَنَّکُمْ قَدْ کَافَأْتُمُوْہُ

اگر تم پر کوئی احسان کرے تو تم بھی اس کا بدلہ دو۔ اور اگر بدلہ نہیں دے سکتے تو اس کے لئے اتنی دعا کرو کہ تم کو یقین ہو جائے کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ۔

جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شاکر نہیں۔

اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ واسطہ کا اتنا خصوصی خیال رکھنا احسان کا حقیقتاً اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اور خود اللہ جلّ شانہٗ نے بہت سے مواقع پر بندوں کے اعمال کی تعریف کی ہے اور اس پر ان کو ثواب دیا ہے۔ حالانکہ ان اعمال کے خالق خود اللہ جلّ شانہٗ ہیں اور بندوں کو قدرت دینے والے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗ اَوَّابٌ ۝ (سورہ ص پ۲۳)

بہت خوب بندہ۔ تحقیق وہ ہے رجوع کرنے والا۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ۔ (سورہ یونس پ۱۱)

جنہوں نے کی بھلائی ان کے لئے ہے بھلائی اور زیادہ۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا (سورہ شمس پ۳۰)

تحقیق وہ مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوار لیا۔

جب یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ فعل کا استعمال مختلف طرق سے ہوتا ہے تو اس کے مختلف معانی میں کچھ تعارض باقی نہیں رہا۔ جب یہ سمجھ گئے تو سمجھو کہ معانی کے اندر الفاظ سے زیادہ وسعت ہوتی ہے اور سینے کتب مؤلفہ سے زیادہ وسعت رکھتے ہیں۔

اور اگر ہم صرف حقیقت ہی کو لیں اور مجاز کو ترک کر دیں تو مختلف و متفرق نصوص میں تطبیق کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ کیا وہ آیت تمہارے سامنے نہیں جس میں اللہ پاک نے ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے۔

رَبِّ اِنَّھُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ (سورۂ ابراہیم پ۱۳)

اے رب انہوں نے (بتوں نے) گمراہ کیا بہت سے لوگوں کو۔

کیا تم لوگ یہ گمان کر سکتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جماد کو اللہ کا شریک بنایا؟ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ) اور ابراہیم علیہ السلام ہی نے فرمایا:۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (سورہ صٰفّٰت پ۲۳)

بولا، کیوں پوجتے ہو اس کو جو آپ تراشتے ہو اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو۔

اور اس میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جو شخص اللہ جلّ شانہٗ کے غیر کو اختراع اور تاثیر میں اللہ کا شریک کرلے تو وہ مشرک ہے۔ اور جس کو شریک کیا گیا ہے وہ خواہ جن ہو یا جماد ہو یا آدمی ہو یا نبی ہو۔ اور جو شخص ان میں صرف سببیت کا اعتقاد رکھے اور یہ سمجھے کہ اللہ پاک ہی نے اس کو سبب بنایا ہے۔ اور فاعل حقیقی صرف اللہ جلّ شانہٗ ہی ہیں تو وہ مومن ہے۔ خواہ وہ غیر سبب کو سبب سمجھنے میں خطا کر جائے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی خطا سبب میں ہوگی نہ کہ مسبب میں۔ اور مسبب الاسباب اللہ جلّ شانہٗ وعمّ نوالہٗ ہی ہیں۔

تعظیم، عبادت و ادب کے درمیان ھے

بہت سے لوگ تعظیم اور عبادت کی حقیقت کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور پھر دونوں میں واضح طور پر خلط کر دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ تعظیم کی کوئی بھی نوع ہو وہ مُعَظَّم کی عبادت ہے۔ قیام و تقبیل اور سیدنا و مولانا کے الفاظ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور زیارت کے وقت ادب و وقار اور خضوع کے ساتھ آپ کے سامنے کھڑا ہونا، یہ سب ان کے نزدیک غلو ہے جو کہ غیر اللہ کی عبادت تک پہنچا دیتا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں یہ جہالت و تعنّت ہے۔ جس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہیں فرماتے اور شریعت اسلامیہ اس تکلف کا انکار کرتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام جنسِ انسانی کے سب سے پہلے فرد ہیں۔ اور سب سے پہلے جنسِ انسانیت میں اللہ کے نیک بندے ہیں۔ اللہ پاک نے ان کو جو علم دیا تھا، اس کی تعظیم و اکرام کے لئے فرشتوں کو سجدہ کا حکم فرمایا۔ اور فرشتوں کو یہ بتانے کے لئے بھی سجدہ کا حکم دیا کہ اللہ پاک نے آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات سے چنا ہے اور پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے :۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا، قَالَ اَرَاَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ الخ
(سورۃ الاسراء پ۱۵)

اور جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سو اُن سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے۔ اس نے کہا کہ کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جس کو آپ نے مٹی سے بنایا ہے کہنے لگا اس شخص کو جو آپ نے مجھ پر فوقیت دی ہے تو بھلا بتلائیے تو الخ

دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے :۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۔

کہنے لگا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو خاک سے۔

اور ایک اور مقام پر اللہ پاک کا ارشاد ہے :۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝
(سورۃ الحجر پ۱۴)

سو سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے۔ انکار کیا اس نے۔ اس بات کو قبول نہ کیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو جائے۔

تمام فرشتوں نے اس شخص کی تعظیم کی جس کی اللہ پاک نے تعظیم کی (یعنی عظمت کو بیان فرمایا) اور ابلیس (ملعون) نے اس شخص کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا جس کو اللہ پاک نے مٹی سے پیدا فرمایا تو ابلیس پہلا وہ شخص ہے جس نے دین کو اپنی رائے پر جانچا اور کہا "اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ" اور اس کی علّت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی سے بنایا۔ اور آدم علیہ السلام کی بڑائی و اکرام کرنے سے اپنے کو بڑا سمجھا اور تکبر کیا تو اول المتکبرین بن گیا۔ اور جس ذات کی اللہ پاک نے عظمت بیان فرمائی اس کی تعظیم نہ کی۔ اس عبدِ صالح کے مقابلہ میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا۔ اور یہ بعینہٖ اللہ پاک کے مقابلہ میں بھی بڑائی ہے۔ کیونکہ سجدہ اللہ پاک ہی کے لئے ہے۔ کیونکہ یہ سجدہ اللہ کے حکم سے تھا۔ اور اللہ پاک نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کا حکم فرشتوں کے مقابلہ میں ان کی شرافت و بزرگی کی وجہ سے دیا تھا۔ شیطان ابلیس نے اپنے آپ کو موحّدین میں سے بنایا تو اس کی توحید نے اس کو کچھ بھی نفع نہ دیا۔

صالحین کی تعظیم کی مثال یہ ہے کہ اللہ پاک نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا (سورۂ یوسف پ۱۳)

اور اپنے والدین کو اونچے تخت پر بٹھایا اور سب کے سب ان کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔

یہ سجدہ، تحیۃ و تکریم اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بھائیوں پر شرافت و فضیلت ظاہر کرنے کی وجہ سے تھا۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا ان کو سجدہ کرنے کے لئے زمین کی طرف جھکنے پر اللہ پاک کا قول "وَخَرُّوْا لَهٗ" دلالت کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں جائز ہو۔ یا پھر جیسا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا ان کی شرافت و تعظیم اور اللہ پاک کے حکم کو پورا کرنے کی وجہ سے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر کو پورا کرنے کے لئے۔ کیونکہ حضرات انبیاء کرام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ پاک کا ارشاد ہے :۔

إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ
نَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ
تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ
بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○
(سورۃ الاحزاب پ۲۲)

ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانیوالا بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ و رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی توقیر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا
بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔
(سورۃ الحجرات پ۲۶)

اے ایمان والو ! تم اللہ و رسول سے سبقت مت کیا کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے :-

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا
اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔
(سورۃ الحجرات پ۲۶)

اے ایمان والو ! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ
كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔
(سورۃ النور آیت ۶۳)

تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

اللہ تعالےٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گفتگو میں پہل کرنے سے منع فرمایا ہے ! ور آپ سے پہلے بات کر کے بے ادبی کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ " لَا تَقُوْلُوْا قَبْلَ اَنْ يَّقُوْلَ " کے معنی یہ ہیں کہ آپ سے پہلے بات مت شروع کرو۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔ اور آپ سے پہلے کسی کام کے کرنے سے ان کو منع کر دیا گیا۔ اور آپ کے حکم کے بغیر قتال یا کسی دینی امر کے حکم کا فتویٰ دینے سے بھی بچو۔ اور اس میں آپ سے سبقت کرنے سے بھی بچو۔ پھر لوگوں کو نصیحت فرمائی اور اس کی مخالفت سے ڈرایا۔ " وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ "

سلمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کو ختم کرنے اور آپ کی حرمت کو ضائع کرنے کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ اللہ پاک تمہارے قول کو سننے والے اور تمہارے افعال کو جاننے والے ہیں۔ پھر لوگوں کو منع فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آوازوں کو اونچا مت کرو۔ اور آپ کے سامنے اونچی آواز سے بھی مت بولیں جیسا کہ آپس میں اونچی آواز سے بات کر لیتے ہیں اور آواز اونچی ہو جاتی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو اس کا نام لے کر پکار لیتے ہیں اور ابو محمد مکی ؒ نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام میں سبقت مت کرو، اور خطاب میں سختی مت کرو۔ اور آپ کو آپ کے اسم مبارک کے ساتھ مت پکارو۔ جیسا کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ بلکہ آپ کی تعظیم و عزت کرو اور سب سے اشرف نام کے ساتھ پکارو جیسے یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ۔ اسی طرح ارشادِ ربانی ہے :-

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ
كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔
(سورۃ النور آیت ۶۳)

رسول کو آپس میں اس طرح نہ بلاؤ جیسا کہ تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو صرف کوئی بات سمجھنے کے لئے خطاب کرو۔ پھر لوگوں کو اعمال کے حبط[1] ہو جانے سے ڈرایا کہ اگر وہ اس طرح کریں گے تو ان کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اور اس آیت کا شان نزول ان لوگوں کے بارے میں ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو " یا محمدؐ " کے ساتھ پکارا۔ تو اللہ پاک نے ان کی لاعلمی و نادانی کو ناپسند فرماتے ہوئے اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں) کے وصف کے ساتھ بیان کیا۔

يَقُوْلُ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ
عَنْهُ وَمَا كَانَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ
رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ
لَا اَجَلَّ فِيْ عَيْنِيْ مِنْهُ، وَمَا كُنْتُ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہ کوئی مجھے محبوب ہے، اور نہ آپ سے زیادہ میری نظر میں کوئی بزرگ و قابلِ احترام ہے آپ

---

(۱) ضائع ہو جانے سے یعنی العیاذ باللہ یہ بے ادبی آدمی کو اسلام و ایمان سے خارج کر دیتی ہے۔ کیونکہ باتفاق امت اعمال کا ختم ہو جانا اور ضائع ہو جانا صرف ارتداد کی وجہ سے ہوتا ہے۔

أُطِيقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنِي مِنْهُ إِجْلَالًا لَهُ، وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهُ مَا أَطَقْتُ لِأَنِّي لَمْ أَكُنْ أَمْلَأُ عَيْنِي مِنْهُ (رواه مسلم في الصحيح - كتاب الايمان - باب كون الاسلام يهدم ما كان قبله)

صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی و اجلال کی وجہ سے میں آنکھ بھر کر آپ کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ اگر کوئی آپ کا سراپا مجھ سے پوچھے تو میں طاقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ میں نے آپ کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھا۔

ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مہاجرو انصار صحابہ کرامؓ کے پاس تشریف لاتے اور صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے ان میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی بھی آپ کی طرف نگاہ کو نہیں اٹھا سکتا تھا۔ یہ دونوں حضرات آپ کی طرف دیکھتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کی طرف دیکھتے۔ اور وہ دونوں آپ کی طرف دیکھ کر مسکراتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے۔

حضرت اسامہ بن شریک رضؓ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے صحابہؓ آپ کے پاس اس طرح بیٹھے ہوئے تھے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور آپ کی یہ صفت تھی کہ آپ جب گفتگو فرماتے تو آپ کے ہمنشین صحابہؓ خاموشی کے ساتھ اس طرح سر جھکا کر سنتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ اور عروہ بن مسعود رضؓ نے کہا کہ جب عام القضیہ[1] میں قریش نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، انہوں نے آپ کے صحابہؓ کو آپ کی تعظیم کرتے ہوئے جو دیکھا تو کہا کہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو آپ کے صحابہؓ جلدی سے آپ کے وضو کے پانی کو لیتے ہیں اور اس پانی کو لینے کے لئے ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ اور جب بھی وہ تھوکتے ہیں یا کھنکارتے ہیں تو ان کے صحابہؓ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں۔ پھر اس کو اپنے چہروں اور جسموں پر ملتے ہیں اور جو بھی آپ کے جسم سے بال گرتا ہے وہ بھی جلدی سے اٹھا لیتے ہیں اور جب کوئی حکم کرتے ہیں تو ان کے صحابہؓ اس کام کو جلدی کرتے ہیں۔ اور جب محمد صلی

(۱) صلح حدیبیہ کے سال کو عام القضیہ کہتے ہیں۔

اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے ہیں تو سب اپنی آوازوں کو پست کر لیتے ہیں۔ اور ان کی تعظیم کی وجہ سے اپنی نگاہ کو ان کی طرف نہیں اٹھاتے۔ جب عروہ بن مسعود قریش کے پاس واپس لوٹے تو کہا اے جماعتِ قریش! میں کسریٰ کے پاس اس کی بادشاہت میں اور قیصر کے پاس اس کی بادشاہت میں اور نجاشی کے پاس اس کے ملک و بادشاہت میں گیا ہوں، خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کا مقام اس کی قوم میں نہیں دیکھا۔ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ و عزت ان کے صحابہ کرامؓ کرتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے جتنی تعظیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے صحابہ کرتے ہیں۔ اتنی تو کسی بادشاہ کی اس کے عوام تعظیم نہیں کرتے اور میں نے ایسی قوم کو دیکھا ہے جو ان کو کبھی تمہارے سپرد نہ کرے گی۔

طبرانی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا:-

كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّمَا عَلَى رُءُوسِنَا الطَّيْرُ مَا يَتَكَلَّمُ مِنَّا مُتَكَلِّمٌ، إِذْ جَاءَهُ أُنَاسٌ فَقَالُوا: مَنْ أَحَبُّ عِبَادِ اللهِ إِلَى اللهِ تَعَالَى؟ قَالَ أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا - كذا في الترغيب (ج ٤ ص ١٨٧)، وقال، رواه الطبراني برجال محتج بهم في الصحيح۔

ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی گفتگو نہ کرتا تھا اسی اثنا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ آئے انہوں نے عرض کیا کہ اللہ پاک کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ سب سے اچھے اخلاق والا۔

(بروایت طبرانی)

ابو یعلیٰ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے تخریج کر کے اس کو صحیح قرار دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ:-

لَقَدْ كُنْتُ أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْأَمْرِ فَأُؤَخِّرُهُ سَنَتَيْنِ مِنْ هَيْبَتِهِ۔

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ پوچھنے کا ارادہ کرتا تھا مگر آپ کی ہیبت و رعب کی وجہ سے دو۔ دو سال تک مؤخر کرتا رہتا۔

بیہقی نے زہری سے روایت کی انہوں نے کہا:-

حَدَّثَنِي مَنْ لَا اَتَّهِمُ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا تَوَضَّأَ اَوْتَنَخَّمَ ابْتَدَرُوْا نُخَامَتَہٗ، فَمَسَحُوْا بِھَا وُجُوْھَھُمْ وَجُلُوْدَھُمْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لِمَ تَفْعَلُوْنَ ھٰذَا قَالُوْا، نَلْتَمِسُ بِہِ الْبَرْکَۃَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّحِبَّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَصْدُقِ الْحَدِیْثَ وَلْیُؤَدِّ الْاَمَانَۃَ وَلَا یُؤْذِ جَارَہٗ۔

(کذا فی الکنز ج ۸ ص ۲۲۸)

مجھے انصار میں سے ان لوگوں نے بیان کیا ہے جو میرے نزدیک متہم نہیں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے یا تھوکتے تو صحابۂ کرامؓ جلدی سے اس کو لیتے اور اپنے چہروں و جسموں پر مل لیتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تم یہ کیوں کرتے ہو؟ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا برکت حاصل کرنے کے لئے۔ تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ پسند کرے کہ اللہ پاک اور اس کے رسول اس سے محبت کریں اور اپنا محبوب بنالیں تو اس کو چاہیئے کہ بات میں سچائی اختیار کرے، امانت ادا کرے اور اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے

حاصل یہ ہے کہ اس مقام پر دو عظیم امر ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے۔ اوّل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واجب ہے، اور آپ کا مرتبہ باقی تمام مخلوق سے اونچا ہے۔ دوم یہ ہے کہ ربوبیت کا افراد اور عقیدہ یہ رکھے اللہ پاک اپنی ذات وصفات میں اور افعال میں اپنی تمام مخلوق سے متفرد و یکتا ہے۔

جو شخص ذات وصفات وافعال باری تعالےٰ میں سے کسی میں بھی باری تعالےٰ کے ساتھ مخلوق کی مشارکت کا عقیدہ رکھے گا تو وہ بالتحقیق مشرک ہوجائے گا۔ جیسا کہ مشرکین کہ وہ لوگ بتوں کے ساتھ الوہیّت کا اعتقاد رکھتے تھے اور مستحقِ عبادت سمجھتے تھے۔ اور جو بھی شخص نبی صلی اللہ کی آپ کے مرتبہ کے بارے میں کچھ بھی تقصیر و کمی کرے گا وہ شخص عاصی و گنہگار ہوجائے گا۔ یا پھر بعض صورتوں میں کافر ہوجائے گا۔ اور جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں تمام انواعِ تعظیم میں مبالغہ کرے اور صفاتِ ربوبیت میں سے کسی کے ساتھ بھی آپ کو متصف نہ کرے تو وہ شخص حق کو

پانے والا ہے اور دونوں پہلوؤں، ربوبیت و رسالت کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اور اس قول میں کوئی افراط و تفریط نہیں۔ اور جب مؤمنین موحّدین کے کلام میں کسی چیز کی نسبت غیر اللہ کی طرف پائی جائے تو اس کو مجازِ عقلی پر محمول کرنا واجب ہے اور مؤمنین پر کفر کا فتویٰ و حکم لگانے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ قرآن وسنت میں مجازِ عقلی مستعمل ہے جیسا کہ ہم ماقبل میں بیان کرچکے ہیں۔

واسطۂ شرکیّہ

بہت سے لوگ واسطہ کی حقیقت کو سمجھنے میں خطا کر دیتے ہیں اور مطلقًا یہ حکم لگا دیتے ہیں کہ ہر واسطہ شرک ہے اور جو بھی شخص کسی بھی واسطہ کو اختیار کرتا ہے وہ اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اور اس شخص کا حال اس میں مشرکین کے حال کی طرح ہے جو یہ کہتے ہیں :۔

مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی۔ (سورۃ الزمر پ۲۳)

ہم تو ان کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں۔

یہ کلام مردود ہے اور آیت مذکورہ سے استدلال بے محل ہے۔ کیونکہ یہ آیت تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنے اور ان کو خدا بنانے اور ان کو دعوائے ربوبیّت میں خدا کا شریک بنانے پر انکارِ صریح ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت کرکے ان کو اللہ کی بارگاہ میں قرب کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کا کفر و شرک اس اعتبار سے ہے کہ وہ مشرکین ان بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ اصنام اَرْبَابٌ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ہیں۔

اس مقام پر یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ آیت شہادت دیتی ہے کہ یہ مشرکین اپنے قول "مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی" میں سچے نہ تھے کیونکہ اگر وہ مشرکین اس قول میں صادق ہوتے تو اللہ پاک ان کے نزدیک بتوں سے زیادہ قابلِ تعظیم ہوتے اور وہ لوگ غیر اللہ کی عبادت نہ کرتے۔

اللہ پاک نے مؤمنین کو ان کے بتوں کو گالیاں دینے سے روکا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ

اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں۔ کیونکہ پھر وہ براہِ جہل حد سے

عَلِیْمٌ (سورہ انعام پ۸) گذر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

عبدالرزاق و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابوالشیخ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ مسلمان کفار کے بتوں کو برا کہتے تھے۔ پھر کفار بھی اللہ پاک کو برا کہنے لگے تو اللہ پاک نے آیتِ مذکورہ نازل فرمائی۔ یہ اس آیت کا شانِ نزول ہے۔ پس مسلمانوں کو سخت نہی کے الفاظ میں ان پتھروں کے متعلق تنقیص کا کلمہ کہنے سے روک دیا جن پتھروں کی یہ بت پرست مکہ مکرمہ میں عبادت کرتے تھے۔ کیونکہ یہ بت پرست جن پتھروں کے بارے میں صمیم قلب سے اِلٰہ ہونے کا اور نفع وضرر کے مالک ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے ان پتھروں کے متعلق مسلمانوں کا کلمۂ تنقیص ان بت پرستوں کے غصہ کا سبب ہوتا تھا پتھروں کی عزت کی وجہ سے اور جب ان کو غصہ آتا تھا تو اسی کے مثل سے مسلمانوں کا مقابلہ کرتے تھے اور مسلمانوں کے رب کو برا کہتے تھے۔ حالانکہ وہ رب العالمین ہے اور اللہ پاک کو نقائص کے ساتھ متہم کرتے تھے۔ جب کہ وہ ذات ہر طرح کے تمام نقائص وعیوب سے پاک ہے۔ لہٰذا اگر وہ لوگ اپنے اس دعوی[1] میں صادق ہوتے تو بتوں کو برا کہنے والوں سے انتقام وبدلہ لینے کی وجہ سے اللہ جل شانہٗ کو برا کہنے کی جرأت نہ کرتے پس یہ بات بالکل بخوبی واضح ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کا مرتبہ ومقام بتوں سے کم تھا۔

اور یہ تو اللہ پاک کے قول:-

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ	اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔

میں ہے، اگر وہ لوگ حقیقۃً یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ پاک وحدہٗ لاشریک لہٗ خالق ہیں اور یہ اصنام غیر خالق ہیں تو وہ لوگ صرف اللہ پاک ہی کی عبادت کرتے۔ یا پھر ان بتوں کا احترام اللہ کے احترام سے کم کرتے۔ کیا یہ بات پتھروں پر غیرت کھا کر اللہ کو برا کہنے اور اصنام کی وجہ سے اللہ پاک کو انتقاماً برا کہنے کے ساتھ جوڑ رکھتی ہے؟

بداہۃً یہی حکم ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی جوڑ نہیں۔ صرف ایک یہی آیت ہی نہیں جو اس پہ دلالت کرتی ہے کہ ان مشرکین کے نزدیک اللہ کا مرتبہ ان بتوں سے کم تھا بلکہ اس

(۱) مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔

کی اور بھی مثالیں ہیں۔ ان میں سے ایک مثال یہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ؁ (سورۃ الانعام پ۸)	اور اللہ نے جو مواشی اور کھیتی پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا۔ پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے۔ انہوں نے کیا ہی بری تجویز نکال رکھی ہے۔

اگر ان کے نفوس میں اللہ کا مرتبہ ان پتھروں سے کم نہ ہوتا تو وہ ان پتھروں کو اس طرح اللہ پر ترجیح نہ دیتے۔ جس کو اس آیت نے بیان کیا ہے۔ اور اسی بنا پر اللہ پاک نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا "سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ"

اور اسی قبیل سے اسلام سے پہلے کا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا قول اُعْلُ هُبَلْ ہے جیسا کہ بخاری نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے بت ہُبل کو ندا کی کہ وہ ہُبل اس مشکل میں رب السمٰوت والارض پر غالب ہو جائے۔ تاکہ ابوسفیان اور ان کا لشکر مؤمنین کے اس لشکر پر غالب ہو جائے جو ان کے معبودوں پر غالب ہونا چاہتا تھا۔ یہ ہے وہ مرتبہ جو مشرکین کے ہاں رب السمٰوت والارض کا ان کے معبودات کے مقابلہ میں تھا۔

بس اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ کیونکہ بہت سے لوگ اس کو اس طرح نہیں سمجھتے۔ اور پھر اس غلط بنا کی وجہ سے نتیجہ غلط نکالتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب اللہ پاک نے مسلمانوں کو نماز میں استقبالِ کعبہ کا حکم دیا تو اپنی عبادت میں کعبہ کی طرف منہ کر دیا اور اس کو قبلہ بنا لیا۔ اور یہ کعبہ کی عبادت نہیں۔ اور حجرِ اسود کی تقبیل یعنی بوسہ دینا بھی درحقیقت اللہ کی عبادت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا ہے۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی بھی ان دونوں کی عبادت کی نیت کرے تو وہ مشرک ہو جائے گا بت پرستوں کی طرح۔

لہٰذا واسطہ ضروری ہے اور یہ واسطہ شرک نہیں ہے۔ اور تمام واسطہ اختیار کرنے والوں کو مشرک کہنا بھی صحیح نہیں۔ ورنہ تو تمام بشر اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے بن جائیں گے۔ کیونکہ ان کے تمام امور واسطہ پر مبنی ہوتے ہیں۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین سے قرآن لیا۔ اور جبرئیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے واسطہ ہوئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابۂ کرام کے لئے واسطۂ عظمیٰ تھے۔

حضرات صحابۂ کرامؓ سختیوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کرتے تھے اور اپنے حال کا شکوہ کرتے اور آپ کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بناتے اور آپ سے دعاء کراتے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان سے نہیں فرمایا کہ تم نے شرک کیا اور کفر کیا کیونکہ مجھ سے شکوہ کرنا اور دعاء کرانا جائز نہیں ہے بلکہ تم لوگ جاؤ اور خود دعا کرو۔ اور اللہ جلّ شانہٗ سے مانگو کیونکہ اللہ پاک مجھ سے زیادہ تمہارے قریب ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ کھڑے ہو جاتے اور مانگنا شروع کر دیتے۔ اس کے ساتھ وہ حضرات یہ بخوبی جانتے تھے کہ حقیقۃً دینے والی اور روکنے والی اور باسط و رزاق ذات اللہ جل شانہٗ ہی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم اور فضل سے عطاء فرماتے تھے۔ اسی کو فرمایا:۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی اَوْمُعْطٍ	میں تو صرف تقسیم کرنیوالا ہوں اور اللہ تعالیٰ دیتا ہے یا دینے والا ہے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ کسی بھی عام بشر کو اس وصف کے ساتھ متصف کیا جا سکتا ہے۔ اس نے مشکل کشائی کی یا حاجت روائی کی اس معنی میں کہ وہ اس میں واسطہ ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ افضل الخلائق اور اشرف الکونین و سید الثقلین ہیں، ان کو ان اوصاف سے کیوں متصف نہیں کر سکتے؟

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا جیسا کہ حدیثِ صحیح میں ہے:۔

مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُؤْمِنٍ کُرْبَۃً مِّنْ کُرَبِ الدُّنْیَا۔	جو شخص دنیا کی پریشانیوں میں سے کسی مومن کی پریشانی کو دور کر دے۔

تو مؤمن مشکل کشا ہو گیا۔؟ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا:۔

مَنْ قَضٰی لِاَخِیْہِ حَاجَۃً کُنْتُ	جو اپنے بھائی کی حاجت کو پورا کرے گا میں

وَاقِفًا عِنْدَ مِیْزَانِہٖ فَاِنْ رَجَحَ وَاِلَّا شَفَعْتُ لَہٗ۔	قیامت کے دن اس کے میزان کے پاس کھڑا ہوں گا اگر جھک گیا تو فبہا ورنہ میں اس کی شفاعت کروں گا۔

تو کیا مؤمن حاجت روا ہو گیا؟ کیا حدیثِ صحیح میں "مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا" نہیں فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا اللہ پاک قیامت کے دن اس کی عیوب پوشی کریں گے۔ تو کیا مومن ستارِ عیوب ہو گیا؟ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا؟

اِنَّ لِلّٰہِ خَلْقًا یُفْزَعُ اِلَیْہِمْ فِی الْحَوَائِجِ	اللہ پاک کی کچھ مخلوق ایسی ہے کہ ضرورت و حوائج میں ان کی طرف فریاد کی جاتی ہے۔

تو کیا اللہ کے کچھ بندے فریاد رس ہو گئے؟ کیا حدیثِ صحیح میں یہ نہیں آیا؟

وَاللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَادَامَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ۔	اللہ پاک بندے کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

تو کیا بندہ ناصر و مددگار ہو گیا؟ کیا نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ پاک میں:۔

مَنْ اَغَاثَ مَلْھُوْفًا کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ ثَلَاثًا وَّسَبْعِیْنَ حَسَنَۃً۔	جو شخص کسی مظلوم کی مدد کرے اللہ پاک اس کے لئے ۷۳، نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔

(رواہ ابویعلیٰ والبزار والبیہقی)

نہیں فرمایا۔ تو کیا انسان مستغاث ہو گیا؟

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مؤمن تو مفرّج و معین و مغیث و قاضی حاجات و ستّارِ عیوب وغیرہ صفات سے متصف ہے اور مومن کی طرف فریاد کی جاتی ہے باوجودیکہ مفرّج و قاضی حاجات و ستار و معین حقیقۃً اللہ پاک کی ذات، ہے۔ لیکن چونکہ بندہ اس میں واسطہ ہے تو اس کی طرف فعل کی نسبت کرنا بھی صحیح ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث میں بکثرت یہ منقول ہے کہ اللہ پاک استغفار کرنیوالوں اور مسجدوں کو آباد کرنیوالوں کی وجہ سے اہلِ ارض سے اپنے عذاب کو دور کر دیتے ہیں اور انہی کی وجہ سے اہلِ ارض کو رزق دیتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور زمین پر بسنے والوں سے ان کی وجہ سے بلاؤں اور

مصائب کو دور فرما دیتے ہیں۔ طبرانی نے الکبیر میں اور بیہقی نے سنن میں حضرت مسافع دیلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَوْلَا عِبَادٌ لِلّٰہِ رُکَّعٌ وَّصِبْیَۃٌ رُضَّعٌ وَّبَہَائِمُ رُتَّعٌ لَصُبَّ عَلَیْکُمُ الْعَذَابُ صَبًّا ثُمَّ رُضَّ رَضًّا۔ (الجامع الصغیر للسیوطی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے سامنے جھکنے والے بندے اور اپنی ماؤں کا دودھ پینے والے بچے اور چرنے والے چوپائے نہ ہوتے تو تم پر عذاب بھیج دیتے اور پھر اللہ پاک تم کو پیس کر ختم کر دیتے۔

اور امام بخاری نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ھَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِکُمْ۔

تم لوگوں کی تمہارے ضعفاء کی وجہ سے مدد کی جاتی ہے اور رزق دیا جاتا ہے۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور تصحیح کی ہے اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے لَعَلَّکَ تُرْزَقُ بِہٖ ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو اسی کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے ۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ خَلْقًا خَلَقَھُمْ لِحَوَائِجِ النَّاسِ یَفْزَعُ اِلَیْھِمُ النَّاسُ فِیْ حَوَائِجِھِمْ اُولٰٓئِکَ الْاٰمِنُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر وأبو نعیم والقضاعی وھو حسن)

اللہ پاک کی کچھ مخلوق و بندے ایسے ہیں جن کو اللہ پاک نے لوگوں کی ضرورتوں کے لئے پیدا کیا کہ اپنی ضرورتوں کی لوگ ان سے فریاد کریں۔ اور یہ لوگ اللہ کے عذاب سے مامون ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَیُصْلِحُ بِصَلَاحِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ وَلَدَہٗ وَوَلَدَ وَلَدِہٖ وَاَھْلَ

اللہ تعالیٰ مسلمان مرد کی نیکی کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اس کے گھر والوں

دُوَیْرَتِہٖ وَدُوَیْرَاتٍ حَوْلَہٗ وَلَا یَزَالُوْنَ فِیْ حِفْظِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ مَا دَامَ فِیْھِمْ۔ (رواہ ابن جریر)

اور اس کے ارد گرد کے گھروں کی درستگی فرماتے ہیں۔ اور سب اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں جب تک کہ وہ اللہ کا بندہ ان میں موجود رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَیَدْفَعُ بِالْمُسْلِمِ الصَّالِحِ عَنْ مِّائَۃِ اَھْلِ بَیْتٍ مِّنْ جِیْرَانِہِ الْبَلَاءَ (رواہ ابن جریر)

اللہ جل شانہ نیک صالح مسلمان مرد کی وجہ (برکت) سے اس کے پڑوس کے سو گھر والوں سے بلاء کو دور کر دیتے ہیں۔

پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ آیتِ شریفہ پڑھی:۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (بقرہ پ ۳)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ پاک بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے دفع کرتے ہیں تو زمین فساد سے پُر ہو جاتی۔

اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا یَزَالُ فِیْکُمْ سَبْعَۃٌ بِھِمْ تُنْصَرُوْنَ وَبِھِمْ تُمْطَرُوْنَ وَبِھِمْ تُرْزَقُوْنَ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ۔ (رواہ الطبرانی)

تم لوگوں میں ایسے سات آدمی ہمیشہ رہتے ہیں جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور جن کی وجہ سے تم لوگوں پر بارش کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے تم لوگوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ امر اللہ یعنی قیامت آجائیگی۔

اور حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَالْاَبْدَالُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ، بِھِمْ تُرْزَقُوْنَ وَبِھِمْ تُمْطَرُوْنَ وَبِھِمْ تُنْصَرُوْنَ، قَالَ قَتَادَۃُ: اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ یَّکُوْنَ الْحَسَنُ مِنْھُمْ، (رواہ الطبرانی)

میری امت میں تیس ابدال رہتے ہیں کہ ان کی برکت سے تم کو رزق دیا جاتا ہے اور بارش کی جاتی ہے اور تم لوگوں کی مدد کی جاتی ہے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان میں سے ہیں۔

ذکرھذہ الاحادیث الأربعة الحافظ ابن کثیر فی التفسیر عند قوله تعالیٰ "وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ" فی سورۃ البقرۃ۔ وھی صالحة للاحتجاج، ومن مجموعھا یصیر الخبر صحیحًا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَنْ تَخْلُوَ الْاَرْضُ مِنْ اَرْبَعِیْنَ	زمین حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن جیسے چالیس
رَجُلًا مِثْلَ خَلِیْلِ الرَّحْمٰنِ، فَبِهِمْ	آدمیوں سے کبھی بھی خالی نہیں ہوتی۔ ان کی
تُسْقَوْنَ وَبِهِمْ تُنْصَرُوْنَ مَا مَاتَ	وجہ سے تم کو سیراب کیا جاتا ہے اور تمہاری
مِنْهُمْ اَحَدٌ اِلَّا اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهٗ	مدد کی جاتی ہے ان میں سے جو بھی کوئی ایک
اٰخَرَ۔ رَوَاہ الطبرانی فی الاوسط	مرتا ہے تو اللہ پاک اس کی جگہ دوسرا مقرر
واسنادہ حسن۔ کذا فی مجمع الزوائد	فرما دیتا ہے۔

ج ١٠/٦٢)

عظیم واسطہ

محشر اعظم کے دن جو کہ یوم التوحید ویوم الایمان اور تجلی عرش کا دن ہوگا اس دن میں واسطۂ عظمیٰ صاحب اللواء اور صاحب مقام محمود وصاحب الحوض المورود شافع ومشفع کی فضیلت وبزرگی ظاہر ہوگی کہ جن کی شفاعت رد نہ کی جائے گی۔ جس سے ضمانت کا وعدہ کیا ہے اس کے بارے میں ضمانت بیکار نہ ہوگی، آپ کے ظن کو غلط نہ کریں گے۔ اور آپ کو کبھی بھی رسوا نہ کریں گے۔ اور امت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی غمگین ورنجیدہ نہ کریں گے، جب آپ کی طرف مخلوق رُخ کرے گی اور آپ سے شفاعت کی درخواست کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلعتِ احسان کے ساتھ لوٹیں گے۔ اور کرامت وعزت وشرافت کا تاج لے کر آئیں گے جس وقت اللہ پاک نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائیں گے۔ یا محمد! سر کو اٹھائیے اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اور آپ سوال کریں، آپ کو دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ، باب الحوض والشفاعۃ)

مغالطہ دینا

حقیقت کے دعویدار بہت سے ہیں لیکن حقیقت خود ان سے بری ہے

وَكُلٌّ يَدَّعِيْ وَصْلًا بِلَيْلٰى	وَلَيْلٰى لَا تُقِرُّ لَهُمْ بِذَاكَ
ہر آدمی لیلیٰ سے وصال کا دعویدار ہے	لیکن لیلیٰ خود اس کا اقرار نہیں کرتی

اور ایسے حضرات حقیقت کی صورت کو بگاڑ دیتے ہیں اور بدنامی کا سبب بنتے ہیں! ایسے لوگوں پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول پورا پورا صادق آتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی کو ایک چیز نہیں دی گئی لیکن وہ دئے جانے کا ڈھنڈورا پیٹتا ہو وہ ایسا ہے جس کے پاس ایک کپڑا ہو اور وہ جھوٹے طور پر دو کپڑے ظاہر کرے۔

ہم مسلمانوں میں ایسے لوگ بکثرت ہیں۔ یہی لوگ امت کی صفائی کو گدلا کرتے ہیں اور تفریق کا سبب بنتے ہیں اور بھائیوں اور باپ بیٹے میں عداوت پیدا کرتے ہیں۔ نافرمانی کا ارتکاب کر کے یہ لوگ اسلام کے مفاہیم کی تصحیح کرنا چاہتے ہیں اور سلف کی اقتدار کا انکار کرتے ہیں اور حکمت و موعظۂ حسنہ و رأفت و رحمت کے بجائے سختی و بے ادبی و قلتِ ذوق کا اظہار کرتے ہیں انہی دعویداروں میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو تصوف کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ حقیقت وجوہر تصوف سے بہت دور ہیں۔ انہی لوگوں نے تصوف کو بگاڑا ہے اور ائمۂ تصوف وعارفین پر تنقید کا سبب بنے ہیں۔

ہم یہ نہیں جانتے کہ تصوف، خرافات واباطیل، دجل وشعبدہ بازی کا مجموعہ ہے اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ تصوف، فلسفی نظریات یا اجنبی افکار، عقائدِ شرکیہ و حلول واتحاد کا نام ہے، ہم ایسے تصوف سے اپنی برات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر وہ مفہوم جو کتاب وسنت کے خلاف ہے اور تاویل کے قابل نہیں، یہ جھوٹ اور جھوٹے لوگوں کا داخل کیا ہوا ہے۔

ہم تو یہ جانتے ہیں کہ تصوف علم اور فکرِ معارف کا نام ہے جو اسلام کے بلند افکار کا ترجمان ہے اور انتہائی مکمل آداب واخلاق کا نام ہے۔ نیز کمالِ ایمان اور زندگی کے ہر شعبہ میں کمال کا نام ہے اور خلاصۂ دین ہے اور صدق وامانت، وفا وایثار، مردانگی وکرم، ضعیف کی مدد اور نیکی

دن

میں تعاون، حق کی دعوت اور اعمالِ خیر میں سبقت لے جانا۔ گویا کہ ہر اچھے خُلق کا نام تصوف ہے۔

انہی بہترین سیرت و بہترین اخلاق کے حامل پہلے زمانہ کے ائمہ تھے۔ جو اسلامی شخصیت کے انتہائی پاکیزہ اور اعلیٰ نمونہ تھے۔ جنکی بزرگی و بڑائی اور عزت وجہاد سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ اسی سے ہم یقینی طور پر یہ بات کہتے ہیں کہ جتنی بڑی بڑی تحریکات تھیں، ان سب کی اساس و بنیاد انہی روحانیات و کمالاتِ ایمانیہ پر تھی۔ اور ان کا قیام انہی بلند اخلاق پر تھا جن کی اساس عقائد حقہ مقدسہ ہیں۔

بلند اخلاق اور روحانی صفات یہی قوموں کا راس المال ہیں، انہی سے امتیں بنتی ہیں۔ اور انہی سے انسانیت اپنے اعلیٰ درجات پر پہنچتی ہے۔

سلفِ صالحین اور صوفیائے عارفین کی سیرتوں کو جاننے والا شخص جانتا ہے کہ ان کے یہی بلند اخلاق کیسے کیسے تاریخی انقلابات کا سبب بنے۔ ان کے پاس سوائے حقیقی ایمان کے دوسری کوئی اور قوت نہیں تھی۔ ان کے پاس ایسا ایمان تھا جو ہر وقت روشن اور شوق و محبت کو بڑھانے والا تھا۔ یہی ایمان متبعین کے قلوب میں وہ شعلہ پیدا کرتا ہے جو ہمیشہ اور ہر وقت اللہ کے راستہ میں بڑھاتا ہی رہتا ہے۔ ایسا آدمی ہمیشہ مقامِ احسان میں ہی رہتا ہے۔ ہر چیز میں اللہ جلّ شانہٗ کی تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اپنی ہر حرکت و سکون بلکہ ہر سانس میں اللہ جل شانہٗ کے اوامر و نواہی کا پورا پورا خیال رکھتا ہے۔ یہی وہ ایمان ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں بیداری پیدا کرتا ہے۔ اور اس عالم کی ہر شئی میں ربوبیت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور یہی ربوبیت ہمارے قلوب کے اندر کی چیزوں کو دیکھتی ہے اور خیالات کا علم رکھتی ہے۔ آنکھوں کی حرکات اور دل میں پوشیدہ چیزوں کو بھی جانتی ہے۔

بدعتِ حَسَنہ و بدعتِ سَیّئہ

سلفِ صالحین کی طرف اپنی نسبت کے دعویداروں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو محض جہالت و عصبیت میں اندھے عقولِ عقیمہ و افہامِ سقیمہ اور صدورِ ضیقہ لیکر کھڑے ہوئے اور ہر نئی چیز کی مخالفت و محاربہ اور ہر نئی مخترع مفید چیز کا انکار کرنے لگے۔ اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ بدعت ہے "وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" بدعت کی انواع و اقسام میں فرق کے بغیر ہی، حالانکہ شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات نے ہم پر لازم کیا ہے کہ انواعِ بدعت میں تمیز و فرق سے کام لیں اور یہ کہیں کہ بعض بدعتِ حَسَنہ ہیں اور بعض بدعتِ سَیّئہ ہے۔ اور عقل نیّر و روشن عقل، اور نظرِ ثاقب بھی اسی کو چاہتی ہے۔ اس امت کے علماءِ سلف میں سے علماءِ اصول رضی اللہ عنہم نے اسی کو ثابت کیا ہے۔ جیسا کہ امام عزّ الدین بن عبد السلام و علامہ نووی و سیوطی و محلی و ابنِ حجر رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً۔

بعض احادیثِ نبویہ بھی دیگر بعض احادیث کی تفسیر کرتی ہیں اور بعض سے بعض کی تکمیل ہوتی ہے ان کی طرف ایک کامل نظر کرنا بھی ضروری ہے۔ اور شریعتِ اسلامیہ کی روح اور ایسے مفہوم کے ساتھ اس کی تفسیر کرنا ضروری ہے جس پر اہلِ نظر کا اتفاق ہو۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی احادیث کی تفسیر کرنے کے لئے عقلِ سلیم و فکرِ ثاقب و فہم لائق و قلب ذائق کی ضرورت ہوتی ہے جو شریعتِ غرّا کے آفتاب سے روشنائی حاصل کرکے امت کے احوال و ضروریات کی رعایت کرے اور ان کو قواعدِ شرعیہ و نصوصِ قرآنیہ کی ان حدود ہی میں رکھے جن سے خروج ناجائز ہے۔ اس کی ایک مثال یہ حدیثِ پاک ہی ہے "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" تو یہ کہنا پڑے گا کہ اس سے مراد وہ بدعتِ سَیّئہ ہے جو اصلِ شرعی کے تحت داخل نہ ہو۔ اور یہ قید اور اس طرح کی دیگر قیودات دیگر احادیث میں بھی بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ "لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ" مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد ہی میں ہوتی ہے۔ اس حدیثِ پاک میں حصر کے ساتھ مسجد کے پڑوسی کی نماز کی نفی وارد ہوئی ہے۔ مگر احادیثِ کثیرہ کے عموم سے ایک قید اس کے ساتھ مستفاد ہوتی ہے کہ لَا صَلٰوةَ کَامِلَةً نفی کمال کی ہے نہ اصل نماز کی۔ اور جیسا کہ حدیثِ پاک ہے "لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ

طَعَامٍ" علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ اس میں بھی نفی کمال کی ہے بمعنی لَاصَلٰوۃَ کَامِلَۃً اور تیسری حدیث پاک "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ" اس میں بھی علمائے کرام نے فرمایا کہ مراد "لَا یُؤْمِنُ اِیْمَانًا کَامِلًا" نفی کمال کی ہے اور چوتھی روایت:۔

وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ مَنْ لَّمْ یَاْمَنْ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ۔ (متفق علیہ)

خدا کی قسم مؤمن نہیں، خدا کی قسم مؤمن نہیں، خدا کی قسم مؤمن نہیں، عرض کیا گیا کہ کون یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا جس کا پڑوسی اس کے ظلم سے مامون نہ ہو۔

اس میں بھی نفی کمال کی ہے۔ اور پانچویں حدیث:۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَتَّاتٌ وَّلَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَاطِعُ رَحِمٍ وَّعَاقٌّ لِّوَالِدَیْہِ

جنت میں چغلخوری کرنیوالا داخل نہ ہوگا! ور جنت میں قطع رحمی کرنے والا اور ماں باپ کا نافرمان داخل نہ ہوگا۔

علمائے کرام نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ "لَا یَدْخُلُ دُخُوْلًا اَوَّلِیًّا" یعنی دخولِ اوّلی کی نفی ہے۔ یا پھر یہ ہے کہ بالکل جنت میں داخل نہ ہوگا اگر ان افعال کو حلال سمجھ کر کرے گا۔
حاصل کلام یہ ہے کہ علمائے کرام نے ان احادیث کو ظاہر پر محمول نہیں کیا اور کسی نہ کسی قسم کی تاویل کی ہے۔ اور کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ والی حدیث بھی اسی قبیل سے ہے۔ احادیث شریفہ کے عموم اور احوال صحابہؓ سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اس بدعت سے مراد بدعتِ سیّئہ ہے جو کسی اصلِ کلی کے تحت مندرج نہ ہو۔ اور ایک حدیثِ پاک میں تو یہ ارشاد فرمایا:۔

مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً کَانَ لَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَلَا یُنْقَصُ مِنْ اَجْرِھَا شَیْءٌ

جو شخص کوئی بھی اچھا طریقہ جاری کردے تو اس کو اس کا اجر و ثواب اور ان لوگوں کا اجر و ثواب ملے گا جو قیامت تک اس پر عمل کریں گے۔ اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

اور دوسری حدیثِ پاک میں ہے:۔

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ۔ (رواہ الترمذی)

لازم پکڑو میری سنت کو اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو۔

اور صلاۃ التراویح کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔
نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ ھٰذِہٖ (رواہ البخاری) یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔
اللہ پاک ہم کو صحیح بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

بدعتِ شرعیہ و بدعتِ لغویہ میں فرق کرنا ضروری ہے

بعض لوگ بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کرنے پر تنقید کرتے ہیں اور اس کے قائلین پر بہت شدت سے رد کرتے ہیں۔ بلکہ بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو ان پر فسق اور گمراہی کے فتوے لگاتے ہیں۔
اور یہ اس لئے کرتے ہیں کہ اس تقسیم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح قول اور واضح ارشاد "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" کی مخالفت ہوتی ہے۔ جبکہ یہ قول صراحۃً ہر بدعت کو شامل ہے اور اس کی گمراہی پر بھی صریح ہے۔ اسی وجہ سے تم ان کو یہ کہتا دیکھو گے "کیا صاحبِ شریعت، صاحبِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد کہ "ہر بدعت گمراہی ہے" کسی مجتہد یا فقیہ یا جو بھی اس کا رتبہ ہو، یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ نہیں نہیں ہر بدعت گمراہی نہیں بلکہ بعض بدعتیں گمراہی ہیں؟ بعض اچھی اور بعض بُری ہیں۔؟

اور اس طرح کے اعتراضات کی وجہ سے بہت سے لوگ دھوکہ میں آجاتے ہیں اور وہ بھی ان معترضین کے ساتھ چیخ اٹھتے ہیں اور منکرین کے ساتھ وہ بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کی جماعت بڑھتی جاتی ہے جنہوں نے نہ مقاصدِ شرعیہ کو سمجھا اور نہ دینِ اسلام کی روح کو چکھا۔
پھر چند روز ہی گذرتے ہیں کہ یہی معترضین ایسی مشکل میں پڑ جاتے ہیں جس سے بچنے کی راہ نکالنا ان کے لئے دشوار ہوتا ہے اور ان کی روزمرہ کی معیشت اس کی واضح دلیل ہے۔ لازماً وہ ایسے حیلہ کی پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جس کے بغیر ان کے لئے کھانا پینا اور رہنا سہنا بلکہ لباس پہننا اور سانس لینا تک مشکل ہو جائے۔ اور جس حیلہ کے بغیر نہ تو وہ ذاتی اور خانگی معاملات طے کر سکتے ہیں، اور نہ اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں سے کوئی معاملہ کر سکتے ہیں۔ اور وہ حیلہ یہ ہے کہ وہ واضح لفظوں میں کہہ اُٹھتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعتِ دینیہ اور بدعتِ دنیویہ۔
ہائے اللہ۔ ان کھلاڑیوں نے کیسے اپنے نفس کے لئے یہ تقسیم گھڑلی۔ یا کم از کم یہ نام کس طرح گھڑ لیا۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ چیزیں عہدِ رسالت میں موجود تھیں تو یہ بدعت کی تقسیم دینیہ اور دنیویہ کی تو عہدِ رسالت میں ہرگز موجود نہ تھی، تو پھر یہ تقسیم کہاں سے آگئی؟ اور یہ نوایجاد بدعتی نام

کہاں سے آگیا؟
لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدعت کو حسنہ اور سیئہ کی طرف منقسم کرنا شارع کی طرف سے نہیں ہے اس لئے غلط ہے، تو ہم ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ بالکل اسی طرح بدعت کو ناپسندیدہ بدعت دینیہ اور پسندیدہ بدعتِ دنیویہ کی طرف منقسم کرنا بھی عین اختراع اور بدعت ہے۔ اس لئے کہ شارع علیہ السلام تو علی الاطلاق فرماتے ہیں کہ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، اور یہ کہتے ہیں کہ نہیں نہیں، ہر بدعت مطلقاً گمراہی نہیں، بلکہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعتِ دینیہ اور وہ گمراہی ہے اور بدعتِ دنیویہ جس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔
اس لئے ضروری ہے کہ ہم ایک اہم مسئلہ کی وضاحت کر دیں جس کی روشنی میں بہت سے اشکالات حل ہو جائیں گے اور بہت سے شبہات دور ہو جائیں گے۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ۔
وہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ یہاں (كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کے قول کے) متکلم شارع حکیم ہیں، ان کا فرمان شرعی فرمان ہے اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ان کے فرمان کو انہی کے لائے ہوئے شرعی میزان میں پرکھا جائے۔ اور جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ بدعت اصلاً ہر نو پیدا اور نو ایجاد چیز کو کہا جاتا ہے تو تمہارے علم میں یہ بات بھی رہنی چاہیئے کہ زیادتی اور نئی ایجاد وہ ممنوع ہے جو زیادتی دین میں کی جائے اور دینی چیز قرار دینے کے لئے ہو اور شریعت میں شرعی رنگ دینے کے لئے کی جائے۔ تاکہ وہ زیادتی قابلِ اتباع شرعی چیز بن کر صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو جائے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے ہمارے آقا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول کے ذریعہ ڈرایا ہے کہ:۔

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (متفق علیہ)
جو ہمارے اس دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو درحقیقت دین سے نہ ہو وہ مردود ہے۔

اس لئے اس موضوع میں حدِ فاصل آپ کا یہ قول "فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا" ہے۔ اور اسی لئے ہمارے نزدیک بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف کرنا صرف اور صرف لغوی اعتبار سے ہے (اور بدعتِ لغوی کا مفہوم نوپیدا اور نوایجاد ہے)، بلاشبہ ہم بدعت کے شرعی مفہوم کے اعتبار سے معترضین کے ساتھ متفق ہیں کہ بدعت گمراہی ہے اور فتنہ ہے، جو مذموم ہے، مردود ہے، انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ اور اگر یہ معترضین اس حقیقت کو سمجھ لیتے تو ان پر خوب روشن ہو جاتا کہ ہمارا آپس میں تقریباً اتفاق ہی ہے اور

جھگڑے والی کوئی بات نہیں۔

اور میرے ذہن میں ایک اور بات بھی ہے جس سے دونوں قسم کی فکریں ایک معلوم ہوتی ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جو لوگ بدعت کی تقسیم کے منکر ہیں وہ صرف بدعتِ شرعیہ کی تقسیم کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے خود ہی بدعت کو دینیہ اور دنیویہ کی طرف منقسم کر دیا ہے اور اس کا اعتبار کیا ہے۔

اور جو لوگ بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف کرتے ہیں وہ بدعتِ لغویہ کے اعتبار سے کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ بھی تو کہنا ہے کہ دین اور شریعت میں زیادتی کرنا گمراہی اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اور یہ بات ان کے نزدیک بلاشبہ ثابت ہے۔ اس لئے یہ ایک صُوری اختلاف ہے (حقیقۃً نہیں)۔ اگرچہ میرے خیال میں ہمارے جو بھائی بدعت کی تقسیم حسنہ و سیئہ کرنے کے منکر ہیں اور بدعت کو دینیہ اور دنیویہ پر تقسیم کرتے ہیں ان کی بات زیادہ باریک بینی اور احتیاط پر مبنی نہیں۔ کیونکہ جب انہوں نے بدعتِ دینیہ کو گمراہی کہا (اور یہ بات حق بھی ہے) اور بدعتِ دنیویہ پر یہ حکم لگایا کہ "اس میں کوئی مضائقہ نہیں" تو ان کی یہ بات کوئی اچھی نہیں کیونکہ اس طرح تو انہوں نے ہر بدعتِ دنیویہ کو مباح کہہ دیا جب کہ اس میں بہت عظیم خطرہ ہے اور اس سے تو بڑا فتنہ اور مصیبت واقع ہو سکتی ہے جس کی بنا پر بہت ضروری ہوا کہ اس قضیہ کے ساتھ یہ تفصیل بھی وہ بیان کریں کہ "بدعتِ دنیویہ میں بھی بعض امور خیر ہیں اور بعض امور شر ہیں۔ کوئی اندھا اور جاہل ہی ہوگا جو ان امور شر کا نظارہ نہ کرتا ہو۔ اس لئے اس تفصیل کا بیان بہت ضروری ہوا۔

اور جو لوگ بدعت کو حسنہ اور سیئہ پر منقسم کرتے ہیں اور یہ بات متحقق ہے کہ ان کی مراد اس سے بدعتِ لغویہ ہے جیسا کہ گذرا (اور اس تقسیم کے منکرین اسی کو بدعتِ دنیویہ سے تعبیر کرتے ہیں) ان لوگوں نے اس مفہوم کو بہت مختصر اور دقیق انداز میں بیان کیا ہے اور ان کا یہ قول انتہائی باریک بینی اور احتیاط پر مبنی ہے۔ اور یہ قول ہر نو ایجاد چیز کو شرعی احکام اور دینی قواعد کا پابند کر رہا ہے اور تمام مسلمین پر یہ لازم کر رہا ہے کہ ان کے سامنے جب بھی کوئی بدعت آئے اور کسی بھی نو ایجاد چیز سے ان کو واسطہ پڑے عموماً دنیاوی امور میں اور خصوصاً شرعی امور میں تو وہ اس میں شرعی حکم معلوم کریں۔ اور یہ مفہوم جب ہی ہوگا کہ بدعت کو ائمۂ اصول کے قول کے مطابق عمدہ اور معتبر طور پر تقسیم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ان ائمۂ اصول سے راضی ہو اور ان کی ان تحریرات سے بھی جو ایسے صحیح الفاظ پر مشتمل ہیں کہ جن کے معنیٰ میں نہ کوئی

نقص ہے اور نہ تحریف یا تاویل۔

ائمۂ تصوّف کی شریعتِ مطہرہ پر کاربند رہنے کی دعوت

اس مظلوم تصوف کے ساتھ بہت کم لوگ ہی انصاف کرتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ تو یہاں تک جری ہو گئے کہ تصوف کو صفاتِ ذمیمہ میں سے شمار کرتے ہیں اور ایسا عیب بتاتے ہیں کہ جس سے شہادت ساقط ہو جاتی ہے اور عدالت زائل ہو جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ فلاں ثقہ نہیں اور فلاں کی روایت غیر مقبول ہے، کیوں؟ اس لئے کہ وہ صوفی ہے۔ اسی وجہ سے میں نے پسند کیا کہ ارکان تصوف و ائمۃ الدین والتصوف کے کلام کو نقل کروں اور وہ بھی نقل کروں جو انہوں نے شریعتِ اسلامیہ کے بارے میں فرمایا ہے تاکہ ہم کو ان کے صحیح و حقیقی موقف کا علم ہو جائے۔

یہ ضروری ہے کہ ہم آدمی کو اس کی ذات سے پہچانیں کیونکہ انسان خود اپنی رائے کے بارے میں بیان کرے اور اپنے مافی الضمیر کو ادا کرے، یہی سب سے بہتر ہے

۱۔ الامام الجُنید البغدادی رحمہ اللہ

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ تمام راستے مخلوق کے لئے بند ہیں سوائے اس شخص کے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اختیار کیا اور آپ کی سنت کا اتباع کیا اور آپ کے طریقہ کو لازم پکڑا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام خیر کے راستے کھول دیئے گئے ہیں اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کے لئے بھی کھول دیئے گئے ہیں۔

۲۔ حضرت بایزید بُسطامی رحمہ اللہ

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے اپنے ساتھیوں سے ایک دن فرمایا کہ ہمارے ساتھ چلو، ہم اس شخص کو دیکھیں گے جس نے اپنے آپ کو ولایت کے ساتھ مشہور کیا ہے۔ ہم چلے۔ ایک آدمی مسجد کے ارادہ سے چلا۔ پھر اس نے مسجد میں قبلہ کی طرف تھوک دیا تو پھر حضرت بایزید بسطامیؒ واپس آ گئے، اس کو سلام بھی نہ کیا اور فرمایا کہ یہ شخص تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے کسی بھی ادب کا خیال نہیں کرتا

تو یہ شخص جو اولیاء وصالحین کے مقامات کا دعویٰ کرتا ہے تو ان کے آداب کی کیسے رعایت کرتا ہوگا۔

۳۔ حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ کلام کا مدار چار چیزیں ہیں۔ ۱۔ ربّ جلیل کی محبت۔ ۲۔ دنیا کی نفرت۔ ۳۔ اتباعِ قرآن۔ ۴۔ خوفِ تحویل(۱)۔ اللہ پاک سے محبت کی علامت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واخلاق واحکام وطریقوں میں آپ کا اتباع کرنا ہے۔

۴۔ السرّی السقطی علیہ الرحمۃ

حضرت سری سقطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ تصوف تین معانی کا نام ہے۔ ۱۔ وہ جس کا نورِ معرفت اس کے پرہیزگاری کے نور کو بجھائے نہیں۔ ۲۔ کوئی ایسا کلام نہ کرے جس سے ظاہر قرآن وسنت کی مخالفت ہوتی ہو۔ ۳۔ کرامات اس سے اللہ کے رموز واسرار کا افشار نہ کرائیں۔

۵۔ ابونصر بِشر بن الحارث الحافی علیہ الرحمۃ۔

بِشر بن الحارث الحافی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔ اے بِشر! کیا تم کو معلوم ہے کہ اللہ پاک نے تم کو اپنے ہمعصروں پر کیوں رفعت دی ؟ میں نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ. تو آپ نے فرمایا کہ میری سنتوں کا اتباع کرنے اور صالحین کی خدمت کرنے اور اپنے بھائیوں کے ساتھ خیرخواہی کرنے اور میرے صحابہؓ اور میرے اہلِ بیتؓ سے محبت کرنے کی وجہ سے۔ اور یہی وہ امور ہیں جنہوں نے تم کو ابرار تک پہنچا دیا۔

۶۔ ابویزید بن طیفور بن عیسی البسطامی علیہ الرحمۃ

ابویزید نے فرمایا کہ میں نے اللہ پاک سے سوال کرنا چاہا کہ اللہ پاک مجھے کھانے اور عورتوں کی ضرورت سے بے نیاز کردے۔ پھر میں نے سوچا کہ اللہ پاک سے اس چیز کا سوال کرنا میرے لئے

---

(۱) راہِ راست سے ہٹنے سے ڈرنا۔

کیسے جائز ہے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اللہ پاک سے اس طرح کا سوال کیا نہیں تو پھر میں نے یہ سوال نہ کیا۔ پھر اللہ پاک نے اپنے فضل سے عورتوں کی ضرورت ختم کردی حتی کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی عورت ہے یا دیوار میرے سامنے آئے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر تم کسی شخص کی کرامات یہاں تک دیکھو کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے تو اس سے دھوکا مت کھاؤ حتی کہ تم اس کو دیکھو کہ وہ اللہ کے اوامر ونواہی وحدود اللہ کی حفاظت اور اداء شریعت میں کیسا ہے۔؟

۷۔ ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمۃ

حضرت ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ بسا اوقات میرے دل میں قوم کے عیوب و نکتوں میں سے کوئی نکتہ واقع ہوتا ہے تو میں اس کو اپنے دل سے دو عادل شاہد قرآن وسنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی قبول کرتا ہوں۔

۸۔ ابوالحسن احمد بن ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوالحسن احمد بن ابوالحواری علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جس شخص کا عمل سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے علاوہ ہو وہ عمل باطل ہے۔

۹۔ ابوحفص عمر بن سلمہ الحداد علیہ الرحمۃ

ابوحفص عمر بن سلمہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جو ہر وقت اپنے افعال کو اور اعمال کو قرآن وسنت پر پرکھتا نہ رہے اور اپنے خواطر(۱) کو متہم نہ کرے تو اس شخص کو مردوں کی فہرست اور دفتر سے نکال دو۔

ابوالقاسم الجنید بن محمد علیہ الرحمۃ

حضرت ابوالقاسم رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن حکیم حفظ نہ کیا اور حدیث پاک نہیں لکھی تو اس تصوف میں وہ مقتدیٰ نہیں ہے کیونکہ ہمارا علم قرآن وسنت کے ساتھ مقید ہے۔ اور یہ بھی فرمایا

---

(۱) دل کے وساوس وخیالات

کہ ہمارا یہ مذہب کتاب وسنت کے اصول کے ساتھ مقید ہے اور ہمارا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ کے ساتھ مربوط ہے۔

۱۱- ابو عثمان سعید بن اسماعیل الحیری علیہ الرحمۃ۔

جب حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا حال متغیر ہوا تو ان کے بیٹے ابو بکر نے اپنی قمیص پھاڑ دی، ابو عثمان نے اپنی آنکھ کھولی اور فرمایا کہ اے بیٹے ظاہر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع باطن میں کمال کی علامت ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ حسنِ ادب کے ساتھ اللہ کی صحبت کو لازم پکڑنا، ہمیشہ کا خوف اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے اتباع کے ذریعہ آپ کی صحبت کو لازم پکڑنا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ احترام وخدمت کے ساتھ اولیاء اللہ کی صحبت کو لازم پکڑنا اور ظاہری علم حاصل کرنا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اہل کے ساتھ حسنِ خلق کے ساتھ رہنا اور بھائیوں کے ساتھ ہمیشہ خوش طبعی کے ساتھ رہنا جبتک کہ کوئی گناہ نہ ہو۔ اور جہال کے ساتھ دُعا اور ان پر رحم کرنے کے ساتھ رہنا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو قولاً وفعلاً سنت کا خوگر بنالیا اس کے منہ سے حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اور جس نے اپنے نفس کو خواہشات کا خوگر بنالیا اس کے منہ سے بدعت نکلتی ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے "وَاِنْ تُطِيعُوْهُ تَهْتَدُوْا" (اور اگر تم ان کی اطاعت کروگے تو راستہ پالوگے۔) (سورۃ النور ۵۴)

۱۲- ابوالحسن بن احمد بن محمد النوری علیہ الرحمۃ

حضرت ابوالحسن بن احمد قدس سرّہ نے فرمایا کہ جس کو دیکھو کہ وہ اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کے بارے میں ایسی کیفیت بیان کرتا ہے جو شرعی حدود سے متجاوز ہے تو اس کے قریب بھی مت جاؤ۔

۱۳- ابوالفوارس شاہ بن شجاع الکرمانی علیہ الرحمۃ۔

ابوالفوارس علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی نگاہ کو محرمات سے محفوظ رکھا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا اور اپنے باطن کو مداومت مراقبہ سے معمور کیا اور اپنے ظاہر کو سنت نبویہ کے

اتباع سے مزین کیا اور اپنے نفس کو اکل حلال کا عادی بنایا تو اس کی سمجھ وفراست کبھی بھی خطا نہ کریگی

۱۴- ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل بن عطار الادمی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کو آدابِ شریعت کا پابند کرلے تو اللہ پاک اپنی معرفت کے نور سے اس کا دل منور کرتے ہیں اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال اور اوامر ونواہی واخلاق میں متابعت کا مقام عطا فرمادیتے ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جس چیز کے بارے میں تجھ سے سوال کیا جائے اس کو علم کے میدان میں تلاش کر۔ اگر اس میں نہ ملے تو حکمت کے میدان میں تلاش کر۔ اگر اس میں بھی نہ پائے تو توحید سے موازنہ کر۔ اگر ان تین مواضع میں نہ پائے تو اس کو شیطان کے منہ پر ماردے

۱۵- ابو اسحاق ابراہیم بن داؤد الرقی علیہ الرحمۃ

حضرت ابو اسحاق علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اللہ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ومتابعت کو ہر چیز پر بندہ ترجیح دینے لگے۔

۱۶- ابوحمزہ البغدادی البزاز علیہ الرحمۃ

حضرت ابوحمزہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جس شخص نے حق تعالیٰ کے طریق کو پہچان لیا تو اس شخص کے لئے وہ راستہ آسان ہوجائے گا۔ اور حق تعالےٰ کے طریق تک پہنچنے کے لئے رہبر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، ان کے احوال وافعال واقوال میں اتباع کرنا ہے۔

۱۷- الامام ممشاد الدینوری علیہ الرحمۃ

حضرت ممشاد دینوری علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مشائخ کی عزت اور بھائیوں کی خدمت اور اسباب سے نکلنے اور اپنی ذات پر آدابِ شریعت کی پابندی کرنے کی مرید کو تعلیم دینی چاہیئے۔

۱۸۔ ابومحمد عبداللہ بن منازل علیہ الرحمۃ

حضرت ابومحمد عبداللہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی فریضہ کو ضائع کرتا ہے تو اللہ پاک اس کو تضییعِ سُنَن میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جو شخص سننِ محمدیہ کو ضائع کرتا ہے اور اہتمام نہیں کرتا تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اس کو بدعات میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ۔

اشاعرہ کی حقیقت

بہت سے لوگ مسلمانوں میں سے اشاعرہ کے مذہب سے جاہل ہیں اور یہ نہیں پہچانتے کہ اشاعرہ کون لوگ ہیں۔ اور عقائد کے بارے میں اشاعرہ کا کیا طریقہ ہے۔ اور بعض لوگوں نے تو اشاعرہ کو گمراہی کی طرف منسوب کرنے اور دین سے نکل جانے اور اللہ کی صفات میں الحاد کے ساتھ متہم کرنے سے بھی پرہیز نہ کیا اور اشاعرہ کے مذہب سے جہالت ولاعلمی خود اہل سنت والجماعت کے درمیان شدید اختلاف وپھوٹ کی وجہ بن گئی حتیٰ کہ بعض نے اشاعرہ کو گمراہ فرقوں میں شمار کر دیا۔

میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اہلِ ایمان اور گمراہ کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ اور اہل سنت وغالی معتزلہ وجہمیہ میں کیسے مساوات ہو سکتی ہے؟

"اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ مَا لَکُمْ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ" حضرات اشاعرہ تو مسلمانوں میں سے ہدایت کی نشانیاں ہیں اور اَعلام ہیں۔ مشرق ومغرب ان کے علوم سے بھرا ہوا ہے۔ لوگ ان کی فضیلت وعلم ودیانت پر متفق ہیں۔ حضرات اہلِ سنت کے بڑے سمجھدار علماء ہیں۔ اور انہی کے ائمہ علماء کبار نے معتزلہ کے طوفان کا پوری جرأت سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انہی کے بارے میں شیخ الاسلام[1] ابن تیمیہ نے فرمایا کہ علماء علوم دین کے انصار ہیں۔ اور اشاعرہ اصولِ دین کے انصار ہیں۔ یہ اشاعرہ بڑے بڑے محدثین وفقہاء ومفسرین ہیں۔

۱۔ شیخ الاسلام علامہ ابنِ حجر عسقلانی بلا اختلاف شیخ المحدثین، صاحب فتح الباری علیٰ شرح الجامع الصحیح للبخاری اشعری المذہب ہیں۔ ہر عالم ان کی کتاب کا محتاج ہے اور مستغنی نہیں ہے۔

۲۔ علماء اہل سنت کے امام شیخ نووی شارح مسلم وصاحب تصانیفِ کثیرہ اشعری المذہب ہیں۔

۳۔ شیخ المفسرین امام قرطبی صاحب الجامع لاحکام القرآن اشعری المذہب ہیں۔

۴۔ شیخ الاسلام ابن حجر الہیثمی صاحب الزواجر عن اقتراف الکبائر اشعری المذہب ہیں۔

۵۔ شیخ الفقہ والحدیث الامام الحجۃ الثبت زکریا الانصاری، اشعری المذہب ہیں۔

---

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ ج ۴ ص

۶۔ الامام ابو بکر الباقلانی و امام نسفی و امام اشربینی، ابو حیان صاحب تفسیر البحر المحیط و امام ابن جزبی صاحب التسہیل فی علوم التنزیل وغیرہم رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً ائمۂ اشاعرہ میں سے ہیں اور ہم ان اعلام محدثین و مفسرین و فقہاءِ کرام کو شمار کرنا چاہیں جو کہ ائمۂ اشاعرہ میں سے ہیں تو تطویل ہو جائیگی۔ اور ہم کو ان تمام علماءِ افاضل کی فہرست تیار کرنے کے لئے ضخیم مجلدات کی ضرورت ہوگی جن کے علوم و معارف نے مشرق و مغرب میں اپنا ڈنکا بجایا ہوا ہے۔

ہمارے ذمہ ہے کہ ان حضرات کے احسان کا بدلہ چکائیں اور اہلِ علم و فضل کی خوبیوں کا تہِ دل سے اعتراف کریں خصوصًا وہ علماءِ اعلام کہ جنہوں نے حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعتِ مطہرہ کی خدمت میں زندگیاں قربان کیں۔

اگر ہم ان بڑے بڑے علماءِ کرام و اسلافِ صالحین کو گمراہی اور کجی کے ساتھ متہم کریں گے تو ہم سے کس خیر کی امید کی جاسکتی ہے اور ہم ان کے علوم سے کیسے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اللہ پاک ہمارے لئے کیسے دروازہ کھولے گا جب کہ ان علماء و اسلاف کے بارے میں طریقِ اسلام سے انحراف و کجی کا الزام لگائیں۔ العیاذ باللہ۔

میں یہ کہتا ہوں کہ موجودہ دور کے علماء میں سے کوئی دکتور[1] یا مفکرینِ اسلام میں سے کوئی ایسا ہے جس کی خدمات شیخ الاسلام علامہ ابنِ حجر عسقلانی اور امام نووی کی خدمات کے برابر ہو سکتی ہوں۔ جو ان حضرات نے سنتِ نبویہ محمدیہ مطہرہ کی خدمات کی ہیں؟ ان دونوں ائمۂ کرام کو اللہ پاک اپنی رحمتِ خاصہ اور رضا میں ڈھانپ لیں (آمین)، ہم ان کو اور دیگر علماءِ اشاعرہ کو کیسے گمراہی کے ساتھ متہم کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم لوگ ان کے علوم کے محتاج ہیں۔ اگر یہ لوگ گمراہی پر تھے (العیاذ باللہ) تو ہم ان سے کیسے علوم حاصل کر سکتے ہیں۔ جب کہ امام زہری نے فرمایا ہے کہ "یہ علم دین ہے دیکھو کہ تم اپنے دین کو کن سے حاصل کر رہے ہو"۔

کیا معترض کو یہ کہنا کافی نہ تھا کہ وہ یہ کہہ دیتا کہ ان اشاعرہ نے اجتہاد کیا اور اللہ کی صفات میں تاویل کرنے میں خطا ہوگئی۔ اور بہتر تھا کہ یہ مسلک نہ اختیار کرتے۔ چہ جائیکہ ہم ان حضرات کو گمراہی اور کجی کے ساتھ متہم کریں اور ان کو اہل سنت والجماعت میں شمار کرنے میں ان پر اپنا غصہ

---

(۱) پی۔ ایچ۔ ڈی ڈاکٹر۔

اتاریں۔ اور اگر امام نووی اور ابن حجر عسقلانی، و قرطبی، باقلانی و فخر الدین رازی و ہیثمی و زکریا الانصاری رحمہم اللہ وغیرہم بڑے بڑے اکابر علماء و بڑے بڑے سمجھدار اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہیں، تو پھر اہلِ سنت والجماعت میں کون ہوگا؟

میں اخلاص کے ساتھ دعوتِ اسلامیہ کے میدان میں تمام کام کرنیوالوں کی خدمت میں کہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بارے میں اللہ سے ڈریں اور خاص طور پر بڑے بڑے اکابر علماء اور ائمۂ فقہاء کے بارے میں، امت محمدیہ قیامت تک خیر پر رہے گی۔ اگر ہم اپنے علماء کی فضیلت اور مرتبہ کو نہیں پہچانتے تو ہم لوگوں میں بھی کوئی خیر نہیں۔ اھ

وہ حقائق جن کی رونق بحث سے ختم ہو جاتی ہے

عقیدہ کے بہت سے مسائل کے حقائق کے بارے میں علماءِ کرام میں بحث ہوتی ہے جس بحث کا اللہ نے ہم کو مکلف نہیں بنایا۔ اور میری رائے تو یہ ہے کہ بحث نے ان حقائق کی رونق کو ختم کر دیا ہے مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ پاک کی رؤیت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ رؤیت کیسے ہوئی اور علماء کرام میں آپس میں شدید اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رؤیت قلبی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ رؤیت آنکھ سے ہوئی ہے اور ہر ایک دلیل پیش کرتا ہے اور براہینِ مختلفہ سے اس کو ثابت کرتا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ سب کچھ عبث ہے، اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ نفع سے زیادہ نقصان ہے کہ جب عوام اس کو سنیں گے تو ان کے قلوب میں شک داخل ہوگا۔ اگر ہم اس بحث سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور اس پر اکتفار کر لیں کہ یہ حقیقت ویسے ہی ہے جیسے کہ نص میں ہے، تو نفوس میں تعظیم و تکریم باقی رہے گی۔ ہم کہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا اور اس حقیقت پر صرف اقتصار کر لیں اور باقی کو آپ کے ہی حوالہ کر دیں۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتًا کلام فرمایا۔ (النساء: ۱۶۴)

اللہ پاک کے کلام کرنے کے بارے میں بھی علماءِ کرام کی بہت بحث ہوتی ہے۔ اور اس باب میں بھی اختلاف ہے۔ بعض علماء کرام تو کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کلام کلامِ نفسی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کلام حروف اور آواز کے ساتھ ہے۔ اور بندہ کا خیال یہ ہے کہ فریقین

اللہ سبحانہٗ کے لئے پاکی اور تنزیہ کے طالب اور شرک کے اقسام سے دور ہیں۔ اور
کلام کا مسئلہ حقیقۃً ثابت ہے۔ اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ انکار
اللہ پاک کے کمال کے اعتبار سے منافی ہے۔ اور دوسرے اعتبار سے
اللہ سبحانہٗ کی صفات جو قرآن حکیم میں وارد ہوئی ہیں، ان پر ایمان لانا اور ان کو ثابت کرنا بھی واجب
ہے، اس کے بھی انکار کے منافی ہے اس کو صرف اللہ پاک ہی جانتے ہیں اور میری رائے یہ ہے اور
اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اس حقیقت کی کیفیت اور شکل میں غور و خوض کے بغیر ہی اس حقیقت
کو ثابت مانا جائے کہ اللہ پاک کے لئے کلام کو ثابت کریں اور یہ کہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور
اللہ پاک متکلم ہیں، قطع نظر اس سے کہ یہ کلام نفسی ہے یا غیر نفسی، حرف و آواز کے ساتھ ہے یا
بدوں حرف و آواز کے، یہ سب تعنّت اور بیکار بحث ہے، اس کے بارے میں توحید دینے اور
لانے والے حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو نہ فرمائی جو آپ نے دیا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم
لے کر آئے۔ کیا یہ اس پر زیادتی تو نہیں؟ کیا یہ بہت بُری بدعت نہیں؟ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ
عَظِيْمٌ" نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس بارے میں ہم کو اس وقت بتائیں گے جب ہم اکٹھے اللہ پاک کے
پاس کھڑے ہوں گے۔ ہم ہمیشہ اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ ہماری گفتگو صرف حقیقت کے بارے
میں ہونی چاہیئے۔ صورت و شکل کے بارے میں نہیں ہونی چاہیئے۔

اِنِّیْ اَرَاکُمْ مِّنْ خَلْفِیْ :- میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول "اِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرَاکُمْ مِنْ اَمَامِیْ" کی
حقیقت کے بارے میں بھی علماء کرام میں آپس میں بہت بحث ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ پاک نے
اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بھی دو آنکھیں بنائی تھیں، اور بعض نے کہا کہ اللہ پاک نے آگے والی
دونوں آنکھوں میں اتنی قوت و طاقت دی تھی کہ وہ پیچھے کا بھی دیکھ لیتی تھیں۔ بعض علماء نے کہا کہ
اللہ پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیچھے کا منعکس فرما دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ اس کی
صورت کو اپنی دونوں آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا کرتے تھے۔ اس تمام تعنت اور بیکار بحث نے
اس حقیقت کو اپنے جمال و رونق سے نکال دیا ہے اور دلوں میں اس کی جلالت و ہیبت کو کم کر دیا ہے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے پیچھے سے ویسے ہی دیکھنا جیسے کہ آپ آگے سے دیکھتے تھے، یہ ایک حقیقتِ

ثابتہ ہے۔ آپ نے خود اپنے بارے میں خبر دی ہے، اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن
ہماری رائے اور جس طرف ہم بلا رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اس حقیقت کو ہم صرف اسی طرح ثابت کریں
جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ اس کی کیفیت اور شکل کے بارے میں غور و خوض کے بغیر اس کے امکان
کا عقیدہ رکھنا چاہیئے۔ اس طریقہ پر کہ ہم اس کو ان خوارق عادت و معجزہ سے شمار کریں جن کے ہوتے
ہوئے اسباب ختم ہو جائیں واحد قہار کی قدرت اور نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت کے ظہور کے
لئے۔

جِبْرَئِیْلُ یَتَمَثَّلُ رَجُلًا۔

جب حضرت جبرئیلؑ آدمی کی صورت میں وحی الٰہی لے کر آتے تھے اپنی ہولناک ہیئت کے باوجود
اُن کی آدمی جیسی شکل بنانے کی کیفیت کے بارے میں علماءِ کرام کا اختلاف ہے۔ بعض علماءِ کرام نے
فرمایا۔ اللہ پاک ان کی ہیئت سے زائد کو ختم کر دیا کرتے تھے۔ اور بعض علماءِ کرام نے فرمایا کہ بعض جسم،
بعض جسم میں منضم ہو جاتا تھا حتیٰ کہ وہ چھوٹے ہو جاتے تھے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ تمام بحث عبث
ہے۔ اس میں بحث کر کے اپنے کو تھکانا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ پاک
اس پر قادر ہے اور واقع اور مشاہدہ میں آیا ہے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو اس
صورت پر دیکھا ہے جس طریقہ سے فرشتہ آدمی کی شکل بنا لیتا ہے۔ ہم کو اس سے کوئی سروکار نہیں
کہ وہ کس طرح کرتے تھے۔ ہم تو اپنے طالب علم بھائیوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس حقیقت کو
اسی طرح سمجھیں جیسا کہ وارد ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ کے درپے ہوئے بغیر تاکہ نفوس میں عظمت
باقی رہے۔ اور ان کے حقائق کی ہیبت و بزرگی بھی باقی رہے۔

توسّل کیا ھے؟

بہت سے لوگ توسل کی حقیقت کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم توسل کے صحیح مفہوم کو بیان کرنے سے قبل چند حقائق کو بیان کرتے ہیں۔

حقیقتِ اولیٰ:۔

توسّل دعا کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ اور توجہ الی اللہ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے مقصود اصلی حقیقی وہ صرف اور صرف اللہ جلّ شانہٗ کی ہی ذاتِ اقدس ہوتی ہے۔ اور جس کو وسیلہ بنایا جاتا ہے وہ تو ایک واسطہ ہی ہوتا ہے اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہوتا ہے اور جس کا عقیدہ اس کے علاوہ ہو وہ شرک ہے۔

حقیقتِ ثانیہ:۔

متوسل جس واسطہ کو بھی وسیلہ بناتا ہے وہ صرف اس وجہ سے بناتا ہے کہ اس بندہ کو اس سے محبت ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ بھی اس واسطہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اور اگر اس کے خلاف ظاہر ہو تو یہ وسیلہ بنانے والا تمام لوگوں سے زیادہ اس وسیلہ سے دور ہوگا اور سب سے زیادہ اس وسیلہ کو بُرا سمجھے گا۔

حقیقتِ ثالثہ:۔

وسیلہ اختیار کرنے والے اگر یہ اعتقاد کرکے وسیلہ کریں کہ جس کو وسیلہ بنایا ہے وہ بذاتِ خود وسیلہ بھی نفع ونقصان کرسکتا ہے اللہ کے مثل تو وہ متوسل مشرک ہوجائے گا۔

حقیقت چہارم

توسل کوئی امرِ لازم یا ضروری نہیں ہے۔ اور دعا کی قبولیت اس توسل پر موقوف بھی نہیں ہے۔ بلکہ اصل تو مطلقًا اللہ پاک سے ہی دعا کرنا ہے اور پکارنا ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک کا قول ہے:۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ (سورۃ البقرہ پ۲)	اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں قریب ہوں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (سورۃ الاسراء پ۱۵)	آپ کہہ دیں کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکاروگے سو اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں۔

جائز توسّل

اعمالِ صالحہ کے ذریعہ توسل الی اللہ سبحانہٗ کی مشروعیت میں مسلمانوں میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے جو آدمی بھی نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے یا قراءتِ قرآن کرتا ہے یا صدقہ کرتا ہے تو وہ اپنے صوم وصلوٰۃ وقرأت وصدقہ کو وسیلہ بناتا ہے اور اس میں قبولیت کی امید ہے۔ اُس صورت میں کسی بھی دو کا اختلاف نہیں ہے یعنی یہ توسل کی صورت بالکل متفق علیہ ہے۔ اور اس کی دلیل اصحابِ ثلاثہ فی الغار کی حدیث[1] ہے کہ ان میں سے ایک نے اپنے والدین کے ساتھ نیکی کے عمل کو وسیلہ بنایا۔ دوسرے نے زنا پر قادر ہونے کے باوجود اپنے دور رہنے کو وسیلہ بنایا۔ اور تیسرے نے ادا امانت اور دوسرے کے مال کی حفاظت وغیرہ کو وسیلہ بنایا اور اللہ پاک نے ان تینوں کو اس مشکل سے نجات دی جس میں وہ مبتلا ہوگئے تھے۔

شیخ علامہ ابنِ تیمیہ حنبلی رحمہ اللہ نے اس توسل کی قسم کو اپنی کتابوں میں بڑی تفصیل سے بیان

(۱) کما ذکر ھذا الحدیث فی کتب الاحادیث المشھورۃ۔ (بخاری ومسلم)

کیا ہے اور دلائل کو بھی خوب واضح کیا ہے اور توسل کے مسائل کو بھی ثابت کیا خصوصاً اپنے رسالہ " قاعدة جليلة في التوسّل والوسيلة " میں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

توسّل اختلافی

توسّل کے جس مسئلہ میں اختلاف ہے وہ توسل بغیر عمل ہے جیسا کہ ذات اور شخصیّات کو وسیلہ بنایا جائے۔ اس طریقہ پر کہ یہ کہا جائے " اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ اَتَوَسَّلُ بِاَبِیْ بَکْرٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِعُثْمَانَ اَوْ بِعَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ " یہ صورت بعض علماء کے نزدیک ممنوع ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ یہ اختلاف صرف صُوری ہے۔ کیونکہ توسل بالذات حقیقت میں جس ذات کو وسیلہ بنایا ہے وہ اس کے عمل کی وجہ سے ہے۔ اور توسل بالاعمال بالاتفاق جائز ہے۔ اور جو لوگ توسل کو ممنوع کہتے ہیں اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں اگر وہ اس مسئلہ کو نظر بصیرت سے دیکھتے تو معاملہ واضح ہو جاتا اور اشکال حل ہو جاتا اور فتنہ بھی ختم ہو جاتا جس میں وہ مبتلا ہو کر کچھ لوگ مسلمانوں کو کفر و شرک کے ساتھ متصف کرتے ہیں۔ اور میں ان شاء اللہ بیان کروں گا کہ غیر عمل کو وسیلہ بنانے والا حقیقۃً اس عمل کو وسیلہ بنانے والا ہے جو عمل متوسل بہ کی طرف منسوب ہے، اور وہ عمل متوسّل بہ کے کسب سے ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ انسان کسی بھی شخص کو صرف اس کی محبت کی وجہ سے وسیلہ بناتا ہے۔ کیونکہ یہ وسیلہ بنانے والا متوسل بہ کے بارے میں حسنِ ظن کی وجہ سے اس کی بزرگی و فضیلت وغیرہ کا اعتقاد رکھتا ہے۔ یا پھر یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ شخص اللہ سے محبت رکھتا ہے، اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا ہے، یا پھر یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ پاک اس متوسل بہ شخص سے محبت کرتے ہیں " کما قال اللّٰہ تعالٰی یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ " (اللہ پاک ان کو محبوب رکھتے ہیں اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں) یا پھر یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ تمام امور متوسل بہ شخص میں موجود ہیں۔ جب آپ اس معاملہ میں غور کریں گے تو اس محبت کو ضرور بالضرور پائیں گے۔ اور یہ اعتقاد متوسل کا عمل ہے۔ کیونکہ عقیدت و اعتقاد اس عمل کو کہتے ہیں جس پر متوسل کا قلب مضبوطی سے جما ہوا ہوتا ہے۔ گویا کہ وہ متوسل بہ کہتا ہے " یَارَبِّ اِنِّیْ اُحِبُّ

فُلَانًا وَّاَعْتَقِدُ اَنَّہٗ یُحِبُّکَ وَھُوَ مُخْلِصٌ لَّکَ وَیُجَاھِدُ فِیْ سَبِیْلِکَ وَاَعْتَقِدُ اَنَّکَ تُحِبُّہٗ، وَاَنْتَ رَاضٍ عَنْہُ فَاَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِمَحَبَّتِیْ لَہٗ وَبِاعْتِقَادِیْ فِیْہِ اَنْ تَفْعَلَ کَذَا اَوْ کَذَا۔

اے میرے رب! بے شک میں محبت رکھتا ہوں فلاں آدمی سے اور مجھے یقین ہے کہ وہ تجھ سے محبت رکھتا ہے اور وہ تیرا مخلص بندہ ہے اور وہ تیرے راستہ میں جہاد کرتا ہے، اور میرا اعتقاد ہے تو اس سے پیار کرتا ہے اور تو اس سے راضی ہے، میں اس سے اپنی محبت کی وجہ سے تیری بارگاہ میں اسے وسیلہ پیش کرتا ہوں اور میرا اعتماد ہے کہ تو میری دُعا قبول کرے گا۔

لیکن بہت سے متوسلین اس امر کی صراحت میں تسامح کرتے ہیں اور صرف اس ذات کے علم پر اکتفا کرتے ہیں جس ذات پر آسمانوں اور زمینوں کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ ذات آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے پوشیدہ رازوں کو جانتی ہے۔ جو شخص " اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ " کہے اور جو شخص " اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِمَحَبَّتِیْ لِنَبِیِّکَ " کہے دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ پہلی صورت میں اس متوسل نے جو یہ وسیلہ پکڑا ہے تو اپنے نبی پر ایمان اور نبی سے محبت ہی کی وجہ سے وسیلہ اختیار کیا ہے۔

اگر متوسل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ ہوتی اور آپ پر ایمان نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ نہ بناتا۔ اسی طرح اولیائے امت کے بارے میں کہا جا سکتا ہے۔

اس بحث سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اختلاف حقیقۃً صرف ایک صُوری اختلاف ہے۔ اور اس سے یہ بات کہاں لازم آتی ہے کہ متوسلین پر کفر کا حکم لگایا جائے۔ اور ان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا جائے " سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ "

قائلینِ توسّل کے دلائل

اللہ پاک کا ارشاد ہے:۔

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْآ اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ (سورہ مائدہ پ۶)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

وسیلہ ہراس شئے کو کہتے ہیں جس کو اللہ پاک نے اپنے قرب کا سبب بنایا ہے۔ اور مدار اس پر ہے کہ متوسل الیہ کے نزدیک وسیلہ کا مرتبہ وقدر وعظمت ہو۔ آیتِ شریفہ میں لفظِ وسیلہ عام ہے اور توسل بالذوات الفاضلہ انبیاء وصالحین حیاۃً وبعد الممات اور توسل بالاعمالِ الصالحہ مامور بہ طریقہ پر جملہ صورتوں کو شامل ہے۔ بیشمار احادیث شریفہ اور آثار اس عموم کو بخوبی واضح کر دیتے ہیں۔ اور اس عموم کی تائید کرتے ہیں۔

"فَاَلْقِ السَّمْعَ وَ اَنْتَ شَهِيْدٌ" ان روایات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل اور بعد تشریف آوری کے اور آپ کے وصال کے بعد مدۃ البرزخ میں اور میدانِ قیامت میں پیش ہونے کے وقت میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق سے قبل آپکا توسّل

حضرت آدم علیہ السلام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا

حدیثِ پاک میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وسیلہ بنایا۔

رواہ الحاکم فی المستدرک: حدّثنا ابو سعید عمرو بن محمد بن منصور العدل حدّثنا ابو الحسن محمد بن اسحاق بن ابراهيم الحنظلی حدّثنا ابو الحارث عبد الله بن مسلم الفهری حدثنا اسماعیل بن مسلمة أنبأنا عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم عن ابیه عن جده عن عمر رَضی الله عنه - قال:-

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَمَّا اقْتَرَفَ اٰدَمُ الْخَطِيْئَةَ قَالَ: يَا رَبِّ! اَسْاَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِيْ، فَقَالَ اللهُ: يَا اٰدَمُ! وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ اَخْلُقْهُ؟ قَالَ: يَا رَبِّ! لِاَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُّوْحِكَ رَفَعْتُ رَاْسِيْ فَرَاَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ، فَعَلِمْتُ اَنَّكَ لَمْ تُضِفْ اِلٰى اسْمِكَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَيْكَ، فَقَالَ اللهُ، صَدَقْتَ يَا اٰدَمُ، اِنَّهٗ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَيَّ، اُدْعُنِيْ بِحَقِّهٖ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ، وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَّا خَلَقْتُكَ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے غلطی سرزد ہوگئی تو آدم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! آپ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اپنی معافی کا سوال کرتا ہوں تو اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ تم نے اے آدم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا، حالانکہ میں نے ان کو پیدا ابھی نہ کیا؟ حضرت آدمؑ نے عرض کیا۔ اے میرے رب! آپ نے اپنے ہاتھ سے یعنی اپنی قدرتِ خاصہ سے جب مجھے پیدا کیا اور مجھ میں روح ڈالی، میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ عرش کے پایوں پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ لکھا ہوا تھا تو میں نے جان لیا کہ اے میرے

اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک میں صحیح کہا ہے، امام سیوطی نے بھی اسے خصائص میں صحیح فرمایا، امام قسطلانی نے مواہب میں اسکی تصحیح فرمائی، امام زرقانی نے مواہب کی شرح میں امام سبکی نے شفاء السقام میں اور امام بلقینی نے اپنے فتاویٰ میں اس کو صحیح فرمایا ہے۔ امام ابن جوزی نے الوفا میں اور امام ابن کثیر نے البدایہ میں اس کو نقل کیا ہے۔ (خلاصہ)

پروردگار! آپنے اپنے اسم مبارک کے ساتھ تمام مخلوقات میں سے سب سے محبوب ہی کے نام کو جوڑا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ اے آدم تم نے سچ کہا وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمام مخلوق میں سب سے زیادہ مجھے محبوب ہیں۔ تم نے ان کے وسیلہ سے مجھ سے دعا کی ہے، میں نے معاف کر دیا۔ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔

بعض علماءِ کرام نے اس میں اختلاف کیا اور اس پر کلام کیا ہے اور موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔ جیسے ذہبی وغیرہ اور بعض نے ضعف کا حکم لگایا ہے اور بعض نے منکر ہونے کا حکم لگایا ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ ایک حکم پر علماءِ کرام کا کلام متفق نہیں ہے۔

تو معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں علماء نفی و اثبات، رد و قبول و توقف کے مابین ہیں۔ اور یہ اختلاف، سند کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ یہ بحث تو سند و ثبوتِ حدیث کے اعتبار سے ہے باقی رہ جاتی ہے معنی کے اعتبار سے بحث تو اس کو ہم شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ پر ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ کی رائے

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے اس موضوع پر دو حدیثیں روایت کی ہیں اور ان دونوں کو استشہاد میں ذکر کیا ہے۔ روی ابوالفرج بن الجوزی بسندہ الی میسرۃ قال: قلت: یارسول اللہ متی کنت نبیا قال

لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْاَرْضَ وَاسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ، وَخَلَقَ الْعَرْشَ كَتَبَ عَلٰى سَاقِ الْعَرْشِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ الْاَنْبِيَآءِ وَخَلَقَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ الَّتِىْ اَسْكَنَهَا اٰدَمَ

حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کب نبی بنائے گئے تھے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ پاک نے زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں کو بھی پیدا کیا۔ پھر سات آسمان بنائے اور عرش کو

وَحَوَّآءَ فَكَتَبَ اِسْمِىْ عَلَى الْاَبْوَابِ وَالْاَوْرَاقِ وَالْقِبَابِ وَالْخِيَامِ وَاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ، فَلَمَّا اَحْيَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نَظَرَ اِلَى الْعَرْشِ فَرَاٰى اِسْمِىْ فَاَخْبَرَهُ اللّٰهُ اَنَّهٗ سَيِّدُ وُلْدِكَ فَلَمَّا غَرَّهُمَا الشَّيْطَانُ تَابَا وَاسْتَشْفَعَا بِاِسْمِىْ اِلَيْهِ۔

پیدا کیا۔ عرش کے پایوں پر "محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا۔ اللہ پاک نے جنت کو پیدا کیا۔ آدم و حوا کو اس میں سکونت بخشی۔ پھر میرا نام دروازوں و پتوں و قبوں و خیموں پر لکھا۔ اس وقت آدم علیہ السلام بین الروح والجسد تھے۔ جب اللہ پاک نے اُن کو زندہ کیا تو انہوں نے عرش کی طرف دیکھا تو میرا نام نظر آیا۔ اللہ پاک نے ان کو خبر دی کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیری اولاد کے سردار ہیں۔ پس جب شیطان نے ان دونوں کو دھوکا میں ڈالا تو تائب ہوئے اور اللہ کی بارگاہ میں میرے نام کے وسیلہ سے استشفاع کیا۔

امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے۔

من طریق الشیخ أبی الفرج حدّثنا سلیمان بن احمد حدثنا احمد بن رشید حدثنا أحمد بن سعید الفهری حدّثنا عبداللّٰه بن اسماعیل المدنی عن عبدالرحمن بن زید بن أسلم عن أبیه عن عمر بن الخطاب قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم:

لَمَّا اَصَابَ اٰدَمُ الْخَطِيْٓئَةَ رَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ: يَا رَبِّ! بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّا غَفَرْتَ لِىْ، فَاَوْحٰى اِلَيْهِ، وَمَا مُحَمَّدٌ وَّمَنْ مُّحَمَّدٌ؟ فَقَالَ: يَا رَبِّ! اِنَّكَ لَمَّا اَتْمَمْتَ خَلْقِىْ رَفَعْتُ رَاْسِىْ اِلٰى عَرْشِكَ فَاِذَا

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لغزش کا صدور ہو گیا تو انہوں نے سر اٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں التجا کی کہ اے میرے رب آپ کو حق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ مجھے معاف فرما دیں۔ اللہ نے ان پر وحی بھیجی کہ یہ محمد کون ہیں؟ تو حضرت آدم نے عرض کیا کہ اے میرے رب جب آپ نے

عَلَیْهِ مَکْتُوْبٌ : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ اَکْرَمُ خَلْقِكَ عَلَیْكَ اِذْ قَرَنْتَ اسْمَهٗ مَعَ اسْمِكَ، فَقَالَ : نَعَمْ، قَدْ غَفَرْتُ لَكَ، وَهُوَ اٰخِرُ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ ذُرِّیَّتِكَ، وَلَوْلَاهُ مَاخَلَقْتُكَ۔	میری خِلقت مکمل فرمادی تو میں نے سر اٹھاکر عرش کو دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس پر لاالٰہ الاّاللہ محمد رسول للہ لکھا ہوا ہے۔ مجھے یقین ہوگیا کہ ضرور یہ آپکا کوئی برگزیدہ بندہ ہے جبھی آپنے اپنے نام کے ساتھ ان کا نام ملایا ہے تو اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا کہ ہاں جاؤ تم کو بخش بھی دیا یہ تمہاری اولاد میں سب سے آخری نبی ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو تم کو بھی نہ پیدا کرتا۔

یہ حدیث پہلی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں اس معنیٰ کی دیگر احادیث صحیحہ کی گویا کہ تفسیر ہیں۔ (من الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۰)

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ ابنِ تیمیہؒ کا یہ بات کہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک معتبر ہے۔ کیونکہ موضوع اور باطل حدیث سے محدّثین کے نزدیک استدلال نہیں کیا جاتا اور تم دیکھ ہی رہے ہو کہ شیخ ابن تیمیہؒ اس حدیث کو بطور تفسیر کے ذکر کر رہے ہیں۔

اس خصوصیت کی ابن تیمیہؒ کی طرف سے تصحیح

شیخ ابن تیمیہؒ نے ایک بہت ہی نفیس، عمدہ اور جیّد کلام اس مسئلہ کے بارے میں فرمایا ہے۔ جو عقل و بصیرت اور کلامِ عظیم پر دلالت کرتا ہے۔ شیخ نے اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معنی کی حدیث کی نفی کی ہے اور اس وقت میں ان کا علم اتنا ہی تھا۔ پھر جب علم بڑھا تو شیخ نے رجوع کیا اور معنی کو مؤکد کرتے ہوئے بہت ہی معقول معنی کی تفسیر کی ہے اور اس میں صحتِ توسل کو ثابت کیا ہے اور اس تفسیر کے ذریعہ شیخ نے واضح طور پر ان لوگوں پر رَد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شرک و کفر ہے۔ اور ان لوگوں پر بھی رَد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ معنی فاسد و باطل ہیں۔ اور ان لوگوں پر بھی رَد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس معنی میں توحید و پاکی کے مقام میں عیب آتا ہے اور یہ تو صرف اور صرف خواہش و اندھا پن اور سوءِ فہم و ضیقِ عقل ہی ہے۔ اللہ پاک ہی ہماری بصیرت کو منور کرے اور حق و صواب کا

راستہ دکھائے وہی سیدھے راستہ کی ہدایت دینے والا ہے۔

شیخ الاسلام[1] ابنِ تیمیہؒ نے فرمایا کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اولادِ آدم کے سردار ہیں اور افضل الخلائق و اعظم الخلائق ہیں۔ اسی قول سے کسی نے کہا ہے کہ اللہ پاک نے ان کی ہی وجہ سے عالم کو پیدا کیا۔ یا پھر یہ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اللہ پاک عرش و کرسی و آسمان و زمین و شمس و قمر کو پیدا نہ فرماتے لیکن یہ کوئی صحیح یا ضعیف حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے۔ اور اہلِ علم میں سے کسی نے بھی اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کے طور پر نقل نہیں کیا۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کسی سے یہ معروف نہیں ہے۔ اور یہ ایک ایسا قول ہے جس کا قائل معلوم نہیں۔ اور صحیح طریقہ پر اس کی تفسیر اس طرح کی جاسکتی ہے جیسا کہ اللہ پاک کا قول ہے :-

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (سورۃ لقمان : ۲۰)	اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (سورۂ ابراہیم پ۱۳)	تمہارے لئے کشتیاں مسخر کردیں تاکہ اس کے حکم سے دریا میں چلیں اور کام میں لگایا تمہارے ندیوں کو اور کام میں لگایا تمہارے سورج اور چاند کو ایک دستور پر برابر کیا اور کام میں لگایا تمہارے لئے رات و دن کو اور تم کو دیا ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی۔ اور اگر شمار کرو اللہ کی نعمتوں کو تو پوری شمار نہیں کرسکتے۔

اس جیسی اور بہت سی آیات ہیں جن میں اس کا بیان ہے کہ اللہ پاک نے بنی آدم کے لئے تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس میں اللہ پاک کی بڑی بڑی عظیم حکمتیں ہیں اس تسخیر کے علاوہ لیکن بنی آدم کے لئے اس کو بیان فرمایا کہ ان کے لئے اس میں کیا منافع ہیں۔

اگر یوں کہا جائے کہ یہ کام اس حکمت کی وجہ سے ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس میں مزید دیگر

---

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ ص ۹۶ ج ۱۱

حکمتیں نہیں ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو فلاں کو پیدا نہ کیا جاتا، اس کا تقاضا یہ نہیں کہ اس میں اور دوسری بڑی حکمتیں نہیں ہیں بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی آدم کے اخیار میں سب سے بہتر و اچھے ہیں، ان کی خلقت مقصود اور بہت بڑی حکمت ہے تو گویا کہ تمام مخلوقات اور تمام کمالات کا حصول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوا۔

علامہ ابنِ تیمیہؒ کی رائے کا اہم تجزیہ

(جو ان کے متبعین کی عقلوں پر پوشیدہ ہے)

اللہ پاک تم کو توفیق دے تو علامہ ابنِ تیمیہؒ کے کلام اور ان کی دور اندیشی اور اس مشہور شخصیت کی تفسیر میں وسعتِ فہمی پر غور کرو۔ اس میں انہوں نے بروایتِ حاکم حدیثِ توسل آدم کو پیش فرمایا ہے مذکور سابق ائمہ حدیث میں سے بہت سوں نے اس کی تصحیح و تحسین کی اور قبول کیا۔ اور شیخ ابن تیمیہؒ بھی کہتے ہیں کہ "اس کلام کی ایک صحیح توجیہ ہے۔"

توشیخ کی یہ بات ان لوگوں کے مطابق کہاں ہے جنہوں نے دنیا کو سر پر اٹھا رکھا ہے۔ اور اس بات کے قائلین کو دائرۂ اسلام سے نکال دیا ہے۔ اور ان کو شرک و گمراہی، بدعت و خرافی سے موصوف کیا ہے۔ اس کے باوجود جھوٹا دعویٰ کرتے اور بہتان باندھتے ہیں کہ وہ سلفی تیمی ہیں۔ حالانکہ وہ سلفیت اور ابن تیمیہؒ سے کوسوں دور ہیں۔ اور ان کا یہ طرز عمل صرف اس مسئلہ ہی میں نہیں بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ تمام مسائل میں ابن تیمیہؒ کے ساتھ ہیں سوائے ان مسائل کے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہو یا ان کی بزرگی و عظمت، جلالت مرتبت کا بیان ہو تو ایسے مسائل میں توقف کرتے ہیں اور سوچ و فکر کے ساتھ غور کرتے ہیں اور اس جگہ ان کو مقام توحید کی حفاظت اور دفاع کی فکر دامنگیر ہو جاتی ہے۔ "سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ"

حدیث "توسّلِ آدم" کی تیسری دلیل

حدیث توسّل آدم کی تیسری دلیل ابنِ منذر کی روایت ہے جس کو انہوں نے اپنی تفسیر میں بسندِ متصل محمد[1] بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہو گئی تو ان کی بے چینی بہت بڑھ گئی اور بہت شرمسار ہوئے تو ان کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اے آدم کیا میں آپ کو توبہ کا ایسا راستہ نہ دکھاؤں جس سے اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کر دے؟ حضرت آدمؑ نے فرمایا۔ جبریل ضرور بتاؤ۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ آپ اپنے رب سے راز و نیاز میں مشغول ہو جائیں اور خوب اس کی حمد و ثنا کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی حمد سے زیادہ کوئی چیز پسندیدہ نہیں۔ انہوں نے کہا جبرئیل میں پھر کیا کہوں۔ جبرئیل نے عرض کیا آپ کہیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ كُلُّهٗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ پھر اپنی خطا اس طرح کہہ کر معاف کرائیں:۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَعَمِلْتُ السُّوْٓءَ فَاغْفِرْ لِيْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَكَرَامَتِهٖ عَلَيْكَ اَنْ تَغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـئَتِيْ۔

کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السّلام نے جب اس طرح دعا مانگی تو اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا۔ اے آدم! تمہیں یہ کس نے سکھا دیا۔ انہوں نے کہا اے پروردگار! آپ نے جب میرے اندر روح پھونکی اور میں دیکھتا، سنتا، سمجھتا انسان بن گیا تو میں نے آپ کے عرش کے پائے پر یہ لکھا دیکھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ تو جب میں نے محمد کے علاوہ کسی بھی مقرب فرشتہ اور رسول و نبی کا نام آپ کے نام کے ساتھ نہیں دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ ہستی آپ کے نزدیک آپ کی مخلوق میں سب سے زیادہ مکرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تم نے سچ کہا اور میں نے تمہیں معاف کیا اور بخش دیا۔ (درمنثور سیوطی ج ۱ ص ۱۴۶)

---

(۱) محمد بن علی بن حسین ابو جعفر باقر ہی ہیں جو تابعین کے سرداروں میں سے ہیں اور ثقہ ہیں۔ اصحاب ستہ نے ان سے تخریج کی ہے اور حضرت جابر، ابو سعید اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے ان کی روایات ہیں۔

حدیث توسل آدم کی چوتھی دلیل

چوتھی دلیل "کتاب الشریعۃ" میں ابوبکر آجری کی روایت ہے جو انہوں نے بسند متصل عبدالرحمٰن بن ابی الزناد سے روایت کی ہے کہ "جن کلمات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی، اُن میں سے یہ بھی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ عَلَیْکَ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا تمہیں کیا پتہ محمد کون ہیں۔ عرض کیا۔ اے پروردگار! میں نے جو سر اٹھا کر آپ کے عرش کو دیکھا تو اس پر یہ لکھا دیکھا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ تو میں سمجھ گیا کہ محمدؐ آپ کی مخلوق میں سب سے زیادہ مکرم ہیں"۔

ظاہر ہے کہ اس اثر کو عبدالرحمٰن بن زید کی حدیث سے ملانا باعثِ تقویت ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم سب سے قبل جنت میں داخل ہونگے

اللہ پاک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فضائل عنایت فرمائے ہیں، منجملہ ان فضائل کے ایک فضیلت یہ ہے کہ حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ جنت انبیاء پر حرام کر دی گئی ہے جب تک کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل نہ ہو جائیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

حُرِّمَتِ الْجَنَّۃُ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ حَتّٰی اَدْخُلَھَا وَحُرِّمَتْ عَلَی الْاُمَمِ حَتّٰی تَدْخُلَھَا اُمَّتِیْ۔

جنت انبیاء پر حرام کر دی گئی جب تک کہ میں داخل نہ ہوں اور دیگر امتوں پر حرام کر دی گئی جب تک کہ میری امت داخل نہ ہو۔

رواہ الطبرانی فی الاوسط وقال الھیثمی اسنادہ حسن (مجمع الزوائد ج ۱۰۔ ص ۶۹)

عالم کون نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک کے ساتھ مربوط ہے

اس فضلِ الٰہی کی ایک مثال یہ ہے کہ آثار میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی ملأ اعلیٰ میں پھیلا ہوا تھا۔

قَالَ کَعْبُ الْاَحْبَارُ، اِنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ عَلٰی اٰدَمَ عِصِیًّا بِعَدَدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلٰی ابْنِہٖ شِیْثَ فَقَالَ: اِبْنِیْ اَنْتَ خَلِیْفَتِیْ مِنْ بَعْدِیْ فَخُذْھَا بِعِمَارَۃِ التَّقْوٰی وَ الْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی، وَکُلَّمَا ذَکَرْتَ اللّٰہَ فَاذْکُرْ اِلٰی جَنْبِہٖ اسْمَ مُحَمَّدٍ فَاِنِّیْ رَاَیْتُ اسْمَہٗ مَکْتُوْبًا عَلٰی سَاقِ الْعَرْشِ وَاَنَا بَیْنَ الرُّوْحِ

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر انبیاء و مرسلین کی تعداد کے مطابق لاٹھیاں اتاریں۔ پھر حضرت آدمؑ اپنے بیٹے شیث پر متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے میرے بیٹے میرے بعد تم میرے خلیفہ ہو۔ تم اس کو تقویٰ وعروۃ الوثقٰی کی عمارت کے ساتھ پکڑلو اور جب بھی اللہ کا ذکر کرو، اس کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا بھی ذکر کر دیں تے

وَالطِّيْنِ، ثُمَّ اِنِّیْ طُفْتُ السَّمٰوٰتِ فَلَمْ اَرَ فِی السَّمٰوٰتِ مَوْضِعًا اِلَّا رَاَیْتُ اِسْمَ مُحَمَّدٍ مَکْتُوْبًا عَلَیْہِ وَاِنَّ رَبِّیْ اَسْکَنَنِی الْجَنَّۃَ فَلَمْ اَرَ فِی الْجَنَّۃِ قَصْرًا وَّلَا غُرْفَۃً اِلَّا اِسْمُ مُحَمَّدٍ مَکْتُوْبًا عَلَیْہِ، وَ لَقَدْ رَاَیْتُ اِسْمَ مُحَمَّدٍ مَکْتُوْبًا عَلٰی نُحُوْرِ الْحُوْرِ الْعِیْنِ وَعَلٰی وَرَقِ قَصَبِ اٰجَامِ الْجَنَّۃِ وَعَلٰی وَرَقِ شَجَرَۃِ طُوْبٰی، وَعَلٰی وَرَقِ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی، وَعَلٰی اَطْرَافِ الْحُجُبِ وَبَیْنَ اَعْیُنِ الْمَلَآئِکَۃِ، فَاَکْثِرُوْا ذِکْرَہٗ، فَاِنَّ الْمَلَآئِکَۃَ تَذْکُرُہٗ فِیْ کُلِّ سَاعَاتِھَا اھ

(المواہب اللدنیۃ ج ۱ ۔ ص ۱۸۶)

عرش کے پایوں پر ان کا نام لکھا ہوا دیکھا ہے اس حال میں کہ میں روح اور مٹی کے درمیان تھا۔ میں نے آسمانوں کا طواف کیا میں نے آسمانوں میں ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا ہوا دیکھا۔ اور میرے رب نے مجھے جنت میں رکھا اور ٹھہرایا پس جنت میں بھی ہر محل و غرفہ پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لکھا ہوا دیکھا۔ حور عین کے سینوں پر اور جنت کے گنجان درختوں کے پتوں پر اور شجر طوبیٰ کے پتوں پر اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر اور پردوں کے اطراف پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک لکھا ہوا دیکھا تھا۔ پس تم ان کا بکثرت ذکر کیا کرو۔ کیونکہ فرشتے ہر وقت و ہر گھڑی ان کا ذکر کرتے ہیں۔

علامہ زرقانی نے اپنی شرح میں کہا ہے کہ اس کو ابن عساکر نے نقل کیا ہے۔

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ اس جیسی حدیث شیخ ابن تیمیہ ؒ نے ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ روایت کی گئی کہ اللہ پاک نے عرش پر اور جنت کے دروازوں پر اور قبوں و پتوں پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا ہے۔ اس بارے میں بہت سی روایات واحادیث و آثار روایت کئے گئے ہیں۔ جو ان احادیث کے موافق ہیں جن سے آپ کے اسم مبارک کی عظمت و ذکر مبارک کی بلندی ظاہر ہوتی ہے

اور حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ سے ابن جوزی نے روایت کیا ہے:۔

عَنْ مَّیْسَرَۃَ قَالَ، قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مَتٰی کُنْتَ نَبِیًّا؟ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ

حضرت میسرہ نے کہا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کب سے نبی ہیں تو آپ نے فرمایا۔ جب اللہ

اللّٰہُ الْاَرْضَ وَاسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّخَلَقَ الْعَرْشَ کَتَبَ عَلٰی سَاقِ الْعَرْشِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ الْاَنْبِیَآءِ وَخَلَقَ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ الَّتِیْ اَسْکَنَھَا اٰدَمَ وَحَوَّآءَ فَکَتَبَ اِسْمِیْ عَلَی الْاَبْوَابِ وَالْاَوْرَاقِ وَالْقِبَابِ وَالْخِیَامِ وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ، فَلَمَّا اَحْیَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی، نَظَرَ اِلَی الْعَرْشِ فَرَاٰی اِسْمِیْ، فَاَخْبَرَہُ اللّٰہُ اَنَّہٗ سَیِّدُ وُلْدِکَ، فَلَمَّا غَرَّھُمَا الشَّیْطٰنُ تَابَا وَاسْتَشْفَعَا بِاِسْمِیْ اِلَیْہِ۔

اھ (الفتاوٰی ج ۲ ص ۱۵۰)

پاک نے زمینوں کو پیدا کیا اور آسمانوں کا ارادہ کرکے ان کو سات عدد بنایا اور عرش کو پیدا کرکے اس کی ساق پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء لکھا اور اس جنت کو پیدا کیا جس میں حضرت آدمؑ و حواؑ کو سکونت بخشی۔ پس جنت کے دروازوں و پتوں و قبوں و خیموں پر میرا نام لکھا۔ اس وقت آدمؑ جسد و روح کے مابین تھے۔ جب اللہ پاک نے آدمؑ کو حیات بخشی تو انہوں نے عرش کی طرف دیکھا تو میرا نام دیکھا۔ پھر اللہ پاک نے ان کو خبر دی کہ یہ تمہاری اولاد کے سردار ہوں گے۔ جب شیطان نے آپ کو دھوکہ دیا تو آپ نے توبہ کی اور میرے نام کے ذریعہ اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں شفاعت طلب کی۔

حدیث توسّل آدم کے کچھ ضروری فوائد

ف ۱۔ حدیث سے یہ مستفاد ہے کہ عالم میں آپ کے وجودِ جسدی سے پہلے ہی توسل کیا گیا ہے

ف ۲ توسل کی صحت کا مدار اس پر ہے کہ متوسل بہ کی اللہ جلّ شانہٗ کے نزدیک قدر و منزلت ہو۔

ف ۳ متوسل بہ کا توسل کے وقت زندہ ہونا شرط نہیں ہے۔

ف ۴ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ کہنا کہ کسی کو وسیلہ بنانا صرف دنیا میں اس کے زندہ ہونے کی صورت میں صحیح ہے، یہ تو اللہ کی ہدایت کے بغیر خواہش و اہوار کا اتباع کرنے والے کا قول ہے۔

خلاصۂ بحث

حاصل بحث یہ ہے کہ اس حدیث کو کبار علماء اور ائمۂ حدیث وحفاظِ حدیث معروف مقام اور بلند مرتبہ والوں نے صحیح قرار دیا ہے اور نقل کیا ہے اور یہی لوگ سنتِ نبویہ کے امین ہیں۔ اُن میں سے حاکم وسیوطی وبلقینی وسبکی رحمہم اللہ ہیں۔ اس کو بیہقی نے اپنی اس کتاب دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔ جس کے بارے میں یہ شرط لگائی ہے کہ اس میں کوئی موضوع روایت ذکر نہ کریں گے۔ اور اس کتاب کے بارے میں ذہبی کا یہ فرمان ہے کہ تو اس کو لازم پکڑ کیونکہ یہ مکمل ہدایت ونور ہے۔ (کذا فی شرح المواہب وغیرہ)

اس کو ابنِ کثیر نے البدایہ میں ذکر کیا ہے۔ اور الفتاوی میں شیخ ابنِ تیمیہ رح نے استشہاد کیا ہے۔ اس حدیثِ پاک کے بارے میں علماءِ کرام کا اختلاف بعض کا رد کرنا اور بعض کا قبول کرنا یہ کوئی امرِ عجیب نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سی احادیث میں اس سے زیادہ اختلاف ہے اور اس سے زیادہ نقادوں نے تنقید کی ہے۔ اسی وجہ سے یہ بڑی بڑی کتب وتالیفاتِ عظیمہ وجود میں آئیں۔ اور ان تالیفات میں استدلالات وتعقبات ومراجعات ومؤاخذات موجود ہیں۔ اور احادیث میں سے کسی حدیث کے درجہ میں اختلاف کی وجہ سے کسی نے بھی شرک وکفر اور گمراہی اور دائرۂ اسلام سے خروج کے ساتھ متہم کرنے کو اختیار نہ کیا۔ اور یہ حدیثِ پاک بھی منجملہ دیگر احادیث کے ایک حدیث ہے۔

یہود کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توسّل

اللہ پاک کا ارشاد ہے:-

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔ الآیۃ (سورۃ البقرہ پ۱)	اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے۔ اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر۔ پھر جب پہنچا ان کو جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہوگئے سو لعنت ہے اللہ کی کافروں پر۔

ف۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے قول وَلَمَّا جَآءَهُمْ میں هُمْ سے مراد یہود ہیں اور "کتاب" سے مراد قرآن حکیم ہے اور مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ کتاب کی صفت ہے۔ لِمَا مَعَهُمْ یعنی تورات وانجیل کہ اس کی باتیں لوگوں کو بتایا کرتے تھے۔ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ کے معنی ہیں کہ وہ لوگ پہلے سے مدد مانگتے تھے۔ اِسْتِفْتَاح کے معنی اِسْتِنْصَار یعنی مدد طلب کرنے کے ہیں۔ اور حدیثِ پاک میں ہے:-

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيْكِ الْمُهَاجِرِيْنَ ۔	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدد مانگا کرتے تھے مفلوک الحال مہاجرین کے واسطے سے۔

اَیْ يَسْتَنْصِرُ بِدُعَآئِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ ۔ اور اسی سے ہے "فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ"۔ اور نصر کے معنی ہیں کسی بند چیز کو کھولنے کے۔ پس اس کا مأخذ عربوں کا قول "فَتَحْتُ الْبَابَ" ہے۔

نسائی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اِنَّمَا يَنْصُرُ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ بِضُعَفَآئِهِمْ بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ وَاِخْلَاصِهِمْ (نسائی شریف ج ۱)	اللہ پاک اس امت کی مدد فرماتے ہیں ان کے کمزوروں کی وجہ سے یعنی کمزوروں کی نماز ودعا واخلاص کی وجہ سے۔

اور دوسری جگہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَبْغُوْنِيْ فِي الضُّعَفَآءِ فَاِنَّكُمْ اِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَآئِكُمْ (نسائی شریف)	تم لوگ مجھے کمزوروں میں تلاش کیا کرو۔ تم لوگوں کو کمزوروں کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے اور مدد کی جاتی ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہود خیبر قبیلۂ غطفان سے قتال کیا کرتے تھے۔ جب ان سے لڑائی ہوئی تو یہود کو شکست ہوئی۔ پھر یہود نے اس دعا کے ذریعہ مدد چاہی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ بِحَقِّ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ	اے اللہ! ہم آپ سے اس نبی امی کے وسیلہ

الَّذِیْ وَعَدْتَنَا اَنْ تُخْرِجَهٗ لَنَا فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ اَنْ تَنْصُرَنَا عَلَیْهِمْ۔

سے جن کو آخر زمانہ میں بھیجنے کا ہم سے وعدہ کیا ہے، سوال کرتے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں ہماری مدد فرمائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پھر جب قبیلہ غطفان سے یہود کی لڑائی ہوئی تو انہوں نے یہ دعا مانگی تو قبیلہ غطفان کو شکست دیدی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہود نے آپ کا انکار کر دیا۔ تو اللہ پاک نے آیتِ مذکورہ نازل فرمائی۔ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم)، یہ یہودِ خیبر آپ کو وسیلہ بنا کر اللہ سے مدد مانگتے تھے پھر آپ کا انکار کر دیا۔ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (اللہ کی لعنت ہو کفار پر) تفسیر قرطبی ج۲۔ ص ۲۷-۲۸۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حیاتِ طیبہ میں اور بعد الوفات بھی وسیلہ بنایا جاسکتا ہے

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَهٗ رَجُلٌ ضَرِيْرٌ فَشَكَا اِلَيْهِ ذِهَابَ بَصَرِهٖ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ لِيْ قَائِدٌ وَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِئْتِ الْمِيْضَاةَ فَتَوَضَّأْ ثُمَّ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّكَ فَيُجَلِّيْ لِيْ عَنْ بَصَرِيْ، اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِيْ

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اس حال میں کہ آپ کے پاس ایک نابینا آدمی آیا اور اپنی بینائی کے ختم ہونے کی شکایت کی۔ پھر عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرا کوئی خادم نہیں ہے اور میں بہت مشکل میں پڑ گیا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوٹا لاؤ پھر وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو۔ پھر کہو اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ (اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی طرف آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ کے وسیلہ سے

فِيْ نَفْسِيْ، قَالَ عُثْمَانُ: فَوَاللّٰهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَلَا طَالَ بِنَا الْحَدِيْثُ حَتّٰى دَخَلَ الرَّجُلُ وَكَاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ بِهٖ ضُرٌّ۔

قال الحاكم: هٰذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه۔

وقال الذهبي عن الحديث: أنه صحيح ۱/۵۱۹، قال المنذري: ورواه أيضًا النسائي وابن ماجه وابن خزيمه في صحيحه۔

متوجہ ہوتا ہوں) اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ پس آپ کا رب میری بینائی کو روشن کردے۔ اے اللہ! آپ اپنے نبی کی شفاعت کو میرے بارے میں اور میری دعاء کو بھی میرے حق میں قبول فرمالیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ ابھی مجلس سے اٹھے بھی نہ تھے اور ہماری بات بھی لمبی نہ ہوئی تھی کہ وہ آدمی داخل ہوا۔ گویا کہ اس کو کوئی اندھا پن تھا ہی نہیں۔

توسل کا یہ طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم توسل کے اس صیغہ کو آپ کی وفات کے بعد بھی استعمال کرتے تھے۔ طبرانی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کے شروع میں ایک قصہ ذکر کیا ہے۔ وہ قصہ یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی کسی غرض وحاجت سے بار بار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور اس کی حاجت میں غور نہ فرماتے وہ آدمی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو ملے اور ان کو اس کا شکوی کیا۔ تو اس کو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوٹا لاؤ اور وضو کرو۔ پھر مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھ کر یہ کہو" اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّكَ فَيَقْضِيْ حَاجَتِيْ۔ اور اپنی حاجت کو ذکر کر۔ پھر وہ آدمی چلا گیا اور جو اس کو کہا تھا وہی کیا۔ پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا تو دربان آیا، اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے ساتھ چٹائی پر بٹھایا اور فرمایا کہ تمہاری کیا ضرورت ہے؟ پھر اس نے اپنی ضرورت کا ذکر کیا تو حضرت امیر المومنین نے اس کی حاجت کو پورا کر دیا۔ پھر فرمایا کہ تم نے اب تک اپنی حاجت کا کوئی ذکر نہ کیا۔ اور فرمایا کہ آئندہ جو بھی ضرورت ہو، ہمارے پاس آنا۔ پھر وہ

آدمی جب ان کے پاس سے نکلا تو حضرت عثمان بن حنیف رضؓ سے ملا اور ان سے عرض کیا۔ جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا۔ وہ تو میری حاجت کے بارے میں نہ غور کرتے اور نہ میری طرف التفات کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے میرے بارے میں ان سے گفتگو کی۔ تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے تو کوئی ان سے گفتگو نہیں کی۔

وَلٰكِنْ شَهِدْتُّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَتَاهُ رَجُلٌ ضَرِيْرٌ فَشَكَا اِلَيْهِ ذِهَابَ بَصَرِهٖ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، اَوَتَصْبِرُ؟ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! لَيْسَ لِيْ قَائِدٌ وَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ اِيْتِ الْمِيْضَاةَ فَتَوَضَّأْ ثُمَّ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ ادْعُ بِهٰذِهِ الدَّعَوَاتِ: فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: فَوَاللهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَلَا طَالَ بِنَا الْحَدِيْثُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَيْنَا الرَّجُلُ كَاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ بِهٖ ضُرٌّ قَطُّ۔ (ترغیب ۱/۴۴۰)

لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ آپ کے پاس یک اندھا آدمی آیا اور بینائی کے ختم ہونے کا شکوہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا تو صبر نہیں کریگا اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرا کوئی خادم نہیں ہے اور مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوٹا لیکر آؤ اور وضو کر کے یہ کلمات کہو۔ پھر دو رکعت پڑھ کر ان دعائیہ کلمات سے دعا کرو۔ پھر حضرت عثمان بن حنیف نے کہا کہ خدا کی قسم ہم لوگ نہ تو مجلس سے دور ہوئے اور نہ ہی گفتگو لمبی ہوئی حتیٰ کہ وہ ہمارے پاس آیا تو گویا کہ اس کے کوئی اندھا پن تھا ہی نہیں۔

حاصل قصہ یہ ہے کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ راوی حدیث اور قصہ دیکھنے والے نے اس شخص کو جس نے اپنی قضاءِ حاجت میں خلیفہ کے دیر کرنے کی ان کو شکایت کی، یہ دعا سکھائی جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے ذریعہ استغاثہ و ندا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کا ذکر کیا ہے۔ اور جب اس آدمی نے یہ گمان کیا کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی خلیفہ سے بات کرنے کی وجہ سے اس کی ضرورت پوری ہوئی ہے تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جلدی سے اس کے ظن کی نفی کر دی اور اس کو وہ حدیث سنائی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اور اس واقعہ کا

مشاہدہ کیا تھا تاکہ ثابت ہو جائے کہ اس کی حاجت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے اور آپ کو ندا اور آپ سے استغاثہ کی وجہ سے پوری ہوئی ہے اور اس کو قسم کے ساتھ مؤکد کر دیا کہ انہوں نے خلیفہ سے اس بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔

توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور موقع

اور اس کے بارے میں ابنِ تیمیہؒ کی تائید

ابن ابی الدنیا نے کتاب مجابی الدعار میں ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص عبدالملک بن سعید بن ابجر کے پاس آیا۔ عبدالملک نے اس کے پیٹ کو دبایا اور کہا کہ تمہیں ایک بیماری ہے جو کہ ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ اس نے کہا وہ کیا؟ عبدالملک نے کہا دبیلہ (بڑا پھوڑا) ہے جو پیٹ کے اندر نکلتا ہے جو اکثر اس شخص کو ہلاک کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ شخص واپس ہوا اور پھر اس نے کہا "اَللهُ اَللهُ ۔ اَللهُ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّكَ وَرَبِّيْ يَرْحَمُنِيْ مِمَّا بِيْ ۔ کہتے ہیں کہ عبدالملک نے پھر دوبارہ اس کے پیٹ کو دبایا اور کہا کہ تم ٹھیک ہو گئے ہو تمہیں کوئی بیماری نہیں۔

شیخ ابنِ تیمیہؒ کہتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ اور اس جیسی دعائیں سلف سے منقول ہیں۔ (رواہ الشیخ ابن تیمیہؒ فی قاعدۃ جلیلۃ ۔ ص ۹۴)

اور یہ بات واضح ہے کہ ابنِ تیمیہؒ نے یہ قصہ اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس کے بارے میں اپنی رائے ذکر کریں۔ لیکن ہمارے لئے یہ بات بہت اہم ہے کہ انہوں نے اس کے مطابق سلف کا عمل اور پھر اس سے شفایاب ہونے کو دلیل بنایا ہے۔ باقی ابن تیمیہؒ کی اس روایت پر تعلیق ان کی اپنی رائے ہے۔ ہم تو اپنی مراد کے لئے نص کے ثبوت سے استدلال کر سکتے ہیں۔ اور وہ اپنی مراد کے لئے جس طرح چاہیں استدلال کریں۔

بے فائدہ کوششیں

بعض لوگوں نے توسل سیدنا آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں بہت شور و غوغا کیا اور اپنی ساری کوشش اس کی تردید میں صرف کردی اور جتنی اٹھک بیٹھک کر سکتے تھے اور جتنا منہ سے جھاگ نکال سکتے تھے اس میں کوئی کمی نہیں کی۔ لیکن یہ لوگ کچھ بھی کرلیں سب بے فائدہ ہے۔ کیونکہ علمائے کبار نے اس حدیث کے بارے میں اپنا فیصلہ پہلے ہی سنا دیا ہے جو ان لوگوں کی بہ نسبت زیادہ عقلمند، وسیع علم، گہرا فہم اور نور و تقویٰ و اخلاص میں بہت آگے تھے۔ جیسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، ابن تیمیہؒ اور عزبن عبد السلامؒ کی نقل کے موافق توسل کے قائل ہیں۔ اور خود علامہ ابن تیمیہؒ بھی خصوصًا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کے قائل ہیں۔

اور سب سے آخر میں شیخ محمد بن عبدالوہاب ان لوگوں پر رد کرتے ہیں جنہوں نے ان کی طرف متوسلین کی تکفیر کو منسوب کیا ہے۔ بلکہ اپنے بعض فتاویٰ میں تو اس کی تصریح کی ہے کہ توسل مسائل فرعیہ میں ہے نہ کہ مسائلِ اصولیہ میں۔ یہ تمام مباحث ان شاء اللہ بالتفصیل اسی کتاب میں آئیں گی اور شیخ علامہ محدث عبداللہ غماری نے تو خاص اس کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں بہت ہی عمدہ کافی و شافی کلام کیا ہے جس کے بعد مزید کسی کلام کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ فجزاہ اللہ تعالےٰ خیرالجزاءِ۔

میدانِ قیامت میں آپ کا وسیلہ

میدان قیامت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کے مسئلہ پر طوالت کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ احادیثِ شفاعت حدِ[1] تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔ اور ہر ہر بات کے بارے میں نصوص صریحہ نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ جب اہلِ موقف پر وقوف لمبا ہو جائے گا اور پریشانی سخت ہو جائے گی تو تمام لوگ اپنی پریشانیوں کو دور کرانے کے لئے انبیاءِ کرام سے استغاثہ کریں گے۔

(۱) یعنی ان روایات کو نقل کرنیوالے اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ ان کے جھوٹ پر متفق ہونے کو عقل محال سمجھتی ہے۔ انیس احمد

وہ سب لوگوں کو سید الاولین والآخرین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ بتائیں گے۔ حتیٰ کہ سب لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کریں گے۔ آپ ان کی مدد کرنے میں جلدی کریں گے اور آپ ان کی حاجت و طلب کو پورا فرمائیں گے اور فرمائیں گے کہ میں ہی اس کا اہل ہوں، میں ہی اس کام کے لئے ہوں۔ پھر اللہ جل شانہٗ کے سامنے سجدہ میں گر جائیں گے اور اسی حالت پر رہیں گے حتیٰ کہ ندا آئے گی "یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ" "اے محمد! سر اٹھائیے، شفاعت کریں، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ یہ تمام انبیاء و مرسلین اور تمام مومنین کا اجماع ہے اور رب العالمین کی طرف سے اس اجماع کی تائید ہے۔ شدائد و مصائب کے وقت اکابرین و مقربین سے استغاثہ کرنا شدائد کے دور کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور رب العالمین کی رضا کا موجب ہے

شیخ ابن تیمیہؒ کے مسلک کے مطابق توسل کا جواز

شیخ نے اپنی کتاب "قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ" میں اللہ پاک کے قول:۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور خدا تعالےٰ
ابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (مائدہ پ)	کا قرب ڈھونڈو۔

کے تحت کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ کے اتباع کی وجہ سے ہے۔ اور آپ کے اتباع اور ایمان کی وجہ سے یہ توسل ہر ایک پر ہر حال میں ظاہرًا و باطنًا اور آپ کی حیات میں اور وفات کے بعد، موجودگی و غیبوبت میں فرض ہے۔ حجت قائم ہونے کے بعد کسی بھی حال میں کسی بھی فردِ بشر سے آپ پر ایمان و اطاعت کی وجہ اور کسی بھی عذر کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ اور اللہ جل شانہٗ کی رحمت تک پہنچنے کے لئے اور اس کی پکڑ و عذاب سے بچنے کے لئے صرف اور صرف آپ پر ایمان و اطاعت کو وسیلہ بنانے کا راستہ ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شفیع الخلائق ہیں، صاحب مقام محمود ہیں کہ جس پر اولین و آخرین سب رشک کریں گے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ اللہ جل شانہٗ کے دربار میں سب سے عظیم ہے اور تمام شفیعوں کے مقابلہ میں سب سے بلند مقام ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے "وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا" اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے بارے میں فرمایا ہے "وَجِیهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ" اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے عظیم المرتبت ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و دعا سے صرف اسی شخص کو نفع ملے گا جس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت و دُعا فرمائیں گے۔ پھر جس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت و دعا فرمائیں گے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت و دعا کو وسیلہ بنائے گا۔ جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بنایا کرتے تھے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا

الفتاوی الکبریٰ میں ہے کہ شیخ الاسلام سے سوال کیا گیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ تو شیخ نے جواب دیا کہ الحمد للہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ کی اطاعت اور آپ کی محبت و آپ پر صلوٰۃ وسلام و آپ کی دعا و شفاعت اور اس جیسے آپ کے افعال اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بندوں کے مامور بہا افعال کو وسیلہ بنانا باتفاق المسلمین مشروع ہے

(الفتاوی الکبریٰ۔ ج ۱۔ ص ۱۴۰)

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ شیخ ابن تیمیہؒ کے کلام سے دو امر مستفاد ہوئے ہیں۔ اول، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و اطاعت و آپ کی شفاعت کی تصدیق کرنیوالے کے لئے آپ کی طاعت و محبت و تصدیق کو وسیلہ بنانا مشروع ہے۔ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتے ہیں تو اللہ شاہد ہے کہ ہم لوگ آپ پر ایمان و آپ کی محبت و فضیلت و شرافت ہی کو وسیلہ بناتے ہیں اور توسل سے یہی مقصود اصلی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے والا اس کے علاوہ کسی دوسرے معنیٰ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اور تمام وسیلہ بنانے والے مسلمانوں سے اس کے سوا ممکن بھی نہیں ہے یہ بات دوسری ہے کہ متوسل کبھی تصریح کر دیتا ہے اس امر کی اور کبھی توسل کے مقصود اصلی پر اعتماد کرتے ہوئے تصریح نہیں کرتا۔ اور مقصود اصلی وہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ کی محبت وغیرہ ہے۔

دوم: دوسری بات شیخ کے کلام سے یہ مستفاد ہوئی کہ جس شخص کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیں تو اس کے لئے جائز ہے کہ آپ کی دعا کو وسیلہ بنائے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے دعا فرمائی ہے۔ جیسا کہ احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے۔

ان روایات میں سے ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوش دیکھا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ میرے لئے دعا فرمائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَائِشَةَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهَا وَمَا تَاَخَّرَ وَمَا اَسَرَّتْ وَمَا اَعْلَنَتْ فَضَحِكَتْ حَتّٰی سَقَطَ رَاْسُهَا فِیْ حِجْرِهَا مِنَ الضِّحْكِ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَسُرُّكِ دُعَائِیْ فَقُلْتُ وَمَالِیْ لَا یَسُرُّنِیْ دُعَاؤُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا لَدُعَائِیْ لِاُمَّتِیْ فِیْ كُلِّ صَلٰوةٍ۔

(رواه البزار ورجاله رجال الصحیح غیر احمد بن منصور الرمادی وهو ثقة كذا فی مجمع الزوائد)

اے اللہ! عائشہؓ کے وہ تمام گناہ معاف کر دے جو اس نے پہلے کئے اور جو بعد میں کئے۔ اور جو پوشیدہ کئے اور جو علانیہ کئے۔ تو حضرت عائشہؓ ہنسیں۔ یہاں تک کہ ہنسنے کی وجہ سے سر گود میں جا لگا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے کہا کیا میری دعا سے تو خوش ہوئی؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کی دعا سے بڑھ کر کس چیز سے خوش ہوں گی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نماز میں میری یہ دعا تمام افراد امت کے لئے ہے۔

اس وجہ سے ہر مسلمان کے لئے صحیح ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں اس کو وسیلہ بنائے اور یہ کہے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ نَبِیَّكَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَعَا لِاُمَّتِهٖ وَاَنَا مِنْ اَفْرَادِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ فَاَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِهٰذَا الدُّعَاءِ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ وَتَرْحَمَنِیْ اِلٰی اٰخِرِ مَا یُرِیْدُ۔

اے اللہ! آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے دعا فرمائی ہے اور میں انکی امت کا ایک فرد ہوں پس آپ کی بارگاہ میں اس کو وسیلہ بناتا ہوں کہ آپ میری مغفرت فرما دیں اور مجھ پر رحم فرمائیں۔ آخیر تک جو چاہے کہتا رہے۔

اور جب یہ کلمات کہے گا تو تمام علمائے کرام کے مابین متفق علیہ امر سے نہیں نکلے گا۔ اگر یہ کلمات کہے گا:-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

اے اللہ! میں آپ کی بارگاہ میں آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتا ہوں۔

تو وہ اپنی نیت اور عقیدے کی تصریح نہیں کر سکا۔ حالانکہ وہ ہر ایک کا مقصود ہے اور کوئی مومن بھی اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے والے کا مقصود اس سے یہی معانی ہوتے ہیں جن کا تعلق آپ کی ذاتِ اقدس سے ہے۔ یعنی محبت و قربت و مرتبہ و مقام و فضیلت و دعا و شفاعت خصوصاً یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ برزخ میں صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں اور سلام و استغفار جو آپ کے مناسب ہے، اس کے ساتھ جواب عنایت فرماتے ہیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثِ پاک میں ہے:-

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِیْ خَیْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَیُحَدَّثُ لَكُمْ، تُعْرَضُ اَعْمَالُكُمْ عَلَیَّ فَاِنْ وَّجَدْتُّ خَیْرًا حَمِدْتُّ اللّٰهَ، وَاِنْ وَّجَدْتُّ شَرًّا اِسْتَغْفَرْتُ لَكُمْ۔

میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم بات چیت کرتے ہو اور تم سے بات چیت کی جاتی ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے تو اگر میں نے اچھے پائے تو اللہ کی حمد کروں گا اور اگر برے پائے تو اللہ سے تمہارے لئے بخشش مانگوں گا۔

رواہ الحافظ اسماعیل القاضی فی جزء الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس میں صراحت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے عالمِ برزخ میں استغفار کرتے ہیں۔ اور استغفار دعا ہی ہے۔ اور امت اس سے منتفع ہوتی ہے۔ اور حدیثِ پاک میں ہے:-

مَا مِنْ اَحَدٍ یُّسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ السَّلَامَ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بھی مسلمان مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اللہ پاک میری روح کو لوٹا دیتے ہیں حتی کہ میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(رواہ ابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال النووی اسنادہ صحیح)

اس میں اس امر کی صراحت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام کرنے والے کو جواباً سلام کہتے ہیں اور سلام امان ہی ہے۔ تو یہ امان کی دعا ہے سلام پیش کرنے والے کے لئے۔ اور وہ اس سے منتفع ہوتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل و ابن تیمیہ رحمہما اللہ کے مسلک کے مطابق

مشروعیتِ توسّل

شیخ نے اپنی کتب میں بعض مواقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و وفات، حضور و غیبوبت کے فرق و تفصیل کے بغیر ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کے جواز کو ثابت کیا ہے۔ اور فتاوٰی کبرٰی میں حضرت امام احمد بن حنبل رح اور علامہ عز الدین بن عبد السلام رح سے اس کے جواز کو نقل کیا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اسی طرح دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا بھی مشروع ہے۔ جیسا کہ ترمذی رح کی روایت میں ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَ شَخْصًا اَنْ یَّقُوْلَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ، یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّكَ فَیُجَلِّیْ حَاجَتِیْ لِیَقْضِیَهَا فَشَفِّعْهُ فِیَّ

(رواہ الترمذی وصحّحہ)

فَهٰذَا التَّوَسُّلُ بِهٖ حَسَنٌ۔ اھ (الفتاوٰی ج ۳ ص ۲۷۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا حسن ہے۔ اھ

اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کو وسیلہ بنانے کا نام استغاثہ رکھیں یا نہ رکھیں، ہم کو سلف میں سے کسی کے فعل کا علم نہیں ہے اور نہ اس کے بارے میں کوئی آثار مروی ہیں اور ہم کو تو صرف شیخ کا فتوٰی جو کہ ممانعت والا ہے اسی کا علم ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کے بارے میں تو سنن میں حدیث ہے۔ اس کو نسائی و ترمذی وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری بینائی ختم ہو گئی ہے

آپ میرے لئے دعا فرمائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو
پھر کہو :-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَ اَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَشَفَّعُ بِکَ فِیْ رَدِّ بَصَرِیْ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْ نَبِیَّکَ فِیَّ ۔	اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپکے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنی بینائی کی واپسی کے لئے آپ کو شفیع بناتا ہوں۔ یا اللہ میرے بارے میں اپنے نبی کی شفاعت قبول فرما۔

اس حدیثِ پاک کی وجہ سے شیخ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

(الفتاوٰی ج ۱۔ص ۱۰۵)

شیخ ابن تیمیہؒ نے دوسری جگہ فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے اپنی "منسک" میں جس کو اپنے شاگرد مروزی کی فرمائش پر ان کے لئے لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ وہ اپنی دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنائیں لیکن امام احمد بن حنبلؒ کے علاوہ نے کہا ہے کہ یہ اللہ پر اس کی مخلوق کی قسم کھانا ہے اور اللہ پر مخلوق کی قسم نہیں کھائی جاتی۔ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے دو روایتوں میں سے ایک میں قسم بالمخلوق کو جائز قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے توسل کو جائز فرمایا ہے۔ (الفتاوٰی ج ۱۔ص ۱۴۰)

امام شوکانیؒ کے مسلک پر توسل کا جواز

امام المحدث السلفی شیخ محمد بن علی الشوکانیؒ نے اپنے رسالہ "اَلدُّرُّ النَّضِیْدُ فِیْ اِخْلَاصِ کَلِمَۃِ التَّوْحِیْدِ" میں فرمایا ہے اللہ جل شانہٗ کی مخلوق میں سے کسی کو ایسے مطلب و مراد، جو کہ بندہ اپنے رب سے مانگتا ہے، میں اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانے کے بارے میں شیخ عز الدین بن عبد السلامؒ نے صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کو جائز کیا ہے بشرطیکہ حدیث صحیح ہو۔

شاید شیخ ابن عبد السلام نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو نسائی نے اپنی سنن میں تخریج کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے اور ابن ماجہ وغیرہم نے اس کی تصحیح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نابینا آئے۔ پھر مکمل حدیثِ سابق ذکر کی۔ فرمایا کہ لوگوں کے نزدیک اس کے معنیٰ و مراد میں دو قول ہیں :-

قولِ اول :- وہ توسل جس کا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ ہم قحط زدہ ہوتے تھے تو اے اللہ آپ کی بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتے تھے تو آپ ہم کو سیراب کر دیا کرتے تھے۔ اور اب ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو آپ کی بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں۔ یہ صحیح بخاری میں ہے۔ پس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ وہ لوگ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی حیاتِ مبارکہ میں صلوٰۃِ استسقاء میں وسیلہ بناتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بناتے تھے۔ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا توسل طلبِ بارش کے لئے ہے اس طریقہ پر کہ وہ دعا کریں تو باقی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کے ساتھ دعا کرنے والے تھے۔

قولِ ثانی :- یہ ہے کہ آپ کو وسیلہ بنانا تو آپ کی حیات و بعد الوفات اور موجودگی و غیبوبت میں تھا۔ اور تجھ پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا آپ کی حیات میں ثابت ہے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے غیر کو وسیلہ بنانا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سکوتی سے ثابت ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبد المطلب

کو وسیلہ بنایا تو صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی ان پر نکیر نہ کی۔ اور میرے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کے جواز کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے جیسا کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے دو امروں کی وجہ سے تخصیص کا گمان کیا ہے۔ امر اول تو وہی ہے جو کہ ہم نے تم کو بتایا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے۔ اور امر ثانی یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں اہل فضل وعلم کو وسیلہ بنانا درحقیقت ان کے اعمال صالحہ اور ممتاز فضیلت کو وسیلہ بنانا ہے۔ کیونکہ یہ ممتاز فضیلت اعمال ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جب کہنے والا یہ کہے "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِالْعَالِمِ الْفُلَانِيْ" اے اللہ میں فلاں عالم کو آپ کی بارگاہ میں وسیلہ بناتا ہوں، تو یہ اس کے علم کی وجہ سے ہے۔ اور صحیحین وغیرہ میں ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین آدمیوں کی حکایت بیان فرمائی جن پر چٹان گر پڑی تھی اور راستہ بند ہو گیا تھا تو ان میں سے ہر ایک نے اللہ پاک کے سامنے اپنے بڑے بڑے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا اور چٹان دور ہو گئی۔ اگر اعمال صالحہ وفاضلہ کو وسیلہ بنانا ناجائز و شرک ہوتا جیسا کہ ابن عبدالسلام اور ان کی اتباع میں کہنے والے متشددین کا گمان ہے تو ان کی دعا قبول نہ ہوتی اور حکایت بیان کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فعل پر انکار کرنے سے خاموش نہ رہتے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ انبیاء وصالحین کے وسیلہ بنانے کو جو منع کرتے ہیں اور دلائل پیش کرتے ہیں وہ اس موضوع کے لئے وارد نہیں ہوئیں۔ یہ استدلال ناواقفیت کی وجہ سے محل نزاع ہے۔

ان لوگوں کے دلائل مثلاً یہ ہیں:۔

(۱) اللہ پاک کا ارشاد ہے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى - الآية

(۲) فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا الآية

(۳) لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ الآية۔

اللہ پاک کے قول مَا نَعْبُدُهُمْ الخ میں اس امر کی تصریح ہے کہ وہ اسی وجہ سے عبادت کرتے تھے۔ اور مثلاً عالم کو وسیلہ بنانے والا شخص اس کی بندگی و عبادت نہیں کرتا بلکہ یہ جانتا ہے کہ علم کی وجہ سے اللہ جل شانہ کے یہاں اس کی خاص فضیلت ہے۔ پس اسی وجہ سے اس

کو وسیلہ بناتا ہے۔

اور اسی طرح اللہ پاک کے قول "فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا" میں اللہ کے ساتھ اس کے غیر کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے کہ مثلاً یوں کہے بِاللّٰهِ وَبِفُلَانٍ اور مثلاً عالم کو وسیلہ بنانے والا صرف اللہ ہی کو پکارتا ہے۔ اس نے تو صرف اس کے بعض بندوں کے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا ہے۔ جیسا کہ غار والے تین آدمیوں نے اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا۔ اور اسی طرح اللہ پاک کے قول "وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ" کی تفسیر ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ان کو پکارتے ہیں جو ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے۔ اور اپنے اس رب کو نہیں پکارتے جو ان کی پکار کو قبول کرتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ اور عالم کو وسیلہ بنانے والا صرف اللہ ہی کو پکارتا ہے نہ کہ غیر اللہ کو پکارتا ہے۔

پس جب تم نے اس کو جان لیا تو اب تم پر توسل کو منع کرنے والوں کی محل نزاع سے خارج ادلہ کو رد کرنا مخفی نہ ہوگا۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ فریق مخالف آیت مذکورہ سے استدلال کرتا ہے۔ قولہ تعالیٰ:۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (سورۃ الانفطار پ۳۰)

اور آپ کو کیا خبر کہ انصاف کا دن کیسا ہے۔ پھر بھی آپ کو کیا خبر کہ انصاف کا دن کیسا ہے۔ جس دن کوئی نفس دوسرے نفس کا بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس دن اللہ ہی کا ہے

یہ آیت شریفہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت و انصاف کے دن میں امر و اختیار میں اللہ پاک منفرد و یکتا ہیں اور غیر اللہ کو کوئی اختیار نہ ہوگا۔ انبیاء میں سے کسی نبی کو اور علماء میں سے کسی عالم کو وسیلہ بنانے والا ہرگز بدلہ کے دن کے امور میں اللہ جل شانہ کے ساتھ مشارکت کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ بندوں میں سے کوئی بھی بندہ خواہ وہ نبی ہوں یا غیر نبی اگر اس کا کسی بندے کے بارے میں اعتقاد رکھے تو وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ اور اسی طرح اللہ پاک کے قول "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ" "وَقُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا" سے توسل کی ممانعت پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان دونوں آیتوں میں اس امر کی تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے امر اللہ میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔ اور اپنے نفس کے لئے نفع و ضرر کے مالک نہیں ہیں تو دوسرے

کے لئے کیسے ہو سکتے ہیں۔ اور ان دونوں آیتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے علاوہ کسی نبی یا ولی و عالم کو وسیلہ بنانے سے ممانعت نہیں۔ حالانکہ اللہ پاک نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقامِ محمود، مقامِ شفاعتِ عظمیٰ بنایا ہے۔ اور مخلوق کو بتایا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو طلب کریں۔ اور مانگیں۔ اور اللہ پاک اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائیں گے "سَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ" اور قرآنِ حکیم میں کہا گیا ہے کہ شفاعت صرف اور صرف اللہ کے حکم و اجازت سے ہوگی۔ اور جب نبی صلی اللہ نے اپنے قبیلے والوں کو آیتِ شریفہ "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" کے نازل ہونے کے بعد فرمایا۔ اے فلاں بن فلاں! میں تمہارے لئے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ "یَا فُلَانَةُ بِنْتُ فُلَانٍ لَا اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا" تو اس سے بھی ممانعت توسل پر استدلال کرنا اسی طرح صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں تو صراحۃً صرف یہ بات مذکور ہے کہ جس کو اللہ پاک ضرر دینا چاہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نفع نہیں پہنچا سکتے اور جس کو اللہ تعالیٰ نفع دینا چاہیں تو آپ اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور اپنے رشتہ داروں میں سے بھی کسی کے لئے اللہ کے مقابلہ میں کسی امر کے مالک نہیں چہ جائیکہ رشتہ داروں کے علاوہ! اور یہ ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ اور اس میں اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ میں آپ کو وسیلہ بنانے سے ممانعت نہیں ہے۔ کیونکہ توسل میں صاحب الامر والنہی ہی سے طلب ہوتی ہے۔ اور مانگنے والا و طلب کرنے والا اپنی مراد و طلب سے پہلے اس کو ذکر کرتا ہے جو عطا و منع کے منفرد مالک سے قبولیت کا سبب ہے۔ اور وہ ذات ہی مالک یوم الدین ہے

امام محمد بن عبدالوہابؒ بھی توسل کے منکر نہیں ہیں

شیخ محمد بن عبدالوہاب سے استسقاء میں علماءِ کرام کے قول "لَا بَاْسَ بِالتَّوَسُّلِ بِالصَّالِحِيْنَ" اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے قول "يُتَوَسَّلُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً مَعَ قَوْلِهِمْ اَنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِمَخْلُوْقٍ" کے بارے میں سوال کیا گیا تو شیخ نے فرمایا کہ فرق بالکل ظاہر ہے بعض علماءِ کرام صالحین کو وسیلہ بنانے کی رخصت دیتے ہیں۔ اور بعض علماء نے صرف توسل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور اکثر علماءِ کرام نے اس سے منع کیا ہے اور مکروہ کہا ہے۔ یہ فقہی مسئلہ ہے اگرچہ صواب ہمارے نزدیک جمہور کا قول کراہت کا ہے۔ پس ہم متوسل پر

انکار بھی نہیں کرتے اور اجتہادی مسائل میں انکار نہیں ہے۔ لیکن ہم اس پر انکار کرتے ہیں جو شخص مخلوق کے لئے ان صفات کو ثابت کرے جو اللہ کی صفات کی طرح اعظم ہیں۔

اور شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ کی قبر کے پاس قبر کا ارادہ کرکے تضرع کرے اور روئے۔ یا کسی اور کی قبر کے پاس پریشانیوں اور تکالیف کے دور کرنے کو طلب کرے اور ظلم وغیرہ کے خلاف مدد مانگی جائے پس یہ ان لوگوں میں سے کہاں ہوگا جو اللہ کو اخلاص کے ساتھ پکارتے ہیں اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہیں پکارتے لیکن اپنی دعا میں یہ کہے "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِنَبِيِّكَ اَوْ بِالْمُرْسَلِيْنَ اَوْ بِعِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ" یا کسی قبر معروف یا غیر معروف کا ارادہ کرکے جائے پھر اس کے پاس دعا کرے لیکن صرف خالص اللہ ہی کے لئے دین کو خالص کرکے دعا کرے۔

(شیخ محمد بن عبدالوہاب کے فتاویٰ جس کو جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ نے ہفتہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ میں شائع کیا ہے۔ اس کی قسم ثالث ص۶۵ سے شیخ کا کلام پورا ہوگیا)

متوسلین کو کافر کہنے والوں سے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کا اظہارِ برأت

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے اہلِ قصیم کی طرف بھیجے ہوئے اپنے ایک خط میں صالحین سے توسل کرنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگانے والوں پر بہت شدّت سے رد کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ سلیمان بن سحیم نے مجھ پر بہت سی ایسی باتوں کا الزام لگایا ہے جو میں نے نہیں کہیں بلکہ ان میں سے اکثر کا میرے دل میں خیال بھی نہیں گذرا۔ ان الزامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں توسل بالصالحین کرنے والوں کو کافر کہتا ہوں۔ اور یہ کہ میں علامہ بوصیری کو ان کے اس قول یَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ کی وجہ سے کافر کہتا ہوں، اور یہ کہ میں دلائل الخیرات کو جلاتا ہوں۔

اور ان سب مسائل کے متعلق میرا جواب یہ ہے کہ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

اور ایک اور خط سے بھی اس کلام کی تائید ہوتی ہے جو کہ انہوں نے اہل مجمعہ کو لکھا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ جب یہ باتیں واضح ہوگئیں تو جن مسائل کی وجہ سے طعن و تشنیع کی گئی ہے، ان میں

سے بعض کھلے ہوئے بہتان ہیں۔ وہ یہ قول ہے کہ میں صالحین سے توسل کرنے والوں کو کافر کہتا ہوں، اور علامہ بوصیری کو کافر کہتا ہوں۔ الیٰ آخرہٖ۔ پھر فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں میرا جواب یہ ہے، کہ میں کہتا ہوں سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات سے توسّل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کو تبرک بنانا اور ان سے برکت حاصل کرنا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ اور ان سے برکت حاصل کرنے کے صرف ایک ہی معنیٰ ہوتے ہیں اور وہ معنی اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کو وسیلہ بنانا ہیں۔ کیونکہ توسّل مختلف وجوہ سے ہوتا ہے۔ کیا تم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ وہ آثار نبویہ کو وسیلہ بنائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ نہ بنائیں۔ کیا فرع کو وسیلہ بنانا صحیح ہو اور اصل کو وسیلہ بنانا غیر صحیح ہو؟ کیا یہ صحیح ہے کہ اثر کو تو وسیلہ بنایا جائے اور صاحبِ اثر سے توسل کو غیر صحیح قرار دیا جائے۔ حالانکہ اس اثر میں جو فضیلت و شرافت و عظمت پیدا ہوئی ہے وہ صاحب اثر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے ہوئی ہے

اس باب میں بے شمار نصوص وارد ہوئی ہیں۔ ہم صرف نصوصِ مشہورہ پر ہی اقتصار کرتے ہیں۔

(۱) امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہونے کے بہت ہی زیادہ حریص تھے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آگیا تو آپ نے اپنے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اجازت لینے کے لئے بھیجا جبکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہوا تھا کہ وہ اس جگہ کو اپنے لئے پسند فرماتی ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس جگہ کو اپنے لئے پسند کرتی تھی اور میں عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں۔ تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ واپس آئے اور اپنے والد کو خوشخبری سنائی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الحمد للہ میرے نزدیک سب سے اہم معاملہ یہ تھا۔ قصہ کی تفصیل بخاری شریف میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حرص

و خواہش کے کیا معنی؟ اس کی تفسیر صرف یہی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے قریب دفن ہونے سے برکت حاصل کرنے کے لئے آپ کو وسیلہ بنانا چاہتے تھے۔

(۲) اور یہ ام سلیم رضی اللہ عنہا ہیں جنہوں نے اس مشکیزہ کا منہ کاٹ لیا۔ جس مشکیزہ کے منہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی نوش فرمایا تھا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس ہے۔

(۳) اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک کا حلق کراتے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ایک ایک بال کو برکت کے لئے لینے میں سبقت کرتے تھے۔

(۴) یہ اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جبّہ مبارکہ کی حفاظت کرتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ ہم اپنے بیماروں کے لئے اس کو دھو کر پانی پلا دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے شفاء حاصل کرتے ہیں۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کی آپ کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم حفاظت کرتے ہیں اور پھر وہ کنوئیں میں گر جاتی ہے۔ (شمائل ترمذی)

یہ تمام احادیث ثابت و صحیح ہیں۔ اور جیسا کہ ہم نے اس کو تبرک کی بحث میں ذکر کیا ہے اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار پر اس قدر محافظت کیوں کی (مشکیزہ کا منہ، بال، پسینہ، جبّہ، انگوٹھی، مصلّٰی) اس سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصود صرف یادہی تھی۔ یا تاریخی آثار کی حفاظت کہ ان کو عجائب خانوں میں رکھ دیں۔ اگر صرف صورتِ اولیٰ تھی تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کوئی مشکل پیش آتی یا بیماری ہوتی تو پھر دعا و توجہ الی اللہ کے وقت ان آثار سے اتبراک و اس قدر اہتمام و اعتناء کیوں کرتے تھے۔؟

اگر صورتِ ثانیہ تھی تو پھر یہ عجائب خانہ وغیرہ کہاں ہیں اور یہ فکر مبتدع کہاں سے ان کے پاس آئی۔؟ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ وہ ہے اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ میں دعاء کے وقت ان آثار کو وسیلہ بنایا جائے۔ ان آثارِ نبویہ سے برکت حاصل کرنے کے ساتھ۔ کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ معطی ہیں۔ انہی سے سوال کیا جاتا ہے اور سب ان کے

بندے ہیں اور ان کے امر کے تحت ہیں۔ سب بندے اپنے نفسوں کے لئے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں چہ جائیکہ غیر۔ مگر باذن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے آثار سے توسّل

اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

(سورۃ البقرہ پ۲)

اور ان سے ان کے پیغمبر نے کہا کہ ان کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تسکین کی چیز ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام چھوڑ گئے تھے۔ اس صندوق کو فرشتے لے آویں گے۔ اس میں تم لوگوں کے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔

حافظ ابن کثیر اپنی تاریخ "البدایۃ والنہایہ" میں فرماتے ہیں کہ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس تابوت کے بارے میں کہا ہے کہ جب وہ لوگ کسی دشمن سے قتال کرتے تو اس تابوت کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اس کی برکت سے ان کی مدد کی جاتی اور اس کے وسیلہ سے بھی مدد کی جاتی جو اللہ پاک نے اس تابوت میں آل موسیٰ و آل ہارون کی نشانیوں کو رکھا تھا۔ چنانچہ اس تابوت کو بعض جنگوں میں جو اہل غزہ و عسقلان سے ہوئیں اپنے ساتھ لے کر گئے تو اہل غزہ و عسقلان نے ان سے چھین لیا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسی کی وجہ سے دشمن کے خلاف ان کی مدد کی جاتی تھی۔ اس میں ایک سونے کی طشتری تھی جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے سینوں کو غسل دیا گیا تھا (البدایہ والنہایہ ج۲ ص۸)

اور ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اس تابوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارکہ اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا مبارکہ بھی تھا اور تورات کی دو تختیاں اور حضرت ہارون علیہ السلام کے کپڑے تھے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ عصا اور نعلین تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۳۱۳)

علامہ قرطبی نے تابوت کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام پر یہ تابوت نازل فرمایا۔ پھر وہ حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا اور بنی اسرائیل ہی میں رہا۔ وہ لوگ جس سے بھی قتال کرتے اس تابوت کی برکت سے غالب آجاتے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے نافرمانی کی اور عمالقہ بنی اسرائیل پر غالب آگئے اور بنی اسرائیل سے وہ تابوت چھین لیا۔ (تفسیر قرطبی ج۳ ص۲۴۷)

یہ حقیقت میں ان انبیاء کرام کی نشانیوں کو وسیلہ بنانا ہے۔ کیونکہ اپنی جنگوں میں اپنے سامنے اس تابوت کو رکھنے کے، اس کے علاوہ کوئی دوسرے معنی ہی نہیں ہیں۔ اور اللہ پاک ان کے اس عمل سے راضی تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ پاک نے اس تابوت کو بنی اسرائیل کی طرف واپس لوٹا دیا۔ اور طالوت کی بادشاہت کے صحیح اور حق ہونے کی نشانی بنایا۔

حق النبیؐ و حق الانبیاء و حق الصّالحین کے الفاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ کی والدہ فاطمہ بنت اسد کے مناقب میں ہے کہ ان کا انتقال ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کی قبر کھودی اور اپنے ہاتھ سے اس کی مٹی نکالی جب آپ فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں داخل ہوئے اور لیٹ گئے پھر فرمایا:-

اللّٰهُ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ اغْفِرْ لِأُمِّي فَاطِمَةَ بِنْتِ أَسَدٍ وَلَقِّنْهَا حُجَّتَهَا وَوَسِّعْ عَلَيْهَا مُدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْأَنْبِيَاءِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِي فَإِنَّكَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ، وَكَبَّرَ عَلَيْهَا أَرْبَعًا

اے اللہ! جو کہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ زندہ ہے کبھی بھی نہیں مریگا میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما۔ ان کو سوالات کے موقع پر جوابات تلقین فرمادے اور ان کی قبر کو وسیع فرمادے اپنے نبی اور ان انبیاء کے وسیلہ سے جو مجھ سے پہلے گذر گئے بیشک آپ سب

اَدْخَلُوْهَا اللَّحْدَ هُوَ وَالْعَبَّاسُ وَ اَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ
(رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط)
(کذا فی مجمع الزوائد ج۔۹ ص۲۵۷)

زیادہ رحم کرنیوالے ہیں۔ پھر آپ نے نماز پڑھائی۔ چار تکبیریں کہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت عباس اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے قبر میں داخل کیا۔

ہم نے اس حدیث اور دیگر احادیث میں دیکھا ہے کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جن کے حق کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہ کے سامنے وسیلہ بنایا ہے وہ انتقال کر چکے تھے۔ لہذا ثابت ہوا کہ اہلِ حق زندہ و مردہ کو اللہ جل شانہ کے سامنے وسیلہ بنانا جائز ہے۔

بحق السائلین کے لفظ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، مَنْ خَرَجَ مِنْ بَیْتِهٖ اِلَی الصَّلٰوةِ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ هٰذَا فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَّلَا بَطَرًا وَّلَا رِیَآءً وَّلَا سُمْعَةً، خَرَجْتُ اِتِّقَآءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِكَ فَاَسْئَلُكَ اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارِ، وَاَنْ تَغْفِرَ لِیْ ذُنُوْبِیْ، اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ، اَقْبَلَ اللهُ بِوَجْهِهٖ وَاسْتَغْفَرَ لَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ۔
(رواه ابن خزیمہ فی صحیحہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو اپنے گھر سے نماز کے لئے نکلے اور یہ دعا کرے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الخ اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں مانگنے والوں اور اپنے اس نکلنے کے حق کی وجہ سے (جو آپ نے اپنی رحمت سے اپنے ذمہ لے رکھا ہے) میں غرور و تکبر اور ریاء و شہرت کے لئے نہیں نکلا ہوں تو آپ کی ناراضگی سے بچنے اور آپ کی رضا حاصل کرنے کے لئے نکلا ہوں۔ سو آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے آگ سے پناہ عطا کیجئے اور میرے گناہوں کو معاف فرما دیجئے۔ بے شک آپ کے علاوہ کوئی بھی گناہوں کا بخشنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں

قال الحافظ ابن حجر: هذا حديث حسن
اخرجه احمد وأبو نعيم وابن السنی۔

اور ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

ان حضرات کے اقوال کے بعد اب کسی کے لئے کلام کرنے کی کوئی گنجائش رہتی ہے؟ اور کیا کسی عقلمند کے لئے یہ صحیح ہے کہ ان حفاظِ حدیث باکمال لوگوں کے حکم کو چھوڑ کر طفلانہ بات کی طرف متوجہ ہو؟

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۶۱)
فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔ (الحج ۴۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی قبر شریف کو وسیلہ بنانا

امام حافظ دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سنن دارمی میں فرمایا ہے۔

حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا سَعِیْدُ بْنُ زَیْدٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَالِكٍ النُّكْرِیُّ حَدَّثَنَا اَبُو الْجَوْزَآءِ اَوْسُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قُحِطَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ قَحْطًا شَدِیْدًا فَشَكَوْا اِلٰی عَائِشَةَ، فَقَالَتْ: اُنْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كُوًّا اِلَی السَّمَآءِ حَتّٰی لَا یَكُوْنَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ السَّمَآءِ سَقْفٌ، قَالَ، فَفَعَلُوْا، فَمُطِرْنَا مَطَرًا حَتّٰی نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْاِبِلُ، تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّیَ عَامَ الْفَتْقِ، وَمَعْنٰی كُوًّا اَیْ نَافِذَةً)

ہم سے حدیث بیان کی ابو النعمان نے، ان سے سعید ابن زید نے ان سے عمرو بن مالک نے ان سے ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ نے۔ انہوں نے کہا کہ اہل مدینہ شدید قحط میں مبتلا ہو گئے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی حالت کی شکایت کی تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی طرف دیکھو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف میں سے ایک کھڑکی کھولو۔ اس طرح کہ آپ سے لیکر آسمان تک کوئی چیز حائل نہ رہے۔ کہتے ہیں کہ لوگوں نے اسی طرح کیا۔ پھر خوب بارش ہوئی حتیٰ کہ سبزہ خوب اُگ گیا اور اونٹ موٹے ہو گئے۔ اس سال کا نام ہی عام الفتق، سبزہ

اھ - سنن الدارمی ج ۱ - ص ۴۳ — وکشادگی کا سال رکھ دیا گیا۔

یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو اس حیثیت سے وسیلہ نہیں بنایا گیا کہ وہ قبر ہے، بلکہ اس حیثیت سے وسیلہ بنایا گیا کہ اشرف المخلوقات حبیب رب العالمین کا جسم مبارک اس جگہ سے ملا ہوا ہے اس وجہ سے یہ مٹی اور یہ جگہ قابل عزت واحترام ہو گئی ہے اور اس عظیم مرتبہ کی مستحق ہے کہ اس کو وسیلہ بنایا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قبر شریف سے توسل

وَقَالَ الْحَافِظُ اَبُوْبَكْرِنِ الْبَيْهَقِيُّ اَخْبَرَنَا اَبُوْنَصْرِ بْنُ قَتَادَةَ وَاَبُوْبَكْرِ نِ الْفَارِسِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْعَمْرِو بْنُ مَطَرٍ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عَلِيٍّ نِ الذُّهْلِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ مَالِكٍ قَالَ، اَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَجَاءَ رَجُلٌ اِلٰى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اسْتَسْقِ اللّٰهَ لِاُمَّتِكَ فَاِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوْا، فَاَتَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ فَقَالَ: ائْتِ عُمَرَ فَاَقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ مُسْقَوْنَ وَقُلْ لَهٗ: عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ الْكَيْسِ۔

حافظ ابوبکر بیہقی چند واسطوں سے فرماتے ہیں کہ حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے۔ پھر ایک صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے قریب آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اللہ پاک سے اپنی امت کے لئے سیرابی مانگیے کیونکہ وہ ہلاک ہو گئی۔ پھر ان صحابی نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ عمر کے پاس جاؤ، اس کو میرا اسلام کہو اور لوگوں کو بتا دو کہ پانی برسے گا۔ اور عمر سے کہہ دو کہ چوکنے رہو، چوکنے رہو۔ پھر وہ صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کو خبر دی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ

فَاَتَى الرَّجُلُ فَاَخْبَرَ عُمَرَ، فَقَالَ، يَا رَبِّ! مَا آلُوْ اِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ۔

اے اللہ! میں کمی نہیں کرتا مگر یہ کہ عاجز ہو جاؤں۔

وھذا اسناد صحیح۔

وہ حضرات جنہوں نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے یا روایت کیا ہے اور کتابیں تصنیف فرمائی ہیں ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ گمراہی وکفر ہے اور متن حدیث پر اعتراض نہیں کیا۔ اس حدیث کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا اور کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ حفاظِ حدیث میں جو حافظ صاحب کا مقام ومرتبہ وعلم وفضل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں، ہر آدمی اس سے بخوبی واقف ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ واقعہ یمامہ میں مسلمانوں کا شعار "یا محمداہ" تھا۔ اور فرماتے ہیں کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور لشکر سے آگے نکل کر مسیلمہ کی پناہ گاہ پہاڑیوں کی طرف چلے گئے اور منتظر رہے کہ کس طرح اس تک پہنچ کر اس کو قتل کروں۔ (مگر کچھ سوچ کر واپس ہو گئے) اور بیچ میدان میں کھڑے ہو کر مبارزت کی دعوت دی اور فرمایا "اَنَا ابْنُ الْوَلِيْدِ الْعَوْد، اَنَا ابْنُ عَامِرٍ وَّزَيْدٍ" مسلمانوں کو ان کے شعار، آپس میں پکارنے کا خاص لفظ) کے ذریعہ آواز لگائی۔ اور مسلمانوں کا شعار اس دن "یا محمداہ" تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ۔ ج ۶۔ ص ۳۲۴)

مرض وسختی وغیرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کا بیان

ہیثم بن خنس رح سے روایت ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ ان کا قدم شریف سُن (بے حس) ہو گیا۔ تو اُن سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ جس آدمی سے آپ کو سب سے زیادہ محبت ہے اس کو یاد کریں۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا "یا محمد" پھر ایک دم ایسا ہو گیا جیسے کہ رسی سے نکل گئے۔ یعنی بالکل صحیح ہو گیا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی کا پاؤں سُن ہو گیا۔ تو اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا "اُذْكُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَيْكَ" یعنی اپنے سب سے محبوب آدمی کا ذکر کرو۔ اس نے کہا "مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" پھر اس کے پاؤں کی سنسنی (بے حسی) ختم ہو گئی۔ ذکرہ الشیخ ابن تیمیۃ فی الکلم الطیب فی الفصل السابع والاربعین ص ۱۶۵)

یہ بصورت ندا توسل ہے۔

غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا

عَنْ عُتْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ عَنْ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيْسٌ فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللّٰهِ أَعِيْنُوْنِيْ، فَإِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ، وَقَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ۔

(رواہ الطبرانی)

حضرت عقبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی چیز کو گم کردے یا مدد چاہے اور ایسی جگہ میں ہو جس میں کوئی غمخوار نہ ہو تو یہ الفاظ کہے "یَا عِبَادَ اللّٰهِ أَعِيْنُوْنِيْ" (اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ کیونکہ اللہ کے بہت سے ایسے بندے ہیں جن کو ہم دیکھ نہیں پاتے۔ اور یہ مجرب عمل ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ سِوَى الْحَفَظَةِ يَكْتُبُوْنَ مَا يَسْقُطُ مِنْ وَرَقِ الشَّجَرِ، فَإِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمْ عُرْجَةٌ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ أَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ۔

(رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک کے بہت سے ایسے فرشتے حفظہ فرشتوں کے علاوہ ہیں جو کہ لکھتے رہتے ہیں جو بھی پتا درخت کا گر جاتا ہے اور جب تم میں سے کسی کو بھی جنگل بیابان میں لنگ لاحق ہو جائے یعنی سواری ختم ہو جائے تو چاہیئے کہ آواز لگائے أَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ (میری مدد کرو اے اللہ کے بندو)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ: يَا عِبَادَ اللّٰهِ احْبِسُوْا يَا عِبَادَ اللّٰهِ احْبِسُوْا، فَإِنَّ لِلّٰهِ حَاضِرًا فِي الْأَرْضِ سَيَحْبِسُهُ۔

(رواہ ابو یعلی والطبرانی)

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی سواری جنگل بیابان میں چھوٹ جائے تو اس کو پکارنا چاہیئے "یا عِبَادَ اللّٰهِ احْبِسُوْا۔ يَا عِبَادَ اللّٰهِ احْبِسُوْا" کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے اس زمین میں ہیں وہ اس کو پکڑ لیں گے۔

یہ بھی توسل بصورتِ ندا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعتوں کے بعد فرمایا کرتے تھے "اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَإِسْرَافِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَمُحَمَّدٍ النَّبِيِّ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) أَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ" (اے اللہ! جبرئیل و اسرافیل و میکائیل و محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب! میں آگ سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

ان اسماءِ مبارکہ کو خاص طور پر ذکر کرنا، یہ ان کو وسیلہ بنانے کے معنی میں ہے تو گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ وَأَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِجِبْرَئِيْلَ الخ

قَالَ النووی فی الاذکار: رواہ ابن السنی وقال الحافظ بعد تخریجہ ھو حدیث حسن (شرح الاذکار لابن علان ج ۲ ص ۱۳۹)

اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور جبرئیل و اسرافیل و میکائیل و حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی بارگاہ میں وسیلہ بناتا ہوں۔

ابن علان نے اس بات کی طرف شرح میں اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا ان عظیم ارواح کے رب ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور ابن علان نے شرح الاذکار ج ۲ ص ۲۹ پر اس نوع کے توسل کے مشروع ہونے کی تصریح کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کا معنی

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانہ میں حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کے وسیلہ سے دعا طلب کی تو یہ فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا۔ (بخاری، کتاب الاستسقاء باب۳)	اے اللہ! ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی بارگاہ میں وسیلہ بناتے تھے پس آپ ہم کو سیرابی بخش دیا کرتے تھے۔ اور اب ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں، ہم کو آپ سیراب کر دیں۔

زبیر بن بکار نے "الانساب" میں دیگر طرق سے اس واقعہ کو مزید تفصیل سے روایت کیا ہے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عام الرمادہ یعنی مٹی والے سال (اس سال کو عام الرمادہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے مٹی بہت اڑتی تھی) حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کو وسیلہ بنایا۔ اور اللہ پاک سے بارش کے لئے دعا مانگی۔ پھر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کو ویسا ہی سمجھتے تھے جیسے بچہ باپ کو سمجھتا ہے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بمنزلہ والد سمجھتے تھے۔ اے لوگو! تم بھی حضرت عباسؓ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرو اور ان کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ (پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا) اُدْعُ يَا عَبَّاسُ (اے عباس! آپ دعا کریں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ دعا فرمائی۔

"اے اللہ! گناہ ہی کی وجہ سے بلا نازل ہوتی ہے اور صرف توبہ ہی اس بلا کو اٹھاتی ہے۔ اور لوگوں نے مجھے آپ کی بارگاہ میں اس تعلق کی وجہ سے جو میرا آپ کے نبی کے ساتھ ہے، وسیلہ بنایا ہے۔ یہ ہمارے ہاتھ گناہوں میں لتھڑے ہوئے آپ کے سامنے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے ساتھ جھکی ہوئی ہیں، ہم کو بارش دیدیں اور نبی کے چچا کا

خیال کیجئے"۔

فوراً بادل پہاڑوں کی طرح سے آسمان پر چھا گئے اور زمین بارش سے بھر گئی، لوگ خوش ہو گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے جسم کو چھو کر تبرک حاصل کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اے ساقی حرمین آپ کو مبارک ہو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ کہا۔

واللہ یہ ہے وسیلہ اللہ کے نزدیک ان کی منزلت سے۔ اسی بارے میں عباس بن عتبہ کے اشعار ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔

بِعَمِّيْ سَقَى اللّٰهُ الْحِجَازَ وَاَهْلَهٗ عَشِيَّةَ يَسْتَسْقِيْ بِشَيْبَتِهٖ عُمَرُ

(ترجمہ) اللہ نے حجاز والوں کو میرے چچا کے وسیلہ سے بارش دی۔ جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے بڑھاپے کا واسطہ دے کر بارش طلب کی۔

حالانکہ یہ حق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا کہ نمازِ استسقاء میں لوگوں کی وہ خود امامت کرتے۔ لیکن انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور آپ کے رشتہ داروں کے اکرام کی وجہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا تاکہ جتنا قریب سے قریب ہو سکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہو جائے۔ اور لوگوں کو بھی اس پر ابھارا کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا کریں اور خود انہوں نے بھی یہی کیا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام قائم رہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ نمازِ استسقاء پڑھائی تھی۔ اور یہ سب اس لئے کیا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ تعظیم ہو۔ اور آپ کے اہلِ بیت کا زیادہ سے زیادہ اکرام ہو۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دعا میں بھی اس کو بیان کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے یہ دعا کی تھی "اے اللہ! ہم آپ کی بارگاہ میں اپنے نبی کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے تو آپ ہم کو بارش دیدیا کرتے تھے۔ اب ہم آپ کے چچا کا وسیلہ پکڑتے ہیں تو آپ ہم کو بارش دیدیں۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ان کا وسیلہ پکڑتے تھے، اسی طرح سے آپ لوگوں کو لے کر باہر نکلتے تھے، ان کی امامت کرتے تھے، پھر دعا مانگتے تھے۔ اب آپ کی وفات کی وجہ سے تو یہ ساری چیزیں ممکن نہ رہیں، تو اب ان میں سے ہم ان کے اہلِ بیت کو مقدم کرتے ہیں تاکہ جلد سے جلد دعا قبول ہو۔

اور خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی جب دعا فرمائی تو انہوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

وسیلہ پکڑا کیونکہ انہوں نے دُعا میں یہی بات فرمائی تھی کہ آپ کے نبی کے ساتھ جو میری قرابت ہے اسی کی وجہ سے لوگوں نے مجھے آگے کیا ہے۔ لہٰذا اس مرتبہ کا خیال فرمائیے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہوا۔ کہ اپنے نبی کی وجہ سے میری دعا قبول کر۔

یہ معاملہ استسقاء کا ہے۔ اس کا مسئلہ توسل سے کوئی تعلق نہیں جس کو ہم بیان کر رہے ہیں اور جس میں اختلاف واقع ہوا ہے اس کو تھوڑی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ قصہ پوری طرح واضح ہے کیونکہ وہ قحط زدہ ہو گئے تھے اور صلوٰۃ استسقاء کے ذریعہ اس قحط کو دور کرنے کے محتاج تھے۔ اور اس کے لئے وہ کسی ایسے امام کے محتاج تھے جو اس عظیم عمل اسلام کو قائم کر کے ان کے لئے دُعا کرے۔ ان کو صلوٰۃ استسقاء پڑھائے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک اس دار العمل میں تھے خود کرایا کرتے تھے۔ جیسے اور دیگر امور خطبہ، امامت، جمعہ، تو یہ سب اس دنیا دار العمل کے اعمال ہیں، اہل برزخ اس کو نہیں کیا کرتے۔ کیونکہ تکلیف ان سے ساقط ہو چکی ہے۔ اور وہ اس سے زیادہ بڑے کام میں مشغول ہو گئے۔

اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام سے کوئی یہ سمجھے کہ حضرت عمرؓ نے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل اختیار کیا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تو زندہ تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس قائل کی عقل اور فہم خود مرحکی ہے اور وہ توہمات کا شکار ہو گیا ہے اور محض اپنی رائے کی غلط تقویت کے لئے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل اختیار فرمایا تو حضورؐ کی قرابت ہی کی وجہ سے، یہ جو ان کی دعا سے خود ظاہر ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی دعا میں یہی تو کہا تھا کہ اے اللہ ہم اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ پکڑتے ہیں، ہم کو بارش دیدیں تو اس میں بہت بلیغ انداز میں نبی کریم فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وسیلہ ہے اور جو لوگ زندہ سے توسل کو جائز کہتے ہوئے میت کے توسل کی وجہ سے مسلمانوں کو مشرک قرار دیتے ہیں وہ حق سے دور نکل گئے۔ کیونکہ اگر توسل شرک ہے تو زندہ مردہ سب برابر ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ غیر اللہ کے ساتھ ربوبیت کا تعلق جوڑنا اور اس کو مستحق عبادت جاننا، خواہ وہ غیر اللہ نبی ہو یا فرشتہ یا ولی ہو، کفر و شرک ہے اس میں احیاء و اموات میں کوئی فرق نہیں، آخر کوئی اس کا قائل ہے؟ کہ غیر اللہ کو حیات میں تو رب بنانا جائز ہے۔ اور مرنے کے بعد شرک ہو جائے۔

اب آپ کو یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ کسی قابلِ تعظیم شخصیت کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا اس وقت تک عبادت نہیں ہوگا جب تک کہ اس کی ربوبیت کا اعتقاد نہ کر لے۔ جیسا کہ بت پرست اپنے بتوں کے بارے میں عقیدہ و اعتقاد رکھتے تھے۔ اور جب کوئی کسی کے بارے میں ایسا اعتقاد نہ رکھتا ہوا ور اللہ جل شانہٗ کا حکم ہو وسیلہ بنانے کا تو ایسی صورت میں اس حکم الٰہی کی وجہ سے یہ وسیلہ بنانا خود عبادت ہوگا۔

عتبی کا واقعہ

شیخ حافظ امام عماد الدین ابن کثیر شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت نے عتبی کے واقعہ کو ذکر کیا ہے۔ ان میں سے شیخ ابو منصور الصباغ نے اپنی کتاب "الحکایات المشہورہ" میں بھی ذکر کیا ہے۔

عَنِ الْعُتْبِيِّ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُ اللّٰهَ يَقُوْلُ: (وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا) وَقَدْ جِئْتُكَ مُسْتَغْفِرًا لِذَنْبِي مُسْتَشْفِعًا بِكَ إِلَى رَبِّي، ثُمَّ أَنْشَدَ يَقُوْلُ:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظُمُهُ
فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْأَكَمُ
نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

ثُمَّ انْصَرَفَ الْأَعْرَابِيُّ فَغَلَبَتْنِي عَيْنِي فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عتبی فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی (دیہاتی) آیا اور اس نے کہا "السلام علیک یا رسول اللہ" میں نے سنا ہے کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے "اگر وہ لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے کے بعد آپ کے پاس آئیں اور استغفار کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے استغفار کریں تو وہ لوگ اللہ پاک کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنیوالا اور رحم کرنیوالا پائیں گے۔ میں آپ کی خدمت میں اپنے گناہوں پر استغفار کرتا ہوا حاضر ہوا ہوں اور آپ کو اپنے رب کے سامنے اپنا سفارشی بناتا ہوا حاضر ہوا ہوں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:۔ (جن کا ترجمہ یہ ہے)

اے مدفون لوگوں میں سب سے بہتر جن کی وجہ سے میدان اور ٹیلے بھی اچھے ہو گئے۔

فِي النَّوْمِ فَقَالَ: اِلْحَقِ الْاَعْرَابِيَّ فَبَشِّرْهُ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَهٗ۔

فهذه القصة رواها الإمام النووی فی کتابه المعروف بالإیضاح فی الباب السادس ص ۳۹۸ ۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۳ ص ۵۵۶ الشرح الکبیر ج ۳ ص ۴۹۵ کشاف القناع ج ۵ ص ۳۰)

میری جان قربان اس قبر پر جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں، جس میں عفاف وجود و کرم ہے۔

پھر وہ اعرابی واپس چلا گیا۔ عتبی کہتے ہیں کہ مجھے نیند آ گئی۔ میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس اعرابی سے ملاقات کرو اور اس کو خوشخبری دو کہ اللہ پاک نے اس کی مغفرت کر دی۔

امام قرطبی عمدۃ المفسرین نے اپنی تفسیر میں جو کہ "الجامع لاحکام القرآن" سے معروف ہے، اس کے مشابہ دوسرا واقعہ ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابو صادق نے علی سے روایت کیا ہے کہ ہمارے پاس ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے تین دن بعد آیا۔ اس اعرابی نے اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب ڈال دیا اور قبر مبارک کی مٹی اپنے اوپر ڈالی۔ پھر کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ہے اور ہم نے آپ کے قول مبارک کو سنا ہے۔ آپ نے اللہ پاک سے احکام لئے، ہم نے آپ سے احکام لئے۔ اللہ پاک نے آپ پر اتارا " وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الخ تحقیق میں نے تو اپنے اوپر ظلم کیا ہے آپ میرے لئے استغفار فرمائیں۔ قبر سے ندا دی گئی "اِنَّهٗ قَدْ غَفَرَ لَكَ" (اللہ پاک نے تم کو بخش دیا ہے۔" (تفسیر القرطبی ج ۵ ص ۲۶۵)

یہ عتبی کا قصہ قطع نظر اس سے کہ سند کے لحاظ سے صحیح ہے یا ضعیف، محدثین حکم لگانے پر کس طرح اعتماد کرتے ہیں، ہم تو یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ان علماء کرام نے کفر و گمراہی کو نقل کیا ہے؟ یا ان باتوں کو نقل کیا ہے جو بت پرستی و قبر پرستی کی دعوت دیتی ہیں؟ معاذ اللہ! اگر ان لوگوں نے گمراہی و کفر کو نقل کیا ہے تو پھر کس کو اور کس کتاب کو معتبر کہا جائے گا؟ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس میں تو کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یقینی بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ جل شانہ کے نزدیک بہت ہی عظیم مقام و بلند مرتبہ ہے، پھر کونسا شرعی یا عقلی مانع ہے جو توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مانع ہو جائے۔ چہ جائیکہ وہ دلائل جو توسل بالنبی

صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا و آخرت میں ثابت کرتے ہیں۔ توسل میں تو ہم اللہ پاک ہی کو پکارتے ہیں اور اسی سے سوال کرتے ہیں کبھی تو ہم دعا کرتے ہیں اللہ پاک سے ان اشیاء کے توسل سے جو اللہ پاک کو محبوب ہیں، کبھی ہم اللہ پاک سے اللہ پاک کی محبوب ترین مخلوق کے وسیلہ سے سوال کرتے ہیں جیسا کہ آدم علیہ السلام کی حدیث ماقبل میں گذر چکی ہے۔ اور فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا والی حدیث جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اور جیسا کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ اور کبھی ہم اللہ پاک سے اس کے اسماء حسنیٰ کے وسیلہ سے سوال کرتے ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے " اَسْاَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ" اور کبھی اللہ پاک کی کسی صفت و فعل کے وسیلہ سے سوال کرتے ہیں جیسا کہ دوسری حدیث پاک میں ہے " اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ" اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔ اور یہ دائرہ تنگ نہیں ہے جیسا کہ معترضین نے گمان کر لیا ہے۔ اس میں سر (راز) یہ ہے کہ ہر وہ عمل وغیرہ جو اللہ کو محبوب ہو اس کو وسیلہ بنانا صحیح ہے اور اسی طرح نبی یا ولی کی ذات جس کو اللہ پاک محبوب رکھیں، اس کو وسیلہ بنانا صحیح ہے۔

یہ بات ہر سلیم الفطرت پر واضح ہے اور کوئی عقلی و نقلی مانع بھی نہیں ہے۔ بلکہ عقلی و نقلی دلائل جواز توسل پر بہت ہیں۔ اور ان تمام صورتوں میں مسئول صرف اور صرف اللہ جل شانہ کی ہی ذات ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، نہ کوئی نبی۔ نہ کوئی ولی، نہ کوئی زندہ۔ نہ کوئی مردہ "قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَا لِهٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۔" (سورۃ النساء، آیت ۷۸)

جب اعمال کو وسیلہ بنا کر سوال کرنا جائز ہے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر سوال کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل المخلوقات ہیں۔ اور بندوں کے اعمال مخلوق ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پاک کو بے حد محبوب ہیں۔

ہائے افسوس وصد افسوس! اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کے لئے کیا مانع ہے؟ جب کہ متوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم معنی مذکور ہی مراد لیتا ہے۔ اور جو شخص عند اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کا انکار کرے وہ تو کافر ہی ہے۔

پھر توسل کا مسئلہ جس کو وسیلہ بنایا جائے، اس کی محبت و عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا صرف اور صرف عند اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کی وجہ سے ہے

توسل بالاعمال الصالحۃ کے متفق علیہ ہونے میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں، اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں جو شخص توسل بالانبیاء یا توسل بالصالحین کرے وہ حقیقۃً ان اعمال ہی کو وسیلہ بناتا ہے جو اللہ کو محبوب ہیں جیساکہ حدیث اصحاب غار میں وارد ہوا ہے۔ لہٰذا یہ توسل کی صورت متفق علیہ ہے۔ متوسل بالصالحین صلحاء کو صرف اور صرف ان کی نیکی ہی کی وجہ سے وسیلہ بناتا ہے۔ لہٰذا بات تو اعمال صالحہ کی طرف لوٹ گئی۔ جیساکہ اس بحث کے شروع میں ہم ذکر کرچکے ہیں۔

غلط شبہ

یہ تمام روایات وآثار توسل کو ثابت کرتے ہیں اور اس کی تائید کرتے ہیں۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کی حیاتِ مبارکہ کے ہی ساتھ خاص ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح باقی ہے جس سے احساس وادراک وشعور ہوتا ہے۔ اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ مردہ سنتا ہے، احساس وشعور بھی رکھتا ہے اور خیر سے منتفع ہوتا ہے اور خوش ہوتا ہے، برائی سے تکلیف وحزن پاتا ہے اور یہ ہر انسان کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن کفار قریش کے اہلِ قلیب (کنوئیں والوں) کو پکارا "یَا عُتْبَةُ، یَا شَیْبَةُ، یَا رَبِیْعَةُ" نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ ان کو کیسے پکارتے ہیں حالانکہ وہ تو گل سڑ چکے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے (یعنی وہ لوگ تم سے زیادہ سنتے ہیں لیکن وہ لوگ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے)

جب یہ احساس وشعور وغیرہ ہر انسان کے ساتھ عام ہے تو افضل البشر اکرم الخلائق کے ساتھ تو بدرجۂ اولیٰ ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کامل الاحساس والادراک ہیں۔ بہت سی روایات میں صراحۃً وارد ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کلام کو سنتے ہیں اور حاضرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ آپ کی امت کے اعمال پیش خدمت کئے جاتے ہیں۔ امت کی سیئات پر استغفار فرماتے ہیں اور امت کی حسنات پر اللہ جل شانہ کی حمد وثنا فرماتے ہیں۔ انسان کی قیمت درحقیقت اس کے احساس وشعور وادراک کے اعتبار سے ہوتی ہے نہ فقط حیات سے۔ اسی وجہ سے ہم بہت سے زندوں کو دیکھتے ہیں کہ اللہ پاک نے ان کو کمزوری وقلت ذوق کے ساتھ احساس اور شعور انسانی سے محروم کردیا

ہے۔ "اِنَّا لِلّٰہِ" ایسے لوگ حیات کے باوجود مردوں کی صفوں میں شمار ہوتے ہیں (معاذ اللہ)

بعض جاہلوں کا گمان

ان جاہلوں میں سے بعض کا یہ گمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو سنتے ہیں اور نہ ہم کو پہچانتے ہیں اور نہ ہمارے لئے دعا کرتے ہیں۔ اس سے بڑی جرأت کیا ہوگی۔؟ اور اس سے زیادہ قبیح جہالت کیا ہوگی؟ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت کو کم کرنا ہے اور آپ کی شانِ اقدس میں سوءِ ادبی ہے بیشمار روایات وآثار سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ میت مومن ہو یا کافر سننے اور محسوس کرنے اور پہچاننے میں سب برابر ہیں۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے کتاب الروح (ص۹) میں فرمایا ہے کہ سلف کا اس پر اجماع ہے اور سلف سے تواتر سے آثار منقول ہیں (جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مردہ اپنی زیارت کرنے والے کو پہچانتا ہے اور اس سے خوشی پاتا ہے)

شیخ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس قول کا فتویٰ دیا جو کہ اسی کا مؤید ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ۔ ج۲۴۔ ص ۳۳۱ و ۳۶۲)

یہ بات تو عامۃ البشر کے بارے میں ثابت ہے تو پھر عامۃ المومنین بلکہ خاص اللہ کے ولیوں و بلکہ سید الاولین والآخرین حضرت محمد رسول اللہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔

ہم نے اس مسئلہ کو اس کتاب میں ایک خاص بحث کے تحت (مسئلہ کی اہمیت کے پیشِ نظر) "اَلْحَیَاۃُ الْبَرْزَخِیَّۃُ حَیَاۃٌ حَقِیْقِیَّۃٌ" کے عنوان اور حیاۃ خاصۃ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ائمۂ قائلینِ توسّل کے اسمائے گرامی

اس جگہ پر ان کبار ائمہ اور حفاظِ حدیث کے اسمائے مبارکہ نقل کئے جاتے ہیں جو توسل کے قائل ہیں۔

(۱) الامام الحافظ ابو عبداللہ صاحب المستدرک الحاکم نے اپنی کتاب المستدرک میں حدیثِ توسل آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذکر کرنے کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) الامام الحافظ ابوبکر البیہقی۔

انہوں نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں حضرت آدم علیہ السلام وغیرہ کی حدیث کو ذکر کیا ہے اور انہوں نے اس کا اہتمام کیا ہے کہ اپنی کتاب میں کوئی موضوع روایت ذکر نہ کریں۔

(۳) الامام الحافظ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ۔

انہوں نے اپنی کتاب الخصائص الکبریٰ میں حضرت آدم علیہ السلام کی توسل والی حدیث کو ذکر کیا ہے۔

(۴) الامام الحافظ ابوالفرج ابن الجوزی رحمہ اللہ

انہوں نے بھی اپنی کتاب الوفاء میں حدیث آدم علیہ السلام وغیرہ کو ذکر کیا ہے۔

(۵) الامام الحافظ القاضی عیاض رحمہ اللہ

انہوں نے اپنی کتاب اَلشِّفَاءُ فِی التَّعْرِیفِ بِحُقُوقِ الْمُصْطَفٰی میں باب الزیارۃ و باب فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر بہت سے ابواب ذکر کئے ہیں۔

(۶) الامام الحافظ الشیخ نور الدین القاری جو کہ ملا علی قاری کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔

(۷) العلامۃ احمد شہاب الدین الخفاجی رحمہ اللہ

انہوں نے بھی اپنی کتاب شرح شفا مسمّٰی نسیم الریاض میں توسل کے جواز کو بیان کیا ہے۔

(۸) الامام الحافظ القسطلانی رحمہ اللہ

انہوں نے اپنی کتاب "المواہب اللدنیہ" کے المقصد الاول میں ذکر کیا ہے۔

(۹) العلامۃ الشیخ محمد عبدالباقی الزرقانی رحمہ اللہ

انہوں نے بھی المواہب کی اپنی شرح میں اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے۔ ج ۱۔ ص ۴۴

(۱۰) الامام الشیخ الاسلام ابو زکریا یحییٰ النووی رحمہ اللہ

انہوں نے بھی اپنی کتاب الایضاح کے باب ۶ پر اس مسئلہ توسل کو ذکر کیا ہے۔ ص ۴۹۸۔

(۱۱) العلامہ ابن حجر الہیتمی رحمہ اللہ

انہوں نے الایضاح کے حاشیہ پر اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے (ص ۴۹۹) اور ان کا تو اس موضوع پر خاص طور سے ایک رسالہ ہے جس کا نام الجوہر المنظم ہے۔

(۱۲) الحافظ شہاب الدین محمد بن محمد بن الجزری رحمہ اللہ

انہوں نے بھی اپنی کتاب عدۃ الحصن الحصین کے دعا کے آداب کے تحت ذکر کیا ہے۔

(۱۳) العلامۃ الامام محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ

انہوں نے اپنی کتاب تحفۃ الذاکرین کے ص ۱۶۱ پر اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے۔

(۱۴) العلامۃ الامام المحدث علی بن عبدالکافی السبکی رحمہ اللہ

انہوں نے بھی اپنی کتاب شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام میں ذکر کیا ہے۔

(۱۵) العلامۃ الشیخ الحافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ

انہوں نے بھی اللہ پاک کے قول وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ کی تفسیر کے تحت مسئلہ توسّل کو ذکر کیا ہے۔ اور واقعہ العتبی کو اس اعرابی کے ساتھ جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے وقت شفاعت کی درخواست لے کر آیا تھا۔ ذکر کیا ہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور البدایۃ والنہایۃ میں آدم علیہ السلام کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کا واقعہ ذکر کیا ہے اور اس کے موضوع وغیرہ ہونے کا کوئی حکم نہیں لگایا (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۔ ص ۸۱)

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آدمی کے واقعہ کو بھی ذکر کیا ہے جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف آیا اور وسیلہ بنایا۔ اور ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کی سند صحیح ہے (ج ۱ ص ۹۱ ج ۶ ص ۳۲۴) اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں کا نشان "یا محمداہ" تھا۔

(۱۶) الامام الحافظ المحدث ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ۔

حافظ صاحب بھی اپنی کتاب فتح الباری میں اس اعرابی کے واقعہ کو ذکر کرتے ہیں جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی طرف آیا اور وسیلہ بنایا (ج ۲ ص ۴۹۷)

(۱۷) الامام المفسر ابو عبداللہ القرطبی

یہ بھی اللہ پاک کے قول "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الخ کے تحت مسئلہ توسل کے جواز کو ذکر فرماتے ہیں (ج ۵ ۔ ص ۲۶۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم سے آپکی حیات میں شفاعت کی درخواست کرتے تھے

بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم سے دنیا میں شفاعت طلب کرنا ناجائز ہے ۔ اور بعض متعصب، نادان اور متعنت قسم کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ شرک وگمراہی ہے ۔ اور اس کی دلیل اللہ پاک کا قول "قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا" پیش کرتے ہیں ۔ یہ استدلال بالکل باطل ہے! ور اس کا بطلان دو طریقہ پر ہے ۔

اول :۔ دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی طلب پر ممانعت کی کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی نص وارد نہیں ہے[۱]۔

دوم :۔ آیتِ مذکورہ اس استدلال پر بالکل دلالت نہیں کرتی بلکہ اس کا شانِ نزول اس کے علاوہ ہے جو بعض متعنت قسم کے لوگوں نے سمجھا ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ اللہ پاک کی ان خصوصیتوں کے بیان کے لئے ہے جو کہ اللہ ہی کی ملک ہیں ۔ اور یہ اس کے منافی نہیں کہ اگر وہ کسی دوسرے کو دینا چاہے تو نہیں دے سکتا ۔ وہ مالک الملک ہے جس کو چاہتا ہے ملک وبادشاہت دیتا ہے

(۱) بتوں کے بارے میں مشرکین دعوٰی کرتے تھے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں سفارشی ہوں گے اور انہی کی سفارش سے کام بنے گا اس لئے ان کی عبادت کرتے ہیں ۔ سو اول سفارشی ہونے سے معبود ہونا لازم نہیں آتا دوسرے شفیع بھی وہ بن سکتا ہے جس کو اللہ کی طرف سے سفارش کی اجازت ہو، اور صرف اسی کے حق میں سفارش کر سکتا ہے جسکو خدا پسند کرتا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ شفیع کا ماذون ہونا اور مشفوع کا مرتضیٰ ہونا لازمی ہے ۔ ان بتوں میں یہ دونوں باتیں نہیں نہ تو بتوں کا ماذون ہونا ثابت ہے ۔ اور نہ کفار کا مرتضیٰ ہونا ۔ لہٰذا ان کا دعوٰی غلط ہے ۔ برخلاف انبیاء ومومنین وصالحین وغیرہ کے کہ یہ لوگ مأذون ہیں ۔ لہٰذا استدلال باطل ہو گیا ۔ (انیس احمد مترجم)

جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے ۔ اس کی مثال میں ارشاد ربانی ہے "لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ" اس ذاتِ پاک نے خود ہی اپنی صفت مَالِكَ الْمُلْكِ بیان فرمائی ہے ۔ جبکہ اسی کا قول ہے "تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ" اور ارشادِ ربانی ہے "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا" اور ایک جگہ ارشاد ہے "وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ" ایک جگہ اور ارشاد فرمایا ہے "قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا" اور اللہ پاک نے فرمایا ہے "لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا[۱]" ایک جگہ پر مزید ارشاد ہے "وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ" تو یہ اسی طرح ہے کہ اللہ پاک جس کو چاہیں جتنا چاہیں دیں ۔ اور اللہ پاک نے وہ عزت جو کہ اسی کے لئے تھی ۔ اس نے اپنے رسولوں ومومن بندوں کے لئے بھی بنا دی ۔ اسی طرح شفاعت بھی اللہ ہی کے لئے ہے، اس نے شفاعت کرنے کا حق انبیاء ومومنین صالحین کو بھی دے دیا ۔ بلکہ عام مؤمنین کو بھی دیدیا ۔ جیسا کہ ان احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے جو معنیً متواتر ہیں ۔

اور اس میں کیا حرج ہے کہ بندہ اپنے مالک سے بعض اس کی مملوک مانگے جبکہ مالک و مسئول بیحد کریم ہو اور سائل شئے مسئول عنہ کا بیحد محتاج بھی ہو ۔ اور یہ شفاعت تو دعا ہی ہے اور دعا کی بندہ کو اجازت ہے، دعا کرنے پر قادر ہے اور دعا قبول ہوتی ہے ۔ یقیناً حضرات انبیاء کرام وصالحین مومنین کی زندگی اور وفات کے بعد قبر میں اور قیامت کے دن انکی شفاعت اللہ پاک کے سامنے قبول کی جائے گی ہر اس شخص کے بارے میں جو بھی توحید پر مرا ہو گا ۔

اور یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شفاعت کا سوال کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہارا مجھ سے شفاعت طلب کرنا شرک ہے، اپنے اللہ

(۱) ترجمہ یہ ہے کہ نہیں اختیار رکھتے سفارش کا مگر جس نے لے لیا رحمٰن سے وعدہ ۔ یعنی جن لوگوں کو اللہ پاک نے شفاعت کا وعدہ دیا ہے ۔ مثلاً ملائکہ، انبیاء، صالحین وغیرہم، وہی درجہ بدرجہ سفارش کریں گے بدون اجازت کسی کو زبان تک ہلانے کی اجازت نہ ہو گی ۔ اور سفارش بھی انہی لوگوں کی کی جائے گی جن کے حق میں سفارش کا وعدہ ہو گا، کفار کی سفارش نہ ہو گی ۔ (حاشیہ از مترجم)

سے طلب کرو اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک مت کرو۔

یہ دیکھیے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا نبی اللہ! آپ میرے لئے قیامت کے دن شفاعت فرمائیے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَنَا فَاعِلٌ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ" یعنی میں ان شاء اللہ شفاعت کروں گا۔ امام ترمذی اس کو روایت کر کے اس کو حسن فرماتے ہیں۔ (باب ماجاء فی صفۃ الصراط)

اور اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی شفاعت کا سوال کیا۔ اور یہ سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کرتے ہیں:۔

وَاَشْهَدُ اَنَّ اللّٰہَ لَا رَبَّ غَيْرُهٗ   وَاَنَّكَ مَاْمُوْنٌ عَلٰى كُلِّ غَائِبٖ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی رب نہیں اور ہر غائب کے بارے میں آپ کی شہادت مقبول ہے (یعنی بعد میں آنے والی امت کے بارے میں)

وَاَنَّكَ اَدْنَى الْمُرْسَلِيْنَ وَسِيْلَةً   اِلَى اللّٰہِ يَا ابْنَ الْاَكْرَمِيْنَ الْاَطَائِبِ

اور آپ مرسلین میں سے بحیثیت وسیلہ عند اللہ ہونے کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ اے پاک بزرگ لوگوں کی اولاد۔

اِلٰى اَنْ يَّقُوْلَ :۔ (یہانتک کہ اس نے یہ کہا)

فَكُنْ لِّيْ شَفِيْعًا يَوْمَ لَا ذُوْ شَفَاعَةٍ   سِوَاكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبٖ

آپ میرے اس دن شفیع ہیں جس دن کوئی سفارشی نہ ہوگا آپ کے علاوہ سواد بن قارب کو کوئی بھی بے نیاز کرنے والا نہیں ہے۔

(رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ) وفتح الباری ج ۷ ص۱۸۰

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مازن بن العضوب نے شفاعت طلب کی جبکہ وہ مسلمان ہو کر آئے اور یہ اشعار پڑھے۔

اِلَيْكَ رَسُوْلَ اللّٰہِ خَبَّتْ مَطِيَّتِيْ   تَجُوْبُ الْفَيَافِيْ مِنْ عُمَانَ اِلَى الْعَرَجِ

یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں اس حال میں کہ میری سواری عمان سے عرج تک کے میدان قطع کرتی آئی ہے۔

لِتَشْفَعَ لِيْ يَا خَيْرَ مَنْ وَطِئَ الْحَصَا   فَيَغْفِرَ لِيْ رَبِّيْ فَاَرْجِعَ بِالْفَلَجِ

تاکہ آپ میرے لئے شفاعت کریں اے وہ بہترین ذات جو کنکریوں پر چلنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ سو میرا رب مجھے معاف کر دے تاکہ میں کامیاب لوٹ جاؤں۔

(رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوۃ ص۷۷)

اور حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کیا تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ۷۰ ہزار لوگوں کا ذکر فرمایا جو بدوں حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے تو حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ اللہ پاک سے میرے لئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ پاک مجھے ان میں سے بنا دیں تو آپ نے فوراً بدوں توقف کے فرمایا "اَنْتَ مِنْهُمْ" کہ تم انہی لوگوں میں سے ہو۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ یہ اوّلیت کسی کو حاصل نہ ہوگی خواہ وہ کوئی بھی ہو مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محشر میں شفاعتِ کبریٰ کے بعد جیسا کہ احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے۔ یہ بھی شفاعت کی طلب کے معنیٰ میں ہے۔

اس کی بہت سی مثالیں حدیث شریف میں ہیں۔ اور یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا میں طلبِ شفاعت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض وہ ہیں کہ جنہوں نے واضح "اِشْفَعْ لِيْ" کی تعیین کے ساتھ شفاعت طلب کی۔ یا دخول جنت کو بعض نے طلب کیا۔ اور کسی نے یہ طلب کیا کہ وہ اولین و سابقین میں سے ہو جائے۔ کسی نے طلب کیا کہ وہ حوض والوں میں سے ہو جائے۔ کسی نے جنت میں پڑوس اور معیت کو طلب کیا جیسا کہ ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے کہا۔

اَسْاَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ۔   میں جنت میں آپ کے ساتھ ہونے کا آپ سے سوال کرتا ہوں۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے قول مبارک "اَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ" سے رہنمائی فرمائی۔ اور ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جنہوں نے جنت طلب کی یا جنت میں معیت مانگی یا حوضِ کوثر والوں میں سے ہونے کا سوال کیا۔ یا اہلِ جنت میں سے ہونے کی تمنا کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و

سلم نے کسی کو بھی یہ نہ فرمایا کہ یہ سوال و طلب کرنا حرام ہے۔ یا ابھی طلب کرنا جائز نہیں۔ یا ابھی وقت نہیں آیا اور تم لوگ انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ پاک شفاعت کی اجازت دیدیں۔ حالانکہ یہ جملہ امور شفاعت عظمیٰ کے بعد ہوں گے۔ اور یہ سب طلبِ شفاعت کے معنیٰ ہی ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو اس کی بشارت دی اور وعدہ فرمایا کہ ان کے دلوں کی تسکین ہوگئی اور آنکھوں کو ٹھنڈک مل گئی حاشا و کلا۔ اگر یہ ممنوع تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مداہنت یا مدارات میں اس کا حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بیان نہ فرمایا۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق بات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ آپ تو حق بات اور اصولِ دین سے دلوں کو جوڑتے تھے اور نفوس کو خوش کیا کرتے تھے۔ اور ہر قسم کے نفاق و باطل سے بہت ہی دور تھے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا میں آخرت سے قبل طلبِ شفاعت صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے حقیقۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قیامت کے دن اپنے مقام پر بھی حاصل ہوگی اور اس کے بعد اللہ پاک تمام شفاعت کرنے والوں کو شفاعت کی اجازت دیں گے۔ یہ معنیٰ نہیں کہ وقت سے پہلے دنیا میں شفاعت ملے گی۔ اور یہ درحقیقت بہت سے مومنوں کو دنیا میں جنت کی بشارت ہے کیونکہ اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ مؤمنین کو دخول جنت کا وقت معلوم نہیں۔ اللہ پاک جب اجازت دیں گے تو مومن جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کے یہ معنیٰ بھی نہیں کہ دنیا یا عالم برزخ میں جنت میں داخل ہوں گے اور عامۃ المسلمین میں سے بھی کسی عاقل کے بارے میں میرا یہ گمان نہیں کہ وہ اس کے خلاف عقیدہ رکھے گا۔ اور جب دنیا کی زندگی میں طلبِ شفاعت صحیح ہے تو آپ کی وفات کے بعد بھی شفاعت کی درخواست کرنے اور طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے حیات برزخیہ ثابت ہے۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیاء کرام سے زیادہ کامل و اعظم ہیں برزخ کی زندگی میں کیونکہ آپ کلام کو سنتے ہیں اور امت کے اعمال آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں اور آپ ان کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اللہ پاک کی حمد کرتے ہیں اور آپ پر درود شریف پڑھنے والے کا درود شریف آپ کو پہنچتا ہے اگرچہ وہ دنیا کے آخری کونے پر ہو۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ اس حدیث کو تمام حفّاظ حدیث نے صحیح قرار دیا ہے۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے او رتم خبریں دیتے ہو اور تم کو خبریں دی جاتی ہیں۔ اور میری موت بھی تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر خیر پاتا ہوں تو اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اگر کوئی برائی پاتا ہوں تو تم لوگوں کے لئے استغفار کرتا ہوں"[1] پس اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قادر ہیں کہ اللہ پاک سے دعا کریں اور سوال کریں جیسا کہ اپنی حیاتِ مبارکہ میں کرتے تھے تو بندہ اس شفاعت کو اپنے مقام پر اللہ پاک کی اجازت کے بعد پالے گا جیسا کہ دنیا میں جنت کی بشارت والے کو جنت حاصل ہوگی۔ پس وہ بھی جنت کے دخول کو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد پالے گا۔ یہ اور وہ برابر ہیں۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے اور ہمارے دلوں میں یہ بات راسخ ہے۔

علّامہ ابنِ تیمیّہ رحمہ اللہ کے نزدیک آیاتِ شفاعت کی تفسیر

اس سے دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلبِ شفاعت کا جواز مستفاد ہوتا ہے۔ شیخ نے ان آیاتِ کریمہ کا بیحد نفیس حل ذکر کیا ہے جو آیاتِ شفاعت کے ممنوع ہونے اور عدمِ انتفاع اور طلبِ شفاعت سے نہی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی بعض لوگوں نے دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت کے ممنوع ہونے پر بھی ان آیات سے استدلال کیا ہے۔ شیخ کے کلام سے ان آیات کے معنی یں یہ اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان آیات سے استدلال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ منکرین لوگوں نے ان آیات کو اپنے محل و مقام سے ہٹا دیا ہے۔ اور ان آیات کے معانی کو بدل دیا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ منکرینِ شفاعت نے اللہ پاک کے قول "وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ" الخ اور "لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ" اور "مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ" اور "فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ" کو دلیل بنایا ہے۔ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ اس سے دو چیزیں مراد ہیں

اول یہ ہے کہ مشرکین کو شفاعت کا نفع نہ پہنچے گا۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:-

---

(۱) وهذا الحديث صححه من الحفاظ العراقي والهيثمي والقسطلاني والسيوطي واسماعيل القاضي وقد فصلنا تخريجه في غير من المواضع

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ۔

تم کو اس دوزخ کی آگ میں کس چیز نے ڈال دیا تو وہ کہیں گے کہ ہم نہ تو نماز پڑھتے تھے اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم بحث کرنیوالوں کے ساتھ بحث کرنے میں لگ جاتے تھے ۔ پھر ان کے کام نہ آئے گی سفارش کسی سفارش کرنے والے کی ۔

اللہ پاک نے ان لوگوں سے شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کے سودمند ہونے کی نفی فرمادی ہے ۔ کیونکہ یہ لوگ کفار ہیں ۔

دوم :۔ یہ ہے کہ اس شفاعت سے مراد اس شفاعت کی نفی ہے جس کو مشرکین ثابت کرتے تھے ۔ اور ان جیسے اہل بدعت و اہلِ کتاب اور وہ مسلمان جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ مخلوق اللہ پاک کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرنے کی قدرت رکھتی ہے تو اس شفاعت کی بھی نفی فرمائی ہے جیساکہ بعض لوگ بعض کے پاس جاکر سفارش کر دیتے ہیں اور جس کے سامنے سفارش کی گئی ہے وہ سفارش کرنے والے کی سفارش کو اس کی ضرورت وحاجت کی وجہ سے طوعًا وکرھًا قبول کرلیتا ہے اور مخلوق ، مخلوق کے ساتھ معاوضہ کی صورت میں معاملہ کرتے ہیں ۔

اور مشرکین نے بھی اللہ پاک کے علاوہ فرشتوں اور انبیاء وصالحین کو اپنا شفیع بنالیا تھا اور ان کی مثالی صورتیں بناتے تھے اور ان صورتوں سے استشفاع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کے خواص ہیں ۔

یہ شیخ ابن تیمیہ کا کلام انہی کے الفاظ میں ہے ۔ اس کلام سے ان آیات کی حقیقت بخوبی واضح ہوجاتی ہے ۔ جن آیات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا میں طلب شفاعت کے منکر استدلال کرتے ہیں اور طلب شفاعت کو شرک وگمراہی کہتے ہیں ۔ شیخ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ مشرکین کو شفاعت کا کوئی نفع نہ ہوگا ۔ آیات اسی بارے میں نازل ہوئی ہیں ۔ یا پھر یہ مراد ہے کہ اس شفاعت کی نفی ہے جس کو اہلِ شرک ثابت کرتے تھے ۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھاجائے کہ شفاعت کرنیوالا اللہ کی اجازت کے بغیر بھی شفاعت کا مالک ہے ۔ اور شیخ نے

یہ جو کچھ ذکر کیا ہے ہمارا بھی اللہ کے فضل سے یہی عقیدہ ہے ۔ اور ہم تو یہی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنیوالا اگر یہ عقیدہ رکھے یا یہ گمان کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پاک کی اجازت کے بغیر بھی شفاعت کرنے کی قدرت رکھتے ہیں تو یہ شرک وگمراہی ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ۔ حاشا وکلا کہ ہمارا یہ عقیدہ ہو یا ہم یہ گمان کریں ۔ اور ہم تو اس سے اللہ پاک کے سامنے برات کرتے ہیں اور ہم بھی شفاعت طلب کرتے ہیں تو کلیتہً یہی عقیدہ رکھتے ہیں ۔ اور اسی عقیدہ سے کرتے ہیں کہ اللہ پاک کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شفاعت نہیں کرسکتا ۔ اور اللہ کی رضاء وتائید کے بغیر کچھ بھی واقع نہیں ہوسکتا ۔ اسی طرح دخولِ جنت اور حوضِ کوثر پر شرب ماء اور پلصراط پر نجات وغیرہ کو طلب کرنا یہ سب اپنے وقت میں اللہ پاک کی اجازت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا ۔ اس میں کوئی بھی عاقل شک نہیں کرسکتا ۔ اور طالب علموں میں سے جس کو کچھ بھی معرفت اور کتبِ سلف کے پڑھنے سے مناسبت ہے اس پر بھی یہ بات مخفی نہیں ہوسکتی ۔ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ أَقْفَالَ قُلُوبِنَا وَنَوِّرْ أَبْصَارَنَا ۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

بغیر کسی شک وشبہ کے ہمارا عقیدہ جازمہ لازمہ ہے کہ استغاثہ واستعانت ، سوال ونذر وطلب میں اصل اللہ جل شانہٗ ہی کی ذات ہے ۔ وہی معین ومجیب ہے ۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے :۔

وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ

(سورۂ یونس پ ۱۱)

اللہ کے علاوہ کسی کو مت پکارو جو نہ تم کو نفع دے سکتا ہے اور نہ کوئی ضرر دے سکتا ہے اگر آپ بھی ایسا کریں گے تو آپ بھی ظالموں میں سے ہونگے ۔ اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو کوئی اس کو دور کرنیوالا نہیں ہے سوا اس کے ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو پکارے اللہ کے سوا کسی کو جو اس کی پکار کو نہ پہنچے قیامت کے دن تک۔

ایک جگہ ارشاد ہے۔

فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ۔

سو تم ڈھونڈو اللہ کے یہاں ہی روزی۔ اور بندگی کرو اس کی اور شکر ادا کرو اس کا

اور اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔

بھلا کون پہنچتا ہے بیکس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور سختی کو دور کرتا ہے۔

تمام قسم کی عبادات صرف اللہ جل شانہٗ ہی کے لئے کرنی چاہئیں۔ اور غیر اللہ کوئی بھی ہو۔ اس کے لئے عبادت کرنا ناجائز و حرام ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔

آپ کہہ دیجئے میری نماز و قربانی و حج و میری زندگی و موت اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں اسی کا مامور ہوں اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

اللہ ہی کے لئے نذر ہے۔ اللہ ہی کے لئے دعا ہے اور اللہ ہی کے لئے قربانی و ذبح ہے۔ اور اللہ ہی سے استغاثہ و استعاذہ و استعانت ہے اور اللہ ہی کی قسم کھانی ہے۔ اللہ ہی پر بھروسہ ہے۔ وہ ذات پاک ہے ان تمام باتوں سے جو مشرکین اس کے ساتھ بطور شریک کرتے ہیں۔

ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ پاک نے بندوں کو اور ان کے افعال کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کا کوئی اختیار نہیں، نہ کسی زندہ کا اور نہ کسی مردہ کا۔ اور اللہ پاک کے ساتھ فعل و ترک اور رزق و زندہ کرنے اور مارنے میں کوئی شریک نہیں۔ مخلوق میں سے کوئی بھی مستقل طور پر کسی بھی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قادر نہیں، چاہے اکیلے، چاہے اللہ کے ساتھ شریک ہو کر یا غیر اللہ کے ساتھ شریک ہو کر

تمام جہانوں میں تصرف کرنیوالی ایک اللہ سبحانہٗ ہی کی ذات ہے، کوئی بھی کسی چیز کا مالک نہیں مگر یہ کہ اللہ پاک مالک بنا دیں اور تصرف کی اجازت دے دیں۔ اپنی ذات کے لئے بھی نفع و ضرر، حیات و موت اور مرنے کے بعد اٹھنے کا کوئی مالک نہیں ہے الّا ما شاء اللہ۔ اللہ کے حکم سے نفع و ضرر اس حد میں محدود اور اس قید کے ساتھ مقید ہے اور نفع و ضرر وغیرہ کی مخلوق کی طرف نسبت سبب اور کسب کے اعتبار سے ہے نہ کہ خلق و ایجاد و تاثیر و علت و قوت وغیرہ کے اعتبار سے اور حقیقت میں یہ نسبت مجازی ہے نسبت حقیقی نہیں ہے۔ ان حقائق کو تعبیر کرنے اور بیان کرنے میں لوگوں کے انداز بیان مختلف ہیں

بعض لوگوں نے مجاز کے استعمال میں بہت زیادتی کی ہے حتیٰ کہ لفظی اشتباہ میں پڑ گئے۔ حالانکہ وہ اس سے بری ہیں اور ان کا دل کمال توحید اور تنزیہ پر پختگی کے ساتھ قائم ہے۔ اور بعض لوگوں نے حقیقت کو حد اعتدال سے بھی زائد پکڑا اور وہ لوگ اس کی وجہ سے دشمنی و تشدد تک پہنچ گئے۔ اور ان کے عقیدہ کے خلاف جو کہے اس کے ساتھ برا معاملہ کرنے لگے اور لوگوں پر وہ الزامات لگانے لگے جو ان کی مراد بھی نہ ہوں۔ اور ان لوگوں نے دوسروں پر وہ حکم لگائے جس سے وہ بری تھے۔

اعتدال ضروری ہے اور ان تمام امور سے دور رہنا بھی ضروری ہے۔ یہی دین کو محفوظ رکھنے والا اور مقام توحید کی حفاظت کرنے والا ہے۔

جو امور اللہ کے ساتھ خاص ہیں اس کو بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بہت ہی عمدہ مفید خلاصہ ذکر کیا ہے۔ بالکل ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے اور اس کے ساتھ ہم اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ کیونکہ ہمارا عقیدہ سلفیہ ہے اور ہمارا طریقہ محمدیہ ہے۔ اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں جو شیخ نے فرمایا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ حرانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کا ایک حق ہے، اس میں کوئی مخلوق شریک نہیں۔ عبادت بھی اللہ پاک کے سوا کسی کے لئے صحیح نہیں ہے۔ اسی سے دعا کرنی چاہیئے، اسی کو پکارنا چاہیئے۔ اسی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اسی کی طرف رغبت کرنی چاہیئے اور اسی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ سے ڈرنا چاہیئے۔ وہی جائے پناہ ہے۔ وہی نجات دینے والا ہے نیکی کی توفیق بھی وہی دیتا ہے۔ سیئات کو وہی مٹاتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی نہ تو گناہ سے روک سکتا ہے اور نہ نیکی کی توفیق دے سکتا ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ۔

اللہ کے ہاں کوئی شفاعت فائدہ نہیں دیتی سوائے اس کے جس کی وہ اجازت دے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔

اللہ کی اجازت کے بغیر کس کی مجال ہے کہ اس کے ہاں شفاعت کر سکے۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا وَ كُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا۔

نہیں ہے کوئی بھی آسمانوں اور زمینوں میں جو نہ آئے رحمٰن کا بندہ بن کر اسی کے پاس ان کی شمار ہے اور گن رکھی ہے گنتی ہر ایک کی ان میں سے۔ اس کے سامنے قیامت کے دن اکیلا آئے گا۔

اور ارشاد ربانی ہے:۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَخْشَى اللّٰهَ وَیَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور بچکر چلے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

طاعت اللہ و رسول دونوں کے لئے ہے۔ اور خشیت و تقوٰی صرف اللہ پاک کے لئے ہے۔ اسی طرح اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ۔ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ۔

اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اسی پر جو اللہ و رسول نے ان کو دیا ہے اور کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ اپنے فضل سے ہم کو دے گا اور اس کا رسول۔ ہم کو تو صرف اللہ پاک ہی چاہییں۔

دینا تو اللہ و رسول دونوں کے لئے ہے اور توکل صرف اللہ ہی کی ذات پر اور رغبت بھی صرف اسی کا حصہ ہے۔[1]

---

(۱) کذا فی الفتاوی۔ ج ۱۱ ص ۹۸

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ اور آپ سے استعانت کا مطلب

ہم نے ماقبل میں ذکر کیا ہے کہ ہمارا عقیدہ جازمہ جس میں کوئی شک و شبہ نہیں، یہ ہے کہ استعانت واستغاثہ وطلب وندا وسوال میں اصالۃً اللہ پاک ہی کی ذات ہے۔ وہی معین ومغیث ومجیب ہے اللہ پاک کا ارشاد ہے "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ" جو شخص بھی مخلوق سے اس عقیدہ سے استغاثہ واستعانت ونداء وسوال وطلب کرے خواہ وہ مخلوق زندہ ہو یا مردہ کہ یہ مخلوق مستقل بنفسہٖ اللہ کے حکم کے بدوں ہی نفع وضرر دے سکتی ہے تو اس شخص نے یقیناً کفر کیا لیکن اللہ پاک نے اجازت دی ہے کہ بعض انسان دوسرے بعض انسانوں سے مدد طلب کر سکتے ہیں۔ اور بعض انسان دوسرے بعض انسانوں سے استغاثہ کر سکتے ہیں۔ اور اللہ پاک نے حکم دیا ہے کہ جس سے مدد طلب کی جائے وہ مدد کرے اور جس سے استغاثہ کیا جائے وہ مدد کو پہنچے۔ جس کو ندا دی جائے وہ ندا کو قبول کرے۔ اس پر بے شمار احادیث دلالت کرتی ہیں۔ اور تمام احادیث مظلوم کی مدد کرنے اور اعانتِ محتاج و آپس کی پریشانیوں کو دور کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

غموں کے زائل کرانے اور حاجات کو پورا کرانے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عظیم و بڑا وسیلہ کونسا ہوگا۔ قیامت کے دن کی سختی سے زیادہ شدید سختی کونسی ہوگی۔ جب وقوف طویل ہوگا۔ بھیڑ بہت ہوگی۔ گرمی کئی درجہ شدید ہوگی۔ پسینہ منہ تک پہنچا ہوا ہوگا۔ جس کے لئے اللہ پاک چاہیں گے سختی انتہا کو پہنچی ہوگی۔ لوگ اللہ کی بارگاہ میں خیر خلق اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر استغاثہ کریں گے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے "وَبَیْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ اسْتَغَاثُوْا بِاٰدَمَ" اس حدیثِ پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استغاثہ کے لفظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور یہی لفظ صحیح بخاری شریف میں ہے۔ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم سے مدد طلب کرتے اور استغاثہ کرتے اور شفاعت طلب کرتے تھے اور اپنے احوال فقر، مرض، مصیبت وقرض وادائے قرض سے عجز وغیرہ کو بیان کرتے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب وغیرہ اسی عقیدہ سے کرتے تھے کہ آپ تو ایک واسطہ ہیں اور نفع وضرر میں سبب ہیں اور فاعل تو حقیقۃً اللہ پاک ہی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نسیان کی شکایت کرنا

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اپنے بھول جانے کی شکایت کی کہ جب بھی آپ سے حدیثِ پاک سنتے ہیں تو بھول جاتے ہیں :-

فَقَالَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ : یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! اِنِّیْ اَسْمَعُ مِنْكَ حَدِیْثًا كَثِیْرًا فَاَنْسَاہُ فَاُحِبُّ اَنْ لَّا اَنْسٰی فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اُبْسُطْ رِدَآءَكَ ، فَبَسَطَہٗ فَقَذَفَ بِیَدِہِ الشَّرِیْفَةِ مِنَ الْھَوَآءِ فِی الرِّدَآءِ ثُمَّ قَالَ ضُمَّہٗ فَضَمَّہٗ ، قَالَ اَبُوْ ھُرَیْرَةَ : فَمَا نَسِیْتُ شَیْئًا بَعْدُ۔

(رواہ البخاری)

(کتاب العلم ۔ باب حفظ العلم ۔ رقم الحدیث ١١٩)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ۔ یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت سی احادیث سنتا ہوں ۔ پھر بھول جاتا ہوں ۔ میں چاہتا ہوں کہ نہ بھولا کروں ۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلاؤ تو انہوں نے اپنی چادر پھیلا دی ۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ہوا کو لے کر انکی چادر میں ڈال دیا ۔ پھر فرمایا کہ اس کو ملا دو تو انہوں نے اس چادر کو سمیٹ دیا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں کبھی بھی کچھ بھی نہیں بھولا ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عدمِ نسیان کو طلب کیا اور اس پر صرف اللہ جلّ شانہٗ ہی کی ذات قادر ہے ۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ انکار کیا ۔ اور نہ شرک کے ساتھ متہم کیا ۔ اور موحّد یہ بات جانتا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی بزرگ وعند اللہ مرتبہ والے سے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس چیز کو پیدا کرے اور نہ ہی ان کے بارے میں خالق ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے ۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے جوان کو دعا ر وتصرف وغیرہ کی قوت دے رکھی ہے ۔ اس کے ذریعہ سے اللہ پاک کی بارگاہ میں مطلوب کے حصول کا ذریعہ بنے ۔

اور تم نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد کو پورا کیا اور واپس نہیں کیا کہ وہ اس کے لئے اللہ سے دعا کریں ۔ اور ہوا سے ایک مٹھی بھر کر ان کی چادر میں ڈال دی اور حکم دیا کہ اس کو اپنے سینے سے مل دو ۔ پس اللہ پاک نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی قضائے حاجت کے لئے اس کو ایک سبب بنا دیا ۔ اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ نہ فرمایا کہ تم کو کیا ہو گیا ، مجھ سے کیوں سوال کرتے ہو ۔ اللہ پاک مجھ سے زیادہ تمہارے قریب ہے ۔ ؟ کیونکہ ہر آدمی جانتا ہے کہ قضائے حاجت کے لئے اسی سے مدد مانگی جاتی ہے جس کے قبضہ میں اختیارات ہوتے ہیں ۔ بلکہ طالب کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ شفاعت کرنے والا اللہ پاک سے زیادہ قرب رکھتا ہے ۔ اور اس کا مرتبہ اللہ کے نزدیک زیادہ ہے ۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا حضور سے اپنی آنکھ کی درستگی کے لئے استغاثہ

وَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ قَتَادَةَ بْنَ النُّعْمَانِ اُصِیْبَتْ عَیْنُہٗ فَسَالَتْ حَدَقَتُہٗ عَلٰی وَجْنَتِہٖ فَاَرَادُوْا اَنْ یَّقْطَعُوْھَا فَقَالَ : لَا حَتّٰی اَسْتَاْمِرَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ، فَاسْتَاْمَرَہٗ فَقَالَ : لَا ، ثُمَّ وَضَعَ رَاحَتَہٗ عَلٰی حَدَقَتِہٖ ثُمَّ غَمَزَھَا فَعَادَتْ كَمَا كَانَتْ ، فَكَانَتْ اَصَحَّ عَیْنَیْہِ ۔

(رواہ البغوی وابو یعلی الاصابہ ٣/٢٢٥)

حضرت قتادہ بن نعمان رضؓ سے ثابت ہے کہ ان کی آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل کر چہرہ پر آ گیا ۔ تو لوگوں نے چاہا کہ آنکھ کی رگ کو کاٹ دیں تو انہوں نے کہا کہ نہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کر لوں ۔ تو آپ نے مشورہ میں فرمایا ۔ نہیں ۔ پھر اپنی ہتھیلی کے ذریعے قتادہ کی آنکھ کے ڈھیلے کو حلقہ میں رکھ دیا تو پھر وہ ٹھیک ہو گئی جیسی تھی ۔ بلکہ پہلے سے اچھی ۔

دمبل کے ٹھیک ہونے کے لئے ایک اور صحابی رضؓ کی استعانت

عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عُقْبَةَ بْنِ شُرَحْبِیْلَ عَنْ جَدِّہٖ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْہِ

محمد بن عقبہ بن شرحبیل بن عبدالرحمٰن اپنے دادا عبدالرحمٰن اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں

قَالَ : اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِكَفِّيْ سِلْعَةٌ فَقُلْتُ : يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ! هٰذِهِ السِّلْعَةُ قَدْ اَوْرَمَتْنِيْ لِتَحُوْلَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ قَائِمِ السَّيْفِ اَنْ اَقْبِضَ عَلَيْهِ وَعَنْ عِنَانِ الدَّابَّةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اُدْنُ مِنِّيْ، قَالَ فَدَنَوْتُ فَفَتَحَهَا فَنَفَثَ فِيْ كَفِّيْ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى السِّلْعَةِ فَمَا زَالَ يَطْحَنُهَا بِكَفِّهٖ حَتّٰى رَفَعَ عَنْهَا وَمَا اَرٰى اَثَرَهَا

(رواہ الطبرانی) مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۸

کہ ان کے والد نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ہاتھ میں ایک دمبل (زخم) تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ دمبل (زخم) ہے۔ سواری کی لگام اور تلوار پکڑنے میں مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے قریب ہو جا۔ پس میں آپ کے قریب ہو گیا پھر اس دمبل کو کھولا اور میرے ہاتھ میں پھونک ماری اور اپنے دستِ مبارک کو دمبل پر رکھ دیا اور دباتے رہے۔ حتیٰ کہ جب ہاتھ ہٹایا تو مجھے کوئی اثر ہی نہیں رہا تھا۔

حضرت معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کی استعانت

بدر کے دن عکرمہ بن ابی جہل نے دورانِ قتال معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کے کندھے پر مارا۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ عکرمہ نے میرے ہاتھ پر مارا اور وہ کھال میں لٹکا ہوا رہ گیا۔ میں نے اس لٹکے ہوئے ہاتھ کو اپنے پیچھے ڈال دیا اور دن بھر لڑتا رہا لیکن جب اس کے لٹکنے سے تکلیف ہونے لگی تو میں نے اسے پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا حتیٰ کہ وہ کھال بھی ٹوٹ گئی۔ میں نے اس کو پھینک دیا۔ اور المواہب میں ہے کہ حضرت معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ کو لٹکائے ہوئے جس پر عکرمہ نے حملہ کیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جیسا کہ قاضی عیاض نے ابن وہب سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک لگایا تو ان کا ہاتھ جڑ گیا۔ اس قصہ کو زرقانی نے ذکر کیا ہے اور ابن اسحاق کی طرف اس کا اسناد کیا ہے۔ اور انہی کے طریق سے حاکم نے بھی ذکر کیا ہے۔

مصیبت میں آپ کے واسطہ سے استعانت و استغاثہ

نصوصِ صحیحہ سے یہ ثابت اور مشہور ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کوئی مصیبت اور قحط وغیرہ پہنچا اور بارش بند ہو جاتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کرتے۔ اللہ پاک کی بارگاہ میں آپ کو وسیلہ و شفیع و مدد طلب کرنے والا بنا کر اپنے حال کو بیان کرتے اور جو مصیبت و پریشانی ہوتی اس کا شکوہ کرتے۔

فَهٰذَا اَعْرَابِيٌّ يُنَادِيْهِ وَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَقُوْلُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! هَلَكَتِ الْاَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّغِيْثَنَا فَدَعَا اللّٰهَ وَجَاءَ الْمَطَرُ اِلَى الْجُمُعَةِ الثَّانِيَةِ فَجَاءَ وَقَالَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِيْ، يَعْنِيْ مِنْ كَثْرَةِ الْمَطَرِ فَدَعَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْجَابَ السَّحَابُ وَصَارَ الْمَطَرُ حَوْلَ الْمَدِيْنَةِ۔

(رواہ البخاری) فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۵

ایک اعرابی تھے انہوں نے دوران خطبہ ہی آواز دی اور کہا یا رسول اللہ! جانور ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع ہو گئے۔ آپ اللہ پاک سے دعا فرمائیے کہ اللہ پاک بارش کر دیں۔ آپ نے دعا فرمائی اور دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ پھر وہ اعرابی آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! گھر گر گئے اور راستے بند ہو گئے، مویشی وغیرہ ہلاک ہو گئے شدید بارش کی وجہ سے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، بادل کھل گیا اور بارش مدینہ منورہ کے ارد گرد ہونے لگی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے ہیں کہ ہمارے پاس نہ کوئی اونٹ بچا ہے جو بلبلا رہا ہو۔ اور نہ کوئی سانس لینے والا بچہ باقی رہا ہے۔ اور یہ اشعار پڑھے۔

اَتَیْنَاکَ وَالْعَذْرَاءُ یُدْمِیْ لِبَانُهَا   وَقَدْ شَغَلَتْ اُمُّ الصَّبِیِّ عَنِ الطِّفْلِ

ہم آپ کے پاس اس حال میں آئے ہیں کہ کنواری عورتوں کے پستانوں میں سے دودھ کے بجائے خون نکلتا ہے اور بچہ کی ماں اپنے بچہ سے غافل ہے۔

وَاَلْقٰی بِکَفَّیْهِ الْفَتٰی اِسْتِکَانَةً   مِنَ الْجُوْعِ ضُعْفًا مَّا یُمِرُّ وَلَا یُحْلِیْ

جوانوں کی بھوک کی وجہ سے حالتِ ضعف ایسی ہے کہ چل پھر نہیں سکتے۔

وَلَا شَیْءَ مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ عِنْدَنَا   سِوَی الْحَنْظَلِ الْعَامِیْ وَالْعِلْهِزِ الْفَسْلِ

ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں کہ انسان اس کو کھا سکیں سوائے خود رو ابلوے اور علہز مغسول کے(۱)

وَلَیْسَ لَنَا اِلَّا اِلَیْکَ فِرَارُنَا   وَاَیْنَ فِرَارُ النَّاسِ اِلَّا اِلَی الرُّسُلِ

ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ بھاگ کر آپ کے پاس آئیں۔ اور لوگ رسولوں کے علاوہ کس کے پاس جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک سنبھالتے ہوئے اٹھے اور منبر پر تشریف لا کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے فرمایا:۔

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُّغِیْثًا مَرِیْئًا مُّرِیْعًا غَدَقًا طَبَقًا نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَیْرَ رَائِثٍ تَمْلَأُ بِهِ الضَّرْعُ وَتُنْبِتُ بِهِ الزَّرْعُ وَتُحْیِیْ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔

اے اللہ! ہم پر ایسی بارش فرما جو فریاد رسی کرنیوالی ہو، خوشگوار اور ارزانی کرنیوالی ہو نفع پہنچانے والی ہو نہ کہ ضرر پہنچانے والی۔ جلدی برسنے والی ہو نہ کہ دیر سے برسنے والی۔ جس سے جانوروں کے تھن بھر جائیں اور کھیتی خوب ہو۔ اور زمین اپنی مردگی کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائے

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ نیچے نہ کئے تھے کہ آسمان اپنی اطراف کے ساتھ برسا اور لوگ ڈوبنے کے خوف سے کہتے ہوئے آئے۔ تو پھر نبی صلی اللہ علیہ و

(۱) اہل جاہلیت روئی کو خون میں ڈبو کر آگ پر بھون کر قحط کے زمانہ میں کھایا کرتے تھے۔ جیسا کہ اس معنی کو لسان العرب میں مادہ علہز کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

سلم نے فرمایا "حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا" اور بادل مدینہ منورہ سے چھٹ گئے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۱۴۱)

دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بادل کی طرف اغاثہ ونفع وغیرہ کی اسناد علی سبیل المجاز کی ہے اور شاعر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا قول پیش کیا "لَیْسَ لَنَا اِلَّا اِلَیْکَ فِرَارُنَا" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شرک نہ فرمایا۔ کیونکہ اس میں حصر اضافی ہے۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ پاک کا قول "فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰهِ" مخفی تھا۔ جب کہ آپ ہی پر نازل ہوا تھا۔ اور معنی یہ ہے کہ آپ ہی کی طرف فرار مرجو کا نفع یقینی ہے نہ کہ آپ کے غیر کی طرف۔ اسی طرح رسولوں کی طرف فرار کا نفع یقینی ہے۔ کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانے کے زیادہ مناسب ہیں۔ اور اللہ پاک حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہی التجا کرنے والوں کی حوائج کو پورا فرماتے ہیں۔ اور شاعر کی بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید تاثر میں غور کرو۔ فوراً آپ کی ان کی مدد کو پہنچنے پر غور کرو کہ شعر سنتے ہی چادر سنبھالتے ہوئے ممبر پر تشریف لے گئے۔ اتنی مہلت نہ دی کہ چادر مبارک پہلے سنبھال لیتے۔ بلکہ ان کی مدد میں پہنچنے میں جلدی فرمائی۔

یُصَلِّیْ عَلَیْهِ اللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهٗ   بِهٰذَا بَدَا لِلْعَالَمِیْنَ کَمَالُهٗ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے باعثِ قوت وسببِ حفاظت وجائے پناہ ہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حسان بن ثابت نے ندا دی اور آپ کو موصوف کیا اس رکن کے ساتھ جس پر اعتماد کرتے ہیں اور جائے پناہ کے ساتھ کہ جہاں لوگ پناہ لیتے ہیں۔

یَا رُکْنَ مُعْتَمَدٍ وَّعِصْمَةَ لَائِذٍ   وَمَلَاذَ مُنْتَجِعٍ وَّجَارَ مُجَاوِرٍ

اے بھروسہ کرنے والے کے لئے باعث قوت، پناہ پکڑنے والے کے لئے پناہ اور خائف کے لئے ملجا اور جوار حاصل کرنے والے لئے پڑوس۔

یَا مَنْ تَخَیَّرَهُ الْاِلٰهُ لِخَلْقِهٖ   فَحَبَاهُ بِالْخُلُقِ الزَّکِیِّ الطَّاهِرِ

اے وہ ذات جس کو اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے منتخب فرمایا۔ پھر آپ کو مزکی وطاہر اخلاق سے نوازا۔

اَنْتَ النَّبِیُّ وَخَیْرُ عُصْبَةِ اٰدَمٍ   یَا مَنْ یَجُوْدُ کَفَیْضِ بَحْرٍ زَاخِرٍ

آپ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آدم کی بہترین اولاد ہیں۔ اے وہ ذات جو موجیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح سخاوت کرتی ہے۔

مِیْکَالُ مَعَكَ وَجِبْرِیْلُ کِلَاھُمَا مَدَدٌ لِنَصْرِكَ مِنْ عَزِیْزٍ قَادِرٍ

جبرئیل ومیکائیل دونوں آپ کے ساتھ اللہ عزیز قادر کی طرف سے آپ کی مدد کے لئے ہیں۔ (الاصابۃ ج ۱ ص ۲۶۴ ، الروض الانف ج ۲ ص ۹۱)

حضرت حمزہ خیر کے کام کرنیوالے اور کاشفِ کربات ہیں

عَنِ ابْنِ شَاذَانَ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ: مَارَاَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَاکِیًا قَطُّ اَشَدَّ مِنْ بُکَائِہٖ عَلٰی حَمْزَۃَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَضَعَہٗ فِی الْقِبْلَۃِ ثُمَّ وَقَفَ عَلٰی جَنَازَتِہٖ وَانْتَحَبَ حَتّٰی نَشَغَ مِنَ الْبُکَآءِ یَقُوْلُ: یَاحَمْزَۃُ یَاعَمَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَسَدَ اللّٰہِ وَاَسَدَ رَسُوْلِہٖ یَاحَمْزَۃُ یَافَاعِلَ الْخَیْرَاتِ ، یَا حَمْزَۃُ یَاکَاشِفَ الْکُرُبَاتِ، یَا ذَابُّ عَنْ وَّجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ -اھ

(من المواھب اللدنیۃ ج ۱ ص ۲۱۳)

ابن شاذان نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کی وفات پر جتنا روتے ہوئے دیکھا اتنا کسی کی وفات پر روتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (آپ حضرت حمزہ کی وفات پر بہت روئے تھے) ان کو قبلہ کی جانب رکھا پھر ان کے جنازہ پر کھڑے ہو گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ حتی کہ رونے کی وجہ سے سسکی بندھ گئی اور فرماتے تھے یا حمزۃُ ، یا عمّ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، و اسد اللہ و اسد رسولہ ، یا حمزۃُ ، یا فاعل الخیرات و یا حمزۃُ یا کاشف الکربات ، یا ذاب عن وجہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حیات وموت میں کوئی فرق نہیں

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرنا اور آپ کی خدمت میں اپنے حال کا شکوہ کرنا اور طلبِ شفاعت ومدد اور جو بھی اس طرح کی چیزیں ہیں وہ سب آپ کی حیاتِ طیبہ میں صحیح ہیں۔ آپ کی موت کے بعد کفر وشرک ہے۔ اور بعض وقت تسامح کرتے ہوئے غیر مشروع یا ناجائز ہیں

تو ہم اس کو یہ جواب دیتے ہیں اگر استغاثہ وتوسل وغیرہ آپ کی حیاتِ مبارکہ میں صحیح ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو سن لو، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام اور دیگر اللہ کے نیک بندے رضی اللہ عنہم اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ سے استغاثہ وتوسّل کی صحت کی دلیل فقیہہ کے لئے صرف قیاس کافی ہیں کہ وہ فقیہہ حیاتِ طیبہ میں استغاثہ وتوسل کی صحت پر قیاس کرلے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیّ الدارین ہیں اور اپنی امت پر ہمیشہ عنایات فرماتے ہیں آپ کی امت میں سے جو لوگ آپ پر درود شریف پڑھتے ہیں، وہ آپ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا جاتا ہے اور امت کا سلام بھی آپ کو پہنچتا ہے۔ اور امت کے بڑے بڑے امور میں اللہ کے حکم سے تصرف فرماتے ہیں۔ اور امت کے احوال سے باخبر ہیں۔ اور جس کا علم ارواح کے بارے میں وسیع ہے وہ اس کو جانتا ہے۔ کہ اللہ پاک نے ان ارواح کو خصوصاً ارواحِ عالیہ کو کن خصوصیات سے نوازا ہے تو اس کا ایمان بھی ان باتوں پر خوب پختہ ہو جائے گا۔ اور جب عام ارواح کا یہ حال ہے تو پھر روح الارواح اور نور الانوار حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کا کیا حال ہوگا۔

اگر طلبِ شفاعت یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرنا یا آپ کو وسیلہ بنانا شرک وکفر ہے جیسا کہ ان لوگوں کا وہم ہے تو پھر دنیا کی زندگی ہو یا آخرت کی زندگی ہو یا قیامت کا دن ہو یا اس سے پہلے ہر حال میں ناجائز ہوگا۔ کیونکہ شرک وکفر تو اللہ کو ہر حال میں ناپسند ہے۔

ایک باطل دعویٰ

یہ دعویٰ کرنا کہ میت کسی بھی چیز پر قادر نہیں ہوتا، باطل ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ رکھنا کہ میت مٹی ہوجاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بالکل جہالت کی وجہ سے ہے۔ بلکہ اجسام سے جدا ہونے کے بعد ارواح کی حیات وبقا کے ثبوت کے بارے میں اللہ جل شانہ کا جو ارشاد ہے، اس سے بھی جہالت کی وجہ سے ہے۔ اور اس سے بھی جہالت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن ارواح کو پکار کر فرمایا۔ (یَا عُتْبَۃَ بْنَ رَبِیْعَۃَ، یَا عَمْرَو بْنَ ھِشَامٍ، یَا فُلَانُ، یَا فُلَانُ) ہمارے رب نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا، ہم نے وہ حق و سچ پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو حق و سچ پایا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم لوگ میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ (کتاب الروح لابن قیم ص ۲۳)

اور اسی قبیل سے اہلِ قبور کو سلام کرنا اور ان کو اس طرح ندا دینا (اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ) بھی ہے۔ عذابِ قبر اور قبر کی نعمتوں اور ارواح کے آنے جانے وغیرہ کے اثبات کی اسلام میں بیشمار دلیلیں ہیں۔ اور اہلِ فلسفہ نے ہر زمانہ میں قدیمًا وحدیثًا اس کو ثابت کیا ہے۔ ہم اس جگہ صرف ایک سوال پر اقتصار کرتے ہیں۔

سوال: اللہ جل شانہ کے یہاں شہداء کی حیات کا ان لوگوں کا عقیدہ ہے یا نہیں۔ اگر عقیدہ حیات کا نہیں تو ان سے ہمارا کوئی کلام ہی نہیں۔ کیونکہ یہ تو تکذیب قرآن ہے۔ جیسا کہ شہداء کی حیات کا قرآن میں ذکر ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ۔ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۵۴)	جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ مردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں تم حواس سے ادراک نہیں کرسکتے۔
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ○ (سورۃ آل عمران آیت ۱۶۹)	جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو۔ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے۔

اور اگر ان کا شہداء کی حیات کا عقیدہ ہے تو ہم ان سے کہتے ہیں! حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بہت سے بڑے بڑے مؤمنین صالحین جو کہ شہید بھی نہیں جیسے کہ بڑے بڑے صحابہؓ وہ یقینًا بلا کسی شک وشبہ کے شہداء سے افضل ہیں۔ جب شہداء کے لئے حیات کا ثبوت نص قطعی سے ثابت ہے تو ان سے افضل کے لئے بدرجۂ اولیٰ حیات ثابت ہوگی۔ حالانکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کے بارے میں احادیثِ صحیحہ میں تصریح بھی ہے۔

پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب ارواح کی حیات دلیلِ قطعی سے ثابت ہے تو اس کے بعد حیات کے ثبوت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، صرف حیات کی خصائص کو ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ ملزوم جب ثابت ہو تو لازم بھی ضرور ثابت ہوگا۔ جیسا کہ لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی لازم آتی ہے جیسا کہ معروف ہے۔ پھر اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں ارواح کو وسیلہ بنا کر مدد طلب کرنے کے لئے کونسا مانع عقلی ہے۔ جیسے کہ آدمی اپنی قضاءِ حوائج کے لئے فرشتوں کے ذریعہ استعانت کرتا ہے۔ یا پھر آدمی دوسرے آدمی سے استعانت کرتا ہے (اے مخاطب تو روح کی وجہ سے انسان ہے، جسم کی وجہ سے انسان نہیں ہے) اور ارواح کا تصرف فرشتوں کے تصرف کی طرح کسی آلہ وغیرہ کا محتاج نہیں ہے۔ اور ہمارے نزدیک تصرف کے جو قوانین معروف ہیں، ارواح کا تصرف اس طرح بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو دوسرا عالم ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:۔

وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ (سورۃ الاسراء، آیت ۸۵)	اور یہ لوگ آپ سے روح کو پوچھتے ہیں آپ فرمادیں روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے۔

اور وہ معترضین ومنکرین اس عالم میں ملائکہ وجنات کا تصرف کیا سمجھیں گے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ارواح کو ایسی آزادی حاصل ہے جس سے ان کو یہ ممکن ہے کہ اپنے پکارنے والوں اور مدد طلب کرنیوالوں کو زندوں کی طرح بلکہ ان سے بڑھ کر جواب دے سکیں۔ اگر یہ معترضین صرف محسوسات ہی کو جانتے ہیں اور مشاہدات ہی سے بحث کرتے ہیں تو یہ مؤمنین کا نہیں بلکہ فلاسفہ طبیعیین کا طریقہ ہے۔ اور ہم تو ان کی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ارواح جسموں سے الگ ہونے کے بعد کوئی عمل نہیں کرسکتیں۔ لیکن ان سے ہم یہ کہیں گے کہ اگر ہم نے اس کو مان بھی لیا تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انبیاء واولیاء کا اپنے مستغیثین کا مساعدہ کرنا یہ اس عالم میں تصرف کے قبیل سے نہیں ہے۔ بلکہ ان

کا اس طرح سے کرنا دعا کے ذریعے سے مساعدہ کرنا ہے۔ جیسے کہ کوئی صالح آدمی کسی کے لئے دعا کر دیتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی بڑا اپنے چھوٹے کے لئے دعا کر دے یا ایک بھائی دوسرے بھائی کے لئے دعا کر دے۔ اور یہ یقینی امر ہے کہ وہ زندہ ہیں اور شعور واحساس رکھتے ہیں زائرین کو پہچانتے ہیں۔ بلکہ جسم سے جدا ہونے کے بعد روح کا شعور اور کامل ہو جاتا ہے اور علم بڑھ جاتا ہے کیونکہ خاکی حجابات ختم ہو جاتے ہیں اور شہواتِ بشریہ حائل نہیں ہوتیں۔

اور حدیثِ پاک میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہمارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں[1]۔ اگر اعمال حسنہ ہوتے ہیں تو شکر ادا کرتے ہیں اور اگر غیر صالحہ وغیر حسنہ ہوتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں۔

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فی الحقیقت جس ذات سے مدد طلب کی جاتی ہے وہ تو اللہ ہی کی ذات ہے لیکن سائل اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت روائی نبی کریم فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے چاہتا ہے۔ تو فاعلِ حقیقی اللہ ہی کی ذات ہے لیکن سائل اللہ کے بعض مقربین کا وسیلہ پکڑتا ہے تو گویا کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں بھی ان کے محبین یا محبوبین میں ہوں۔ لہٰذا ان کی وجہ سے مجھ پر بھی رحم کھائیے چنانچہ اللہ پاک بہت سے لوگوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں یا دوسرے انبیاء اور اولیاء وعلماء کے صدقہ میں رحم فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ پاک کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کے بعض محبین پر کرم کرنا بلکہ بعض بندوں کی وجہ سے دوسرے بعض بندوں پر کرم کرنا مشہور ومعروف ہے۔ اور جنازہ پڑھنے والوں کا میت کے لئے دعا کرنا اسی قبیل سے ہے۔ اور اللہ پاک سے کرم وعفو کا طلب کرنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ کیونکہ دعا میں وارد ہے کہ ہم اس میت کے لئے شفیع بنکر آئے ہیں، اس کے حق میں ہماری سفارش قبول فرمائیں۔

(۱) اس کتاب میں یہ حدیث مع حوالہ کے ذکر کی جا چکی ہے۔ (علوی)

کیا غیر مقدور العبد چیز کا طلب کرنا شرک ہے

ان تکفیر کرنے والوں کا ایک باطل دعویٰ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ انبیاء اور صلحاء مرحومین سے ایسی چیز طلب کرتے ہیں جس کا عطاء کرنا صرف اللہ پاک ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور ایسی طلب شرک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کی عادات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے کیونکہ لوگ تو ان سے یہ طلب کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ سے حاجت روائی میں سبب بنتے ہیں دعاء وتوجہ کے ذریعہ سے جیسا کہ ضریر وغیرہ کے قصہ سے ثابت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کی تھی اور ان کا وسیلہ پکڑا تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی بات مان کر دلداری فرمائی تھی اور اللہ کے حکم سے ان کی مرادیں پوری فرما دی تھیں۔ اور ان میں سے کسی کو بھی یہ نہ فرمایا کہ یہ کیسی بات کہی یہ تو شرک ہو گیا۔ یہی حکم دوسری خوارقِ عادات چیزیں طلب کرنے کا بھی ہے جیسے بدوں دوا کے پرانے مرض کو ٹھیک کر دینا۔ اور ضرورت کے وقت بدوں بادل کے بارش برسوا دینا بعض اشیاء کی حقائق کو بدل دینا اور انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا۔ کھانے کا زیادہ ہو جانا وغیر ذلک۔ یہ اشیاء بھی عادۃً انسان کے بس کی نہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عند الطلب ایسا فرما دیا کرتے تھے اور ان سے یہ نہ فرماتے تھے کہ تم نے شرک کیا اسلام وایمان کی تجدید کرو۔ کیونکہ تم نے مجھ سے ایسی چیز طلب کی جس پر صرف اللہ پاک ہی کو قدرت ہے۔

کیا توحید کے بارے میں ان کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی زیادہ ہے۔ اس کا خیال تو کسی جاہل کو بھی نہیں آسکتا چہ جائیکہ کوئی عالم کہے۔

قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنے اہلِ مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ اس مجلس میں جن وانس دونوں تھے:۔

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۔ الآية (سورہ نمل پ۱۹)	کہا اپنے درباروالوں سے، تم میں سے کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس اس کا تخت پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس حکم بردار ہو کر۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حاضرینِ مجلس سے شام میں فرمایا کہ ملکِ یمن سے تختِ شاہی کو لائیں اور وہ بھی غیر معمولی طریقے سے تاکہ یہ بلقیس کے ایمان لانے کا سبب بنے۔ اور جب اس بڑے جن نے کہا:۔

اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ	میں لائے دیتا ہوں وہ آپ کو پہلے اِس
مَّقَامِكَ الخ (سورۂ نمل پ۱۹)	سے کہ آپ اٹھیں اپنی جگہ سے۔

یعنی چند ساعت میں لاتا ہوں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں، تو انسانوں میں سے اس آدمی نے جو کتاب کے عالم تھے اور ان کا شمار صدیقین میں سے تھا، وہ فرمانے لگے:۔

اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ	میں لے آتا ہوں آپ کے آنکھ جھپکنے سے
طَرْفُكَ (سورۃ النمل، آیت ۴۰)	پہلے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس آدمی نے دُعا کی اور تخت اسی وقت حاضر ہو گیا۔

پایۂ تخت کو اس طریقہ پر لانا انسان یا جنات کی قدرت سے باہر ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی اس پر قادر نہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اہلِ مجلس سے اسکا تقاضا کیا اور صدیقیت کے درجہ پر فائز اس بندے نے حامی بھر لی کہ میں کر دوں گا۔ تو کیا اس طلب کرنے کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کافر ہو گئے؟ العیاذ باللہ۔ اور وہ اللہ کے ولی جواب دے کر مشرک بن گئے؟ حاشا و کلّا ہرگز ایسا نہیں ہوا بلکہ اس جگہ دونوں کے کلاموں میں فعل کی نسبت بطور مجاز عقلی کے ہے۔ اور ایسا کلام خوب جاری وساری و متعارف ہے۔

اور اس مقام کی وضاحت یہ ہے، اگر وضاحت کی ضرورت ہے تو کہ لوگ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ سے اپنی حاجات کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کرتے ہیں اور شفاعت وسفارش پر اللہ جلّ شانہٗ نے قدرت دی ہے۔ اور بفرضِ محال اگر کوئی یوں کہتا ہے کہ اے اللہ کے نبی مجھے شفا دیجئے اور میرا قرض ادا کر دیجئے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شفاء و قضاءِ دین کے سلسلہ میں اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ میں سفارش کر دیں اور دعا کر دیں اور دعا وسفارش پر اللہ جلّ شانہٗ

نے ان کو قدرت دی ہے۔

یہی ہمارا عقیدہ ہے اس قسم کے اقوال کے بارے میں کہ یہ نسبتِ فعل بطور مجاز عقلی کے ہے۔ اور اس میں کوئی خطرہ نہیں جیساکہ اللہ پاک نے فرمایا ہے:۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا	پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز جوڑا جوڑا
مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ الاٰیة	پیدا کی۔ جو زمین اگاتی ہے۔ الخ

(سورۂ یٰسین۔ پارہ ۲۳)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "موسم بہار جو سبزہ اُگاتا ہے وہ بسا اوقات جانوروں کے لئے بدہضمی کا سبب بن کر جانوروں کو مار دیتا ہے یا موت کے قریب پہنچا دیتا ہے"۔ اور اس طرح سے قرآن و حدیث اور عام و خاص لوگوں کا کلام بھرا ہوا ہے اور اس میں کوئی ناجائز بات نہیں ہے اور موحدین سے اس طرح کے جملوں کا صدور خود قرینہ ہے کہ ان کی مراد کیا ہے اور اس میں کوئی بے ادبی بھی نہیں ہے۔ اور اس مسئلہ کو ہم تفصیل سے ایک باب میں بیان کر چکے ہیں۔

اللہ ہی سے سُوال کرنا اور مدد طلب کرنی چاہیئے

یہ جملہ بھی مشہور حدیث جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے کا ایک حصہ ہے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیثِ پاک کے معنیٰ کو سمجھنے میں بھی بہت سے لوگ خطا کر گئے ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ استدلال کرنے لگے کہ سوال و استغاثہ وغیرہ منْ کلِّ وَجْہٍ اور ہر طریقہ سے صرف اللہ ہی سے کرنا چاہیئے۔ اور انہوں نے سوال و استغاثہ غیر اللہ سے کرنے کو شرک اور ملّتِ اسلامیہ سے نکال دینے والا بنا دیا۔ اس استدلال سے تو اسباب کو اختیار کرنے اور استغاثہ وغیرہ کی نفی ہو گئی۔ اور استعانت و استغاثہ وغیرہ کی بہت سی نصوص بھی ختم ہو گئیں۔

صحیح مطلب یہ ہے کہ اس حدیثِ پاک سے مقصود سوال و استعانت و استغاثہ ماسوی اللہ سے کرنے سے روکنا اور منع کرنا نہیں ہے جیساکہ اس کے ظاہرِ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ مقصود

یہ ہے کہ آدمی غفلت سے رُک جائے اور اس سے غافل ہو جائے اسباب کے اختیار کرنے سے جو خیر حاصل ہوتی وہ غیر اللہ کی طرف سے ہے بلکہ وہ اللہ جل شانہٗ کی ہی طرف سے ہے۔ اور مخلوقات کے قبضہ میں جو بھی نعمتیں وغیرہ ہیں، وہ بھی اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے ہیں۔ تو معنیٰ یہ ہوئے کہ جب تو اے مخاطب مخلوقات میں سے کسی سے استعانت وغیرہ کا ارادہ کرے تو اللہ جلّ شانہٗ کی ذات پر پورا اعتماد و بھروسہ رکھ۔ اور یہ اسباب تجھ کو مسبب الاسباب اللہ جلّ شانہٗ کی طرف متوجہ ہونے سے غافل نہ کر دیں اور تیرے لئے حجاب نہ بن جائیں۔ اور تو ان لوگوں میں سے مت ہو جو ظاہر میں آپس کے تعلقات اور جوڑ کو جانتے ہیں جو تعلقات آپس میں بعض بعض پر مرتب ہوتے ہیں اور جس ذات نے ان تعلقات و جوڑ کو پیدا کیا ہے اس سے غافل ہیں۔

اس حدیثِ پاک ہی سے اس معنی کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اور اس جملہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اے مخاطب! جان لے اگر پوری امت تجھ کو نفع دینا چاہے تو تجھ کو نفع نہیں دے سکتی مگر جو اللہ نے تیرے لئے مقدر کر دیا ہے۔ اور اگر پوری امت تجھ کو نقصان و تکلیف دینے کے لئے جمع ہو جائے تو تجھ کو کچھ بھی تکلیف نہیں دے سکتی مگر جو اللہ نے مقدر کر دیا ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کے لئے وہی نفع و ضرر ثابت فرمایا ہے جو اللہ نے بندوں کے لئے لکھ دیا ہے ہماری بھی یہی رائے ہے اور یہی عقیدہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کی مراد کو خوب واضح فرمایا ہے۔ ہم غیر اللہ سے استعانت کا انکار کس طرح کریں۔ حالانکہ قرآن و سنت میں بیشمار مواقع میں اس کا حکم آیا ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ
استعانت (مدد) حاصل کرو صبر اور نماز سے
(سورہ بقرہ پ۱)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ الخ
(سورہ انفال پ۱۰)
اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو۔

قرآن نے حضرت ذوالقرنین سے حکایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ (سورۂ کہف پ۱۶)
مدد کرو تم میری جانی طور پر۔

اور صلوٰۃ الخوف جو کہ قرآن و سنت سے ثابت ہے، کی مشروعیت میں بعض مخلوق کی بعض سے استعانت کی مشروعیت ہے۔ اللہ پاک نے مومنین کو فرمایا ہے کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے اپنے ہتھیاروں کو اٹھالیں اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین کو ترغیب دی ہے کہ بعض مؤمن دوسرے بعض کی ضروریات و حوائج کو پورا کریں اور تنگدست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کریں! وزیر پریشان کی پریشانی کو دور کریں اور ان امور کے نہ کرنے پر خدائے پاک سے ڈرایا ہے۔ اور احادیث میں یہ کثرت سے ہے۔ شیخین نے روایت کیا جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے چلتا ہے تو اللہ پاک اس کی مدد و ضرورت کے پورا کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

اور حضرت امام مسلم و ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ۔ (ابو داؤد، مسلم، ترمذی)
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک اپنے بندہ کی مدد فرماتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے بھائی کی مدد میں مشغول ہوتا ہے۔

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: اِنَّ لِلّٰهِ خَلْقًا خَلَقَهُمْ لِحَوَائِجِ النَّاسِ يَفْزَعُ النَّاسُ اِلَيْهِمْ فِيْ حَوَائِجِهِمْ اُولٰٓئِكَ الْاٰمِنُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔ (طبرانی، ابو الشیخ، ابن ابی الدنیا)
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے لوگوں کی حوائج و ضروریات پورا کرنے کے لئے مخلوق پیدا فرمائی ہے کہ لوگ اپنی ضروریات کے وقت ان کی طرف جاتے ہیں۔ یہ لوگ عذابِ خدا سے مامون ہیں۔

دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد (يَفْزَعُ اِلَيْهِمْ فِيْ حَوَائِجِهِمْ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مشرک نہیں بنایا۔ بلکہ گنہگار بھی نہ فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا ہے:۔

وَاِنَّ لِلّٰهِ عِنْدَ اَقْوَامٍ نِعَمًا اَقَرَّهَا عِنْدَهُمْ مَا كَانُوْا فِيْ حَوَائِجِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا لَمْ يَمَلُّوْهُمْ، فَاِذَا مَلُّوْهُمْ نَقَلَهَا اِلٰى غَيْرِهِمْ۔ (طبرانی)
اللہ پاک نے اپنے بندوں کے پاس اپنی نعمتیں رکھی ہیں وہ بندے مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں، جب تک کہ وہ اکتا نہ جائیں جب وہ اکتا جاتے ہیں تو دوسروں

کے پاس منتقل فرما دیتے ہیں۔

وَرَوَى هُوَ وَابْنُ اَبِى الدُّنْيَا عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ لِلّٰهِ اَقْوَامًا اِخْتَصَّهُمْ بِالنِّعَمِ لِمَنَافِعِ الْعِبَادِ، يُقِرُّهُمْ فِيهَا مَا بَذَلُوهَا، فَاِذَا مَنَعُوهَا نَزَعَهَا مِنْهُمْ فَحَوَّلَهَا اِلَى غَيْرِهِمْ۔ (طبرانی، ابن ابی الدنیا)

قال الحافظ المنذری: ولو قيل بتحسين سنده لكان ممكنًا۔ (ترغیب ۳/۳۹۱)

ابن ابی الدنیا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ اللہ پاک نے اپنے بندوں کے نفع کے لئے کچھ لوگوں کو نعمتوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے جب تک وہ ان نعمتوں کو خرچ کرتے رہتے ہیں تو اللہ ان نعمتوں کو ان بندوں میں رکھتا ہے اور جب خرچ کرنے سے رک جاتے ہیں تو اللہ پاک ان نعمتوں کو دوسروں کی طرف منتقل فرما دیتے ہیں۔ اور۔

وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّمْشِىَ اَحَدُكُمْ مَعَ اَخِيْهِ فِى قَضَاءِ حَاجَتِهٖ وَاَشَارَ بِاُصْبُعِهٖ اَفْضَلُ مِنْ اَنْ يَّعْتَكِفَ فِى مَسْجِدِى هٰذَا شَهْرَيْنِ (رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی مبارکہ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ میری اس مسجد میں دو ماہ کے اعتکاف سے بہتر ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے چلے پھرے۔

جب کچھ مانگو تو اللہ ہی سے مانگو

اور رہ گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ" تو اس میں بھی سوال عن الغیر کی ممانعت اور توسل کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں۔ اور جو کوئی اس سے توسل اور سوال عن الغیر کی ممانعت و عدم جواز سمجھتا ہو تو وہ غلط سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو مغالطہ میں ڈالتا ہے۔ اس لئے کہ جو شخص انبیاء و صالحین کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر طلبِ خیر اور دفعِ شر چاہتا ہے تو وہ اللہ پاک ہی سے ان اشیاء کو طلب کر رہا ہے لیکن کسی کے وسیلہ سے چاہ رہا ہے اور وہی سبب اختیار کر رہا ہے جس کو قضاءِ حوائج کے لئے اللہ جل شانہ نے سبب بنایا ہے۔ اور جو اللہ کے حکم سے کسی سبب کو اختیار کرتا ہے تو کون کہتا ہے کہ وہ سبب سے مانگتا ہے بلکہ یہ تو مسبب الاسباب سے

مانگنا ہوا۔ تو کوئی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتا ہے کہ میری بینائی لوٹ آئے۔ یا میری مصیبت دور ہو جائے یا میرا مرض ختم ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ چیزیں اللہ ہی سے مانگتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ میرے لئے فلاں چیز کی دعا کر دیں یا سفارش کر دیں۔ بس اتنا فرق ہے کہ دوسرا زیادہ صریح ہے اور پہلا کم صریح ہے۔ اسی طرح سے کوئی کہتا ہے کہ میں آپ کے نبی کے وسیلہ سے مانگتا ہوں کہ فلاں معاملہ کو آسان کر دیں اور فلاں شر کو دور کر دیں، پس ان تمام صورتوں میں وسیلہ اختیار کرنیوالا اللہ جل شانہ ہی سے سوال کرتا ہے۔

اور اس تمام کلام سے تو نے جان لیا کہ اس حدیثِ پاک سے عدمِ توسل پر استدلال کرنا مغالطہ ہے اور حدیثِ پاک کو ظاہر الفساد معنیٰ پر محمول کرنا ہے۔ کیونکہ حدیثِ پاک سے جو شخص یہ سمجھے کہ غیر اللہ سے سوال کرنا صحیح نہیں تو اس نے صریح خطا کی۔ اور اس کے غلطی پر ہونے پر یہ حدیث خود دال ہے کہ یہ حدیث خود حضرت ابن عباس راوی حدیث رضی اللہ عنہما کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمائی پہلے آپ نے ان کو اپنے سے کچھ مانگنے کو فرمایا۔ اور پھر ارشاد فرمایا کہ اے لڑکے! کیا میں تم کو چند ایسی باتیں بتاؤں کہ جن کے ذریعہ سے اللہ پاک تم کو نفع پہنچائے۔ سوال پر ابھارنے کے لئے اس سے بہتر طریقہ کونسا ہوگا؟

تو ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ ضرور فرمائیے۔ پھر نبی کریم فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی جس کا یہ جملہ ہے۔

اور اگر ہم اسی وہم کے پیچھے چلتے رہے پھر تو کسی جاہل کا عالم سے سوال کرنا بھی ناجائز ہوگا۔ اور نہ کسی مصیبت زدہ کا مدد طلب کرنا صحیح ہوگا۔ اور نہ کسی قرضخواہ کا قرض کے مال کی واپسی کو طلب کرنا صحیح ہوگا۔ اور نہ کسی محتاج کا کسی غنی سے قرض طلب کرنا صحیح ہوگا اور نہ یہ صحیح ہوگا کہ میدانِ قیامت میں لوگ انبیاء کی شفاعت کے طلبگار بنیں۔ اور نہ یہ صحیح ہوگا کہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو طلبِ شفاعت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بیشمار امور ہیں جو ان کے اس وہم کے تحت آجائیں گے جن کو ہم نے ذکر نہیں کیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ممنوع تو ان انبیاء و صلحاء سے سوال ہے جو اپنی قبور میں عالمِ برزخ میں ہیں۔ کیونکہ وہ سوال کے پورا کرنے پر قادر نہیں، تو اس کا ماقبل میں مفصل رد ذکر کر آئے ہیں۔ اور اسکا خلاصہ

یہ ہے کہ انبیاء صالحین زندہ ہیں، شفاعت اور دعا پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور ان کی حیات، حیاتِ برزخیہ ہے جو ان کی شان کے موافق ہے اس میں وہ دعا اور استغفار کے ذریعہ سے نفع پہنچا سکتے ہیں اور اس کا منکر کم سے کم سنتِ متواترہ سے جاہل ہے۔ اور عام مؤمنین کو ان کی حیاتِ برزخیہ میں علم و سماع و قدرت علی الدعاء اور جو تصرفات اللہ پاک چاہیں، حاصل ہیں۔ تو انبیاء اور دیگر صلحا اہلِ برزخ کا تو کہنا ہی کیا۔

اور معراج کی صحیح اور مشہور حدیث میں انبیاء کرام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاملہ مشہور ہے کہ سب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز ادا کی۔ آپ کے سامنے آپ کے فضائل میں سپاسنامے پیش کئے۔ اور ہر ایک نے اپنی اپنی جگہوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائیں دیں۔ حتیٰ کہ نمازوں میں جو تخفیف ہو کر ۵۰ سے ۵ تک پہنچیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار عالمِ برزخ ہی میں عرض کرنے سے ہوئی۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حدیث کا جو مفہومِ فاسد یہ لوگ سمجھتے ہیں، بالکل ظاہر الفساد ہے۔ بلکہ حدیث کا مقصود تو اس سے ڈرانا ہے کہ بلا ضرورت لوگوں سے طمع کر کے ان کے اموال کا سوال نہ کرنا چاہیئے اور قناعت کی تعلیم ہے۔ اور بلا ضرورت مانگنے اور سوال کرنے سے عفت و پاکدامنی اختیار کرنی چاہیئے۔ اور اللہ پاک سے اس کے فضل کا سوال کرے۔ کیونکہ اللہ پاک گڑگڑا کر مانگنے والے کو پسند کرتے ہیں۔ اور لوگوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ شعر۔

اَللّٰہُ یَغْضِبُ اِنْ تَرَکْتَ سُؤَالَہٗ ‌ ‌ ‌ ‌ وَبَنِیْ اٰدَمَ حِیْنَ یُسْاَلُ یَغْضِبُ

اللہ پاک ترکِ سوال پر ناراض ہوتے ہیں۔ اور بنی آدم سوال سے ناراض ہوتا ہے۔

اب اس حدیثِ پاک کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی کا مال تم کو پسند آجائے تو اس سے اس کا سوال مت کرو، بلکہ وہی چیز اللہ پاک سے مانگو۔ تو حدیثِ پاک میں قناعت کی تعلیم ہے۔ اور لالچ و طمع سے اجتناب کا حکم ہے۔ اس کا انبیاء و اولیاء کے توسل سے کیا جوڑ۔ انبیاء و اولیاء سے دعا و شفاعت کا سوال تو کامیابی کا زینہ ہے۔ لیکن انسان جب خواہشات کے گھوڑے پر سوار ہو جائے تو وہ سواری اس کو تو ہمات کے میدان ہی میں لئے پھرے گی اور صحیح الفہم لوگوں کے راستہ سے ہٹ جاتا ہے۔

مجھ سے مدد طلب نہیں کی جاتی

حدیثِ پاک میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک منافق، مؤمنین کو ایذاء دیا کرتا تھا۔ تو سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم سب لوگ ہمارے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ تاکہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کریں اس منافق کے مقابلہ میں۔ تو آپ نے فرمایا، مجھ سے استغاثہ نہیں کیا جاتا، صرف اللہ جلّ شانہٗ سے استغاثہ کیا جاتا ہے۔

طبرانی نے اپنی معجمِ کبیر میں اس کو روایت کیا ہے۔ اس حدیثِ پاک سے بھی بعض لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کی ممانعت پر استدلال کیا ہے۔ یہ استدلال سرے سے باطل ہے اگر اس حدیثِ پاک کو ظاہر پر ہی محمول کیا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلق استغاثہ کی ممانعت مقصود ہو گی۔ جیسا کہ الفاظ کا ظاہر ہے تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل پر اعتراض ہو گا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ و استسقاء وطلبِ دعا وغیرہ کرتے تو آپ فرحت و سرور و خوشی سے اس کو قبول کرتے۔

لہٰذا اب احادیثِ پاک کے عموم کے مناسب اس حدیث شریف کی تاویل ضروری ہے تاکہ احادیث آپس میں ایک دوسرے کے موافق ہو جائیں۔

تو ہم یہ کہیں گے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قول سے مراد اصل اعتقاد میں توحید کی حقیقت کو ثابت کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ حقیقۃً مغیث صرف اللہ جلّ شانہٗ ہی ہیں۔ اور بندہ تو اس میں صرف واسطہ ہے۔ یا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ سکھایا ہے، بندے سے وہ چیزیں طلب نہیں کرنی چاہیئں جس پر بندہ قادر نہیں ہے۔ جیسا کہ "فوز بالجنۃ والنجاۃ من النار" اور الیسی ہدایت جو گمراہی سے بچانے والی ہو اور خاتمہ بالخیر کی ضمانت وغیرہ۔

اور حدیثِ پاک صرف زندہ کے ساتھ اغاثہ و استعانت کے خاص ہونے پر بھی دلالت نہیں کرتی۔ اور اس تفریق سے بھی اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اس حدیث کا ظاہر تو زندہ و مردہ میں تفریق کئے بغیر ہی ماسوی اللہ سے ہمیشہ استغاثہ کو منع کرتا ہے۔ اور یہ غیر مقصود ہے۔ ماقبل میں ہم نے اس کو بیان کر دیا ہے۔ اور شیخ ابن تیمیہؒ نے بھی الفتاویٰ میں اس معنی کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے فرمایا ہے۔ کبھی اللہ و رسول کے کلام کی ایک عبارت ہوتی ہے جس کے معنی صحیح ہوتے ہیں لیکن بعض لوگ اس سے اللہ و رسول کی مراد کے غیر کو سمجھتے ہیں۔ بس اس کا فہم ہی اس پر رد کرتا ہے جیسا کہ طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک منافق مؤمنین کو ایذاء دیتا تھا تو پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرنے کے لئے چلو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِنَّہٗ لَا یُسْتَغَاثُ بِیْ وَاِنَّمَا یُسْتَغَاثُ بِاللّٰہِ" اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد معنی ثانی ہی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ جن امور پر آپ قادر نہیں ہیں وہ صرف اللہ جل شانہٗ ہی سے طلب کرنے چاہیئیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو آپ سے دعا کراتے اور آپ کے وسیلہ سے استسقاء کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بسا اوقات میں آپ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھتے ہوئے شاعر کا قول یاد کرتا کہ آپ بارش طلب کر رہے ہوتے تو آپ منبر سے نہ اُترتے تھے حتّٰی کہ پرنالے بہنے لگتے۔

وہ شاعر کا قول یہ ہے:۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ ثِمَالُ الْیَتٰمٰی عِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلِ

اور وہ خوب صورت جس کے چہرے کے انوار کے طفیل بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کا ماوٰی و بیواؤں کا ملجا ہے۔

اس باب میں بعض الفاظِ مستعملہ کی وضاحت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں بعض الفاظ ایسے وارد ہوئے ہیں جن کی وجہ سے معترضین کو التباس ہوگیا اور اس کے قائل پر کفر کا فتوٰی لگا دیا۔ مثلاً کہا جاتا ہے (ا) لَیْسَ لَنَا مَلَاذٌ سِوَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (ب) وَلَا رَجَاءَ اِلَّا ھُوَ (ج) اَنَا مُسْتَجِیْرٌ بِہٖ (د) وَاِلَیْہِ یُفْزَعُ فِی الْمَصَائِبِ وَاِنْ تَوَقَّفْتَ فَمَنْ اَسْاَلُ۔

ترجمہ:۔ (ا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہمارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ (ب) انہی سے امید ہے (ج) میں انہی کی پناہ ڈھونڈتا ہوں (د) مصائب میں انہی کی طرف بھاگ کر جاتے ہیں۔ اور اگر آپ روک دیں گے تو کس سے سوال کریں گے۔

ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ مخلوق میں کوئی جائے پناہ نہیں ہے اور انسانوں میں ان کے سوا کسی سے کوئی امید نہیں ہے اور مصائب میں ساری مخلوق کو چھوڑ کر انہی کے پاس جاتے ہیں کیونکہ اللہ جل شانہٗ کے نزدیک ان کا بڑا مرتبہ ہے وہی اللہ سے طلب کریں۔ اور اللہ کے بندوں میں سے کون اس درجہ کا ہے کہ اس سے دعا و توجہ کے لئے التجاء کی جائے۔ حالانکہ ہم اپنی دعاء و توسل میں نہ اس طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو کہتے ہیں تاکہ شرک کا وہم بھی باقی نہ رہے اور الفاظ مختلف فیہا سے بھی اجتناب ہو جائے اور متفق علیہ ہی کو پکڑے رہیں۔ لیکن ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے والے پر کفر کا حکم لگا دینا جلد بازی ہے جو صحیح نہیں ہے اور نہ ہی عقلمندی کی بات ہے۔

کیونکہ یہ ضروری ہے کہ اس کا خیال رکھیں کہ یہ الفاظ استعمال کرنے والے موحدین ہیں۔ اللہ جل شانہٗ کی وحدانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں تمام ارکان دین کی تصدیق کرتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ کی ربوبیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت اور دینِ اسلام کے حق ہونے کو تسلیم کرکے ایمان لاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے دین اسلام کے تمام حقوق ان کو حاصل ہو گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو

ہماری طرح سے نماز پڑھے اور اسلام لائے اور ہمارے ہی قبلہ کا استقبال کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہ وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ و رسول کا ذمہ ثابت ہے۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری کو مت توڑو۔" (بخاری شریف)

اور اس وجہ سے اب ہماری یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ اگر مؤمن کے کلام میں کچھ ایسے امور پائیں جن میں افعال کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہو تو اس کو مجازِ عقلی پر محمول کریں اور تکفیر بالکل نہ کریں۔ کیونکہ مجاز عقلی کا استعمال کتاب و سنت میں بکثرت ہوا ہے۔ تو مؤمن سے اس کا صدور مجازِ عقلی پر محمول کرنے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ عقیدہ صحیحہ تو یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ پاک ہی بندوں اور ان کے افعال کا خالق ہے اس میں کسی زندہ یا مردہ کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔ یہی توحید کا عقیدہ ہے، اس کے علاوہ جو کوئی عقیدہ رکھے تو وہ شرک میں واقع ہوتا ہے اور مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں کہ جو اس کا عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ جلّ شانہٗ کی طرح بندوں میں سے کسی کو کچھ کرنے اور چھوڑنے، رزق دینے اور زندہ کرنے و مارنے کی قدرت حاصل ہے۔ اور جو الفاظ موہمہ پائے جاتے ہیں ان سے مقصود شفاعت بواسطہ وسیلہ طلب کرنا ہے اور متصرف حقیقی صرف اللہ جلّ شانہٗ کی ذات ہے۔ اور ان وسیلوں اور شفیعوں کے بارے میں کسی بھی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ کو چھوڑ کر یہ کسی چیز پر قادر ہیں۔ ہم اللہ سے پناہ چاہتے ہیں کہ کسی مسلمان کو کسی غلطی، جہالت یا سہو کی وجہ سے یا کسی اجتہادی مسئلہ کی وجہ سے کافر و مشرک بنائیں[1]۔

اب ہم یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ بہت سے لوگ طلب مغفرت و جنت و شفا اور نجات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے میں تعبیر میں غلطی کر جاتے ہیں، نہ کہ توحید میں خطا کا ارتکاب کرتے ہیں کیونکہ مقصود تو اس وسیلہ کے ذریعہ اللہ جلّ شانہٗ سے ہی طلب کرنا ہوتا ہے۔ تو گویا کہ قائل یہ کہتا ہے کہ یا رسول اللہ! میں اللہ پاک سے اپنے لئے مغفرت و رحمت کا سوال کرتا ہوں! اور اللہ کی بارگاہ میں آپ کو وسیلہ بناتا ہوں اپنی حاجات کے پورا ہونے اور پریشانیوں کے دور ہونے وغیرہ کے بارے میں۔

---

(۱) اس قسم کا کلام بعض مناسبات کی وجہ سے ہم بار بار ذکر کر آئے ہیں۔ اور مجاز عقلی کا ایک مستقل باب قائم کرکے مفصل کلام کیا ہے جس سے بہت سے اشکالات اور کج فہمی دور ہو جاتی ہے۔

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت و استغاثہ کرتے تھے اور شفاعت طلب کرتے تھے۔ اور فقر و مرض، بلا و قرض و بے بسی کی حالت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے۔ اور یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود ان امور کو نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کے حکم اور اللہ جلّ شانہٗ کی عطا کردہ قوت و قدرت سے پورا فرما دیا کرتے تھے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں بڑا مرتبہ ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت و بزرگی ہی کی وجہ سے اللہ کے یہاں مؤمنین، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنے والے اور فضل و کرامت کا عقیدہ رکھنے والے پہنچتے ہیں اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص بھی اس کے خلاف عقیدہ رکھے وہ بالاتفاق مشرک و کافر ہے۔

اسی وجہ سے آپ احادیث میں پڑھیں گے کہ جہاں کہیں وحی یا قرینۂ حال سے سائل یا سامع کا ناقص الاعتقاد ہونا معلوم ہوتا وہاں آپ تنبیہ بھی فرما دیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں۔ "میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں"۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ "سیّد صرف اللہ جلّ شانہٗ ہی ہیں" اور ایک مقام پر صحابۂ استغاثہ کرتے ہیں بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم دیتے ہیں کہ میرا توسّل اختیار کرو۔ اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ استغاثہ صرف اللہ سے ہی کرنا چاہیئے اور مجھ سے نہیں۔ ایک اور جگہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں تو آپ ان کی حاجت برآری فرماتے ہیں۔ بلکہ ایک موقع پر دو معاملوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا فرماتے ہیں کہ یا تو مصیبت پر صبر کرلو تو میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں یا مصیبت کو فوراً ختم کئے دیتا ہوں۔ جیسا کہ نابینا صحابیؓ کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔ اور اس عورت کے ساتھ پیش آیا جس کو مرگی ہوئی تھی۔ اور حضرت قتادہؓ جن کی بینائی زائل ہو گئی تھی ان کو بھی اختیار دیا گیا۔ اور ایک موقع پر ان سے فرماتے ہیں کہ صرف اللہ ہی سے سوال کرو اور صرف اللہ ہی سے مدد مانگو۔ اور ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی مومن کی مصیبت دور کردے اس کے لئے ایسا ہے، ایسا ہے۔ یعنی بڑے بڑے انعامات ہیں۔ اور ایک مقام پر فرمایا۔ کہ خیرات کا حصول صرف اللہ جلّ شانہٗ ہی سے ہوتا ہے۔

اسی سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ہمارا عقیدہ بحمد اللہ بالکل پاک و صاف ہے۔ بس بندہ خود تو کچھ بھی نہیں کر سکتا چاہے اس کا مرتبہ اور درجہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے۔ حتیٰ کہ خود افضل الخلق نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود کچھ نہیں کر سکتے۔ اعطاء و منع، نفع و ضرر، اجابت و اعانت سب کچھ اللہ جلّ شانہٗ ہی کے حکم و اجازت سے کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی آپ سے مدد طلب کرتا ہے تو آپ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر اپنے رب سے طلب فرماتے ہیں۔ اور آپ کی طلب و دعا مقبول ہوتی ہے۔ تو آپ اللہ سے مانگ کر عطا فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کبھی بھی یہ نہ فرماتے تھے کہ مجھ سے کچھ بھی طلب مت کرو۔ اور اپنی زبوں حالی کی شکایت مجھ سے نہ کرو۔ بلکہ اللہ ہی سے مانگو۔ کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ کا دروازہ کھلا ہے، سنتا ہے، قریب ہے، کسی کا محتاج نہیں، بندے اور اس کے مابین نہ کوئی حاجب ہے اور نہ کوئی حجاب۔

جن الفاظ کو شرک اور گمراہی گمان کیا گیا ہے

ان کے بارے میں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کا موقف

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کا اس بارے میں عظیم موقف و حکیمانہ رائے ہے خصوصاً لوگوں میں توحید کے متعلق مشہور باتوں کے بارے میں۔ جبکہ توحید کی حفاظت اور اس کے دفاع کے دعویدار ان الفاظ کو شرک اور ان کے قائلین کو مشرک کہتے ہیں۔ اور یہ شیخ توحید کے امام اور موحدین کے مقتدا ہیں جن کا کلام ایسی دانائی سے پُر ہے جو راہ یاب کرنے والی ہے۔ جس کے ذریعہ سے ان کی دعوت لوگوں میں مشہور اور ان کا طرزِ فکر خاص و عام میں رائج ہوا۔ ان کا کلام تو سنیئے جو انہوں نے عبداللہ بن سحیم کو ایک خط میں اپنا عقیدہ ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اور یہ عبداللہ بن سحیم اہل المجمع کا مقتدا تھا۔

شیخ نے فرمایا کہ جب یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگئی تو جن مسائل کے ذریعہ سے طعن و تشنیع کیا جاتا ہے اور بہتان لگایا جاتا ہے وہ یہ ہیں کہ میں مذاہبِ اربعہ کی کتب کو باطل قرار دیتا ہوں، اجتہاد کا دعویٰ کرتا ہوں، چھ صد سال سے لوگ صحیح نہج پر نہیں ہیں، میں خارج از تقلید ہوں علماء کے اختلاف کو وبال کہتا ہوں، متوسل بالصالحین کی تکفیر کرتا ہوں، "یا اکرم الخلق" کے قول کی وجہ سے علامہ بوصیری کی تکفیر کرتا ہوں، حجرۃ الرسول کے منہدم کرنے پر قدرت رکھتا تو اس کو منہدم کر دیتا، بیت اللہ پر قدرت ہوتی تو اس کے موجودہ پرنالہ کے بجائے لکڑی کا پرنالہ لگاتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کا منکر ہوں، اور والدین کی قبر کی زیارت کا منکر ہوں، غیر اللہ کی قسم کھانیوالوں کی تکفیر کرتا ہوں۔ ان بارہ مسائل کے بارے میں میرا جواب یہی ہے سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔

لیکن اس سے پہلے ایسے لوگ بھی گذرے ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عیسیٰ بن مریم کو نازیبا الفاظ کہنے کا بہتان لگایا۔ "اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ" "تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ" كذا في الرسالة الحادية عشرة من رسائل الشيخ ضمن مجموعة مؤلفاته القسم الخامس ص [illegible]
وقد نشرتها جامعة محمد بن سعود الاسلامية في اسبوع الشيخ محمد بن عبد الوهاب۔

الخلاصة

حاصل یہ ہے کہ مستغیث کی تکفیر اس وقت کی جائے گی جب وہ غیر اللہ کے لئے صفتِ خلق وایجاد ثابت کرے۔ اور زندہ و مردہ میں تفریق کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر غیر اللہ کے لئے صفتِ ایجاد ثابت کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اس میں سوائے معتزلہ کے کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن اگر سبب اور کسب کا تعلق رکھتا ہے تو اس کی وجہ سے کافر نہیں ہو سکتا۔

اور تم کو معلوم ہے کہ لوگوں کا اموات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ عقیدہ یہ ہے کہ زندوں کی طرح سے متسبب اور مکتسب ہیں۔ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ اللہ کی طرح سے موجد و خالق ہیں کہ کیا یہ عقل میں آسکتی ہے کہ مردوں کے بارے میں زندوں سے زیادہ اوصاف ثابت کر دیں جبکہ زندوں کے لئے تو صرف تسبب اور کسب ثابت کرتے ہیں تو اگر غلطی ممکن ہے تو تسبب وا کتساب کے عقیدہ میں غلطی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ایک مومن ایک مخلوق کے لئے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت کرتا ہے اور اس میں غلطی کفر و شرک نہیں۔

اور ہم بار بار یہ بتا رہے ہیں کہ یہ عقلمندی نہیں ہے کہ آدمی میت کے واسطے زندہ سے زیادہ اوصاف ثابت کرے کہ زندہ کے لئے تو سبب و کسب ثابت کرے اور مردے کو خالق و موجد مان لے۔ بلاشک و شبہ یہ بے عقلی کی بات ہے۔

تو مستغیث بالمیت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی اپاہج سے مدد طلب کرے۔ حالانکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ اپاہج ہے۔ اور اس کو شرک کون کہہ سکتا ہے اور سبب بننا میت کی قدرت میں ہے کہ وہ زندوں کی طرح ہمارے لئے دعا کر دے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ ارواح اپنے اقارب کے لئے دعا کرتی ہیں۔ اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ زندوں کو کوئی مشکل پیش آگئی ہے اور وہ یہ دعا کرتی ہیں کہ اے اللہ! ان کو سیدھے راستہ پر رکھ اور جب تک سیدھے راستہ پر نہ آجائیں موت نہ دے۔ بلکہ ارواح کے لئے تو یہ بھی ممکن ہے کہ زندوں کی طرح خود مدد کریں اور ملائکہ کی طرح سے قلب میں رشد و ہدایت کی باتیں القا کریں۔ اور اس کے بہت سے قصے ہیں کہ لوگ خوابوں میں ارواح سے مستفید ہوتے ہیں۔

حدیثِ پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے فوت شدہ رشتہ داروں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر اعمال خیر ہوتے ہیں تو وہ مردے خوش ہوتے ہیں اور اگر غیر خیر ہوں تو وہ مردہ رشتہ دار کہتے ہیں کہ "اے اللہ! ان کو اس وقت تک موت نہ دے جب تک تو ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت نہ دے دے"[1]۔

ابن المبارک نے اپنی سند سے بطریق ابی ایوب روایت کیا ہے۔ فرمایا کہ زندوں کے اعمال مُردوں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر اعمال حسنہ ہوتے ہیں تو وہ مردے خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر اعمال بُرے ہوتے ہیں تو وہ مردے کہتے ہیں کہ اے اللہ! ان کو رجوع نصیب فرما[2]۔

---

(۱) اس کو امام احمد نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے جن میں سے بعض کی بعض سے تقویت ہوتی ہے۔ الفتح الربانی ترتیب المسند ج ۷ ص ۹۵ اور علامہ سیوطی کی شرح الصدور ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ع

(۲) علامہ ابن قیم کی کتاب الروح اس کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

اَلبَابُ الثَّانِی

مباحثِ نبوّیہ

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص اور نبوّت و
بشریّت وحیاتِ برزخیہ وغیرہ کی حقیقت کا بیان ھے

خصائصِ محمدیہ کے بارے میں علمارِ کرام کا موقف

حضرات علمارِ کرام نے تالیف و شرح و بحث وغیرہ کے ذریعہ خصائص محمدیہ و نبویہ کا بے حد اہتمام کیا ہے۔ اور سب سے زیادہ مشہور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی تالیف "الخصائص الکبریٰ" ہے۔ اور یہ خصائص تو بے شمار ہیں۔ ان میں سے بعض صحیح الاسناد ہیں اور بعض غیر صحیح الاسناد ہیں۔ بعض میں علمارِ کرام کا اختلاف ہے۔ کیونکہ بعض علمارِ کرام نے ان کو صحیح قرار دیا ہے اور دوسروں نے اس کے خلاف فرمایا ہے۔ تو یہ مسائل اختلافیہ ہیں اور پہلے سے علمارِ کرام میں آپس میں صواب و خطار و صحت و بطلان کے بارے میں کلام ہوتا رہا ہے نہ کہ کفر و ایمان کے بارے میں۔

اور بہت سی احادیث میں علمارِ کرام کا اختلاف ہے کہ بعض ان احادیث کو صحیح قرار دیتے ہیں اور بعض دوسرے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ بعض پر رد کرتے ہیں۔ یا پھر اسانید کی بحث اور رجالِ حدیث پر تنقید میں اجتہاد کے اختلاف کی وجہ سے اس کو رد کیا ہے۔ جس شخص نے کسی حجت سے ضعیف کو صحیح کہا، یا صحیح کو ضعیف کہا، یا مردود کو ثابت کیا یا کسی حجۃ یا تاویل وغیرہ سے ثابت کو مردود کہا تو بحث و غور و نظر میں علمارِ کرام کا مسلک اس نے اختیار کیا، اور اس کا یہ حق ہے بحیثیت عاقل بالغ انسان کے۔ اور میدان بھی وسیع ہے اور راستہ کھلا ہے، اور علم سب میں مشترک ہے! اور امام العقلار و سید العلمار النبی الاعظم و الرسول الاکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ابھارا ہے کیونکہ مجتہد مصیب کو دو اجر ملیں گے اور مجتہد مخطی کے لئے ایک اجر ہے۔

اور خصائصِ نبویہ کو نقل کرنے میں علمارِ کرام نے ہمیشہ تسامح سے کام لیا ہے۔ اور ان کی نظر اس پر رہی ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پر اس وقت تک عمل کر سکتے ہیں جب تک وہ اس باب کی شروطِ معتبرہ سے موضوع یا باطل نہ ثابت ہو جائے۔ اور اس میں صحیح کے معنی اصطلاحی کی شرط نہیں لگائی۔ اور اگر ہم یہ شرط لگا دیں تو ہم تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اور بعد کی سیرت

طیبہ میں سے کچھ بھی ذکر نہیں کر سکتے۔ حالانکہ وہ حفاظِ حدیث جن کی بات پر اعتماد کیا جاتا ہے اور انہی سے ہم نے یہ سیکھا ہے کہ حدیثِ ضعیف میں سے کونسی ذکر کرنا جائز ہیں کونسی ناجائز۔ تم ان کی کتب کو دیکھو گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصائص وغیرہ کے بارے میں مقطوعات و مراسیل و کاہنوں وغیرہ کی باتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ کیونکہ اس مقام میں ان کا ذکر کرنا جائز ہے۔

کتبِ سلف اور خصائص نبویہ کا اہتمام

اگر ہم کتبِ سلف کی طرف رجوع کریں تو ہم بہت سے علماء امت اور ائمہ فقہ کو پائیں گے کہ انہوں نے اپنی کتب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت خصائص ذکر کئے ہیں۔ اور ان خصائص میں بہت عجیب و غریب خصوصیتیں ذکر کی ہیں۔ اور اگر ان خصائص کو قبول کرنے میں بحث کرنے والا صحتِ سند پر توقف کرے تو ان میں سے سوائے چند ایک احادیث کے کوئی بھی نقد سے نہیں بچ سکیں گی۔ حالانکہ جو احادیث اس سلسلہ میں مروی ہیں وہ بے شمار ہیں۔ اور یہ سب ہم اس وجہ سے کرتے ہیں کہ علماء نے جو اصول و قواعد مقرر کئے ہیں ہم اسی پر اعتماد کر کے چلتے ہیں۔

خصائص نبویہ کے بارے میں ابن تیمیہؒ کا موقف

شیخ ابن تیمیہؒ جو اپنے تشدد میں معروف ہیں، اس کے باوجود انہوں نے اپنی کتب میں اس موضوع میں بعض ایسے اقوال ذکر کئے ہیں جن کی سند صحیح نہیں ہے۔ اور ان اقوال سے بہت سے مسائل میں استشہاد فرمایا ہے۔ حدیث شریف کی تائید و بیان کرنے میں شیخ نے ان اقوال کو معتمد فرمایا ہے۔ مثلاً فتاویٰ کبریٰ میں شیخ کا قول ہے۔ "روایت کی گئی کہ اللہ پاک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو عرش اور جنت کے دروازوں و قبوں و اوراق وغیرہ پر لکھا، اس بارے میں بہت سے ایسے آثار مروی ہیں جو ان احادیثِ ثابتہ کے موافق ہیں جن سے آپ کے نام مبارک کی عظمت اور ذکر کی بلندی ظاہر ہوتی ہے۔"

شیخ نے فرمایا کہ المسند میں حضرت میسرۃ الفجر سے مروی حدیث شریف کے الفاظ گذر گئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ کب نبی بنائے گئے تھے؟ تو آپ نے فرمایا میں اس

وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام روح و جسد کے درمیان تھے۔ ابو الحسین بن بشران نے اپنی کتاب الوفا بفضل المصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں شیخ ابو الفرج بن الجوزی کے طریق سے اس کو روایت کیا ہے۔

عَنْ مَيْسَرَةَ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰى كُنْتَ نَبِيًّا؟ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْاَرْضَ وَاسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّخَلَقَ الْعَرْشَ كَتَبَ عَلٰى سَاقِ الْعَرْشِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ الْاَنْبِيَآءِ وَخَلَقَ الْجَنَّةَ الَّتِيْ اَسْكَنَهَا اٰدَمَ وَحَوَّآءَ فَكَتَبَ اِسْمِيْ عَلَى الْاَبْوَابِ وَالْاَوْرَاقِ وَالْقِبَابِ وَالْخِيَامِ وَاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ فَلَمَّا اَحْيَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نَظَرَ اِلَى الْعَرْشِ فَرَاٰى اِسْمِيْ فَاَخْبَرَهُ اللّٰهُ اَنَّهٗ سَيِّدُ وُلْدِكَ، فَلَمَّا غَرَّهُمَا الشَّيْطٰنُ تَابَا وَاسْتَشْفَعَا بِاِسْمِيْ اِلَيْهِ۔ اھ

(الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۱)

حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کب نبی بنائے گئے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ پاک نے زمینوں کو پیدا فرمایا اور آسمانوں کو پیدا فرمایا تو ان کو سات بنایا۔ اور عرش کو پیدا فرمایا تو عرش کے پایہ پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم الانبیاء لکھا۔ اور اللہ پاک نے اس جنت کو پیدا فرمایا جس میں آدم و حوا (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کو سکونت بخشی تو پھر میرا نام جنت کے دروازوں اور پتوں اور قبوں پر لکھ دیا۔ اس وقت آدمؑ روح و جسد کے درمیان تھے۔ جب اللہ پاک نے ان کو حیات بخشی تو آدم علیہ السلام نے عرش کی طرف دیکھا تو انہوں نے میرا نام دیکھا تو اللہ پاک نے ان کو بتلایا کہ یہ تمہاری اولاد کے سردار ہوں گے۔ پس جب شیطان نے ان دونوں کو دھوکہ دیا اور انہوں نے توبہ کی تو میرے نام کے وسیلہ سے شفاعت کی درخواست کی۔ (۱)

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ۔ ج ۲ ص ۱۵۱

کراماتِ اولیاء کے بارے میں شیخ ابن تیمیہؒ کا موقف

خصائص و کرامات حکم کے اعتبار سے ایک ہی جنس سے ہیں۔ اور نقل اور عدم تشدد میں بھی ایک ہی ہیں۔ جیساکہ ہم حلال اور حرام کے احکام نقل کرنے میں تشدد و احتیاط کرتے ہیں۔ اور یہ کرامات و خصوصیات مناقب و فضائل کی کشتی میں گھومتی ہیں۔ یعنی ان کا تعلق فضائل و مناقب سے ہے۔

یہاں سے معلوم ہوگیا کہ کرامات الاولیاء کے بارے میں شیخ ابنِ تیمیہؒ کا موقف وہی ہے جو خصائص انبیاء کے بارے میں موقف ہے۔ اور شیخ نے اپنی کتب میں بہت سی کرامات و خوارق عادات جو نقل کی ہیں وہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں واقع ہوئی ہیں۔ اور اگر ان کے درجات اور اسانید و طرق ثبوت کے بارے میں بحث کریں تو ہم بہت سی احادیث کو صحیح و حَسَن، ضعیف و مقبول و مردود و منکر و شاذ وغیرہ پائیں گے۔ اور اس باب میں سب مقبول ہیں اور علماءِ کرام سے منقول ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامات کے بارے میں شیخ کا قول ہے۔

۱۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہجرت کے لئے نکلیں تو ان کے ساتھ کوئی پانی و توشہ نہ تھا پیاس سے قریب الموت ہوگئیں۔ اور روزہ دار تھیں۔ جب افطار کا وقت ہوا تو اپنے سر پر اوپر ایک آہٹ سنی تو سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک ڈول لٹکا ہوا ہے۔ پس خوب سیر ہو کر اس سے پانی پیا اور باقی عمر ان کو پیاس ہی نہ لگی۔

۲۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزادہ کردہ غلام نے شیر کو بتایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں تو شیر ان کے ساتھ چلا حتیٰ کہ ان کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔

۳۔ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ جب بھی اللہ پر قسم کھاتے تو اللہ پاک ان کی قسم کو پورا کر دیتے۔ ایک مرتبہ لڑائی تھی۔ جب مسلمانوں پر جہاد میں کافی سختی و دشواری ہوئی تو مسلمانوں نے کہا۔ اے براء! اَقْسِمْ عَلٰی رَبِّکَ۔ تو حضرت براء نے کہا۔ اے میرے رب! میں آپ پر قسم کھاتا ہوں، آپ ہم کو دشمن پر فتح دیں۔ پس دشمن کو شکست ہوگئی۔ جب جنگ قادسیہ کا دن تھا۔ تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے میرے رب! میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ ہم کو دشمن پر فتح دیں۔ اور مجھے سب سے پہلے شہادت دیں۔ پس دشمن پر فتح حاصل ہوگئی اور حضرت براء رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے۔

۴۔ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے ایک مضبوط قلعہ کا محاصرہ کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم تمہاری بات نہ مانیں گے جب تک کہ تم زہر نہ پی لو۔ پس انہوں نے زہر پی لیا اور ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا۔

۵۔ حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا تو ان کا امیر ساریہ نامی کو بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے چلّانے لگے! یَا سَارِیَۃَ الْجَبَلَ، یَا سَارِیَۃَ الْجَبَلَ پھر لشکر کا قاصد آیا اور سوال کرتے ہوئے کہا۔ اے امیر المؤمنین! ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوا۔ وہ ہم کو شکست دے رہا تھا کہ اچانک ایک چلانے والے کی آواز آئی۔ یَا سَارِیَۃَ الْجَبَلَ۔ پس ہم نے اپنی پیٹھوں کو پہاڑ کی طرف کر لیا تو اللہ پاک نے دشمن کو شکست دیدی۔

۶۔ حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ بحرین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل (گورنر) تھے۔ اور اپنی دعا میں کہتے تھے یَا عَلِیْمُ، یَا حَلِیْمُ، یَا عَلِیُّ یَا عَظِیْمُ۔ پس ان کی دُعا قبول ہو جاتی تھی۔ جب ان حضرات نے پانی نہ پایا تو اللہ پاک سے دعا کی کہ وہ لوگ سیراب ہو جائیں اور وضو کر لیں۔ جب سمندر ان کے درمیان حائل ہوگیا اور اپنے گھوڑوں کے ساتھ سمندر میں سے گذرنے کی قدرت نہ رکھتے تھے تو اللہ پاک سے دعا کی۔ پس وہ لوگ پانی پر سے گذر گئے حتیٰ کہ ان کے گھوڑوں کے زین تک گیلے نہ ہوئے۔ اور اللہ پاک سے دعا کی کہ موت کے بعد ان کے جسم کوئی نہ دیکھے تو لوگوں نے قبر میں ان کے جسم کو نہ پایا۔

۷۔ اسی طرح حضرت ابو مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ جن کو آگ میں ڈال دیا گیا تھا، کے ساتھ واقعہ پیش آیا۔ وہ اور ان کے ساتھی دریائے دجلہ پر سے گذر رہے تھے۔ اور دجلہ کا پانی لکڑیوں کو باہر پھینک رہا تھا۔ پھر یہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ کسی کی کوئی چیز تو گم نہیں ہوئی تاکہ میں اللہ پاک سے دعا کروں۔ کسی نے کہا کہ ہاں! میرا ایک زیور گم ہوگیا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ میرے پیچھے آؤ۔ تو دیکھا کہ کسی لکڑی میں اٹکا ہوا تھا چنانچہ وہ وہاں سے لے لیا۔ اسود عنسی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو ان کو بلوایا، اور ان سے کہا، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں! تو انہوں نے فرمایا۔ میں سنتا نہیں (مَا اَسْمَعُ) پھر کہا۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! پھر اس بدبخت نے آگ میں ڈالنے کا حکم دیا تو ان کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ پھر لوگوں نے

دیکھا کہ آگ میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور آگ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوگئی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب مدینہ منورہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان بٹھایا اور فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے موت نہ دی حتیٰ کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے اس شخص کو دیکھ لیا جس کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ ایک باندی نے ان کو کھانے میں زہر ملا دیا تو اس زہر نے ان کو کوئی ضرر نہ دیا۔ ایک عورت نے ان کی عورت کو ان کے خلاف کر دیا۔ انہوں نے اس کو بددعا دی تو وہ اندھی ہوگئی اور توبہ کرنے آئی۔ پھر انہوں نے دعا کی اللہ سے تو اس کی بینائی اللہ نے لوٹا دی۔

۸۔ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ ایام حرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے اندر سے نمازوں کے اوقات میں اذان سنتے تھے اور مسجد خالی تھی، ان کے علاوہ کوئی مسجد میں نہیں ہوتا تھا۔

۹۔ حضرت عمرو بن عقبہ بن فرقدؓ سخت گرمی میں نماز پڑھ رہے تھے تو بادل نے ان پر سایہ کیا ہوا تھا اور درندے ان کی حفاظت کرتے تھے جب وہ اپنے ساتھیوں کی سواریوں کو چراتے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے غزوہ میں خدمت کی شرط مقرر کی تھی۔

۱۰۔ حضرت مطرف بن عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ جب گھر میں داخل ہوتے تو ان کے ساتھ برتن تسبیح پڑھتے اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ تاریکی میں چلتے تھے تو ان کے لئے لاٹھی اور کوڑے کا کنارہ روشنی کرتا تھا۔ (۱)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ کا کلام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر تشریف فرما ہونے کے بارے میں

امام علامہ شیخ ابن القیم علیہ الرحمۃ نے ایک عجیب و غریب خصوصیت ذکر کی ہے۔ اور بہت سے ائمہ سلف رحمہم اللہ کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ قاضی نے کہا کہ مروزی نے نبی کریم

(۱) مجموعۃ الفتاوٰی لابن تیمیہ ج ۱۱ ص ۲۸۱

صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں ایک کتاب تصنیف فرمائی اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر بیٹھنے کا ذکر کیا ہے۔ قاضی نے فرمایا کہ یہ مندرجہ ذیل علماء کرام و محدثین عظام کے اقوال ہیں:۔

ابوداؤد۔ احمد بن اصرم۔ یحییٰ بن ابی طالب۔ ابوبکر بن حماد۔ ابوجعفر الدمشقی۔ عیاش الدوری اسحاق بن راہویہ۔ عبدالوہاب الوراق۔ ابراہیم الاصبہانی۔ ابراہیم الحربی۔ ہارون بن معروف۔ محمد بن اسماعیل السلمی۔ محمد بن مصعب العابد۔ ابوبکر بن صدقہ۔ محمد بن بشر بن شریک۔ ابوقلابہ۔ علی بن سہل۔ ابو عبداللہ بن عبدالنور۔ ابوعبید۔ حسن بن فضل۔ ہارون بن العباس الہاشمی۔ اسماعیل بن ابراہیم الہاشمی محمد بن عمران الفارسی الزاہد۔ محمد بن یونس البصری۔ عبداللہ بن الامام احمد المروزی و بشر حافی انتہی رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

شیخ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ یہ ابن جریر طبری کا قول ہے اور ان سب کے امام، امام التفسیر مجاہد ہیں۔ اور یہ ابوالحسن الدارقطنی کا قول ہے۔ اور اس کے بارے میں ان کے چند اشعار ہیں:۔

۱۔ حَدِیْثُ الشَّفَاعَۃِ عَنْ اَحْمَدَ — اِلٰی اَحْمَدَ الْمُصْطَفٰی مُسْنَدُہٗ
۲۔ فَجَآءَ حَدِیْثٌ بِاِقْعَادِہٖ — عَلَی الْعَرْشِ اَیْضًا فَلَا نَجْحَدُہٗ
۳۔ اَمِرُّوا الْحَدِیْثَ عَلٰی وَجْہِہٖ — وَلَا تُدْخِلُوْا فِیْہِ مَا یُفْسِدُہٗ
۴۔ وَلَا تُنْکِرُوْا اَنَّہٗ قَاعِدٌ — وَلَا تُنْکِرُوْا اَنَّہٗ یُقْعِدُہٗ

(ترجمہ) ۱۔ شفاعت کی حدیث امام احمد سے لے کر احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسند ہے۔
۲۔ آپ کے عرش پر بٹھلائے جانے کے بارے میں بھی حدیث وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔
۳۔ اس حدیث کو ظاہر پر ہی محمول کرو اور ایسی تاویل مت کرو جس سے معنی فاسد ہو جائیں۔
۴۔ اس کا بھی انکار مت کرو کہ اللہ پاک عرش پر بیٹھے ہیں (اپنی شان کے مطابق) اور اس کا بھی انکار مت کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائیں گے (اپنی شان کے مطابق)۔(۱)

(۱) بدائع الفوائد ج ۴ ص ۴۰

کشاف القناع میں خصائص عجیبہ کا ذکر [1]

فقیہ علامہ شیخ منصور بن یونس البہوتی حنبلی نے کشاف القناع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے خصائص ذکر کئے ہیں۔ اس کو بہت سے لوگوں نے انوکھا سمجھا۔ جن کی عقل ان اصول کو سمجھنے اور ان قواعد کا استعمال کرنے سے قاصر ہے۔ ان خصوصیات میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ ہماری بعض اشیاء جو ناپاک ہیں۔ ان کی نسبت اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء کی طرف فرمائیں تو پاک ہیں۔ اور دارقطنی کی روایت کی وجہ سے آپ کے بول و دم سے استشفاء بھی جائز ہے۔ کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ کا پیشاب پی لیا تو آپ نے فرمایا۔ "تیرا پیٹ اب آگ میں داخل نہ ہوگا"۔ لیکن یہ ضعیف ہے اور الضعفاء میں ابن حبان نے اس کو روایت کیا ہے۔ کہ ایک غلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھنا لگایا تھا جب وہ فارغ ہوا تو آپ کا خون مبارک پی لیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تیرا بھلا ہو، تو نے خون کا کیا کیا؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے اپنے پیٹ میں اس کو غائب کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا، تیرا بھلا ہو، تو نے اپنے نفس کو آگ سے محفوظ کر لیا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں راز یہ ہے کہ دو فرشتوں نے آپ کے شکم مبارک کو غسل دیا تھا۔

۲۔ ان کا قول کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک نہ تھا، سورج اور چاند میں"۔ کیونکہ آپ تو نورانی یعنی نور ہی نور ہیں اور سایہ ظلمت کی ایک نوع ہے، اس کو ابن عقیل وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اس کا شاہد یہ ہے کہ آپ نے اللہ پاک سے سوال کیا کہ اللہ پاک آپ کے تمام اعضاء وجہات میں نور بنا دیں۔ اور اپنے قول وَاجْعَلْنِي نُوْرًا پر ختم کیا۔ اور زمین آپ کے اثقال کو یعنی بول و براز کو جذب کر لیتی تھی۔

۳۔ مقام محمود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عرش پر تشریف رکھنا ہے۔ اور عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ کرسی پر تشریف رکھنا۔ ان دونوں کو بغوی نے ذکر کیا ہے۔

(۱) فروع حنابلہ کی مشہور کتاب ہے۔

۴۔ آپ کو جمائی نہیں آئی۔

۵۔ اللہ پاک نے آپ کے سامنے آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے بعد تک تمام مخلوق کو پیش کیا۔ جیسا کہ اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے تھے دیلمی کی روایت میں ہے کہ تمام دنیا کو میرے لئے پانی اور مٹی سمیت صورت مثالیہ میں پیش کیا گیا۔ پس میں نے تمام اشیاء کو جان لیا۔ اور آپ پر آپ کی امت کو پیش کیا گیا۔ حتی کہ آپ نے ان کو دیکھ لیا۔ اور طبرانی کی حدیث میں ہے کہ گذشتہ رات اس حجرہ کے پاس میری امت کے اول و آخر پانی اور مٹی کی صورت میں پیش کئے گئے۔ حتی کہ میں ان میں سے ہر انسان کو بلا استثناء پہچانتا ہوں۔ اور آپ پر وہ بھی پیش کیا گیا جو آپ کی امت میں قیامت تک ہوگا۔ احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ میں جانتا ہوں جو میری امت بعد میں کرے گی۔ اور بعض دوسرے بعض کو قتل کریں گے۔ ان کا قول (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت مستحب ہے۔ دارقطنی کی روایت کے عموم کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد تو گویا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی۔[1]

ان خصوصیات کو علماء کرام نے ذکر کیا اور نقل کیا ہے۔ بعض تو صحیح ہیں اور بعض ضعیف ہیں۔ اور بعض کے لئے تو بالکل کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔

مجھے تو معلوم نہیں کہ معترض ان خصائص کے بارے میں کیا کہتا ہے جن کو اہل سنت نے کبار ائمہ سے نقل کیا ہے اور ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور فضائل و مناقب کی نقل میں تسامح کے قاعدہ پر اعتماد کرتے ہوئے ان کبار ائمہ نے اس کو تسلیم کیا۔ اور نقل میں تسامح سے کام لیا باوجودیکہ ان خصائص میں چند ایسے اقوال بھی ہیں کہ اگر معترض یا منکر ان کو سن لے تو اس کے قائل پر کفر سے بھی زیادہ بڑی بات کا حکم لگائے۔ لیکن جو میں نے پہلے نقل کیا ہے، اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں میں نے نقل کیا تھا ابن تیمیہ کا قول کہ قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بٹھائیں گے حالانکہ کتاب و سنت سے کوئی صحیح دلیل اس پر نہیں ہے۔ نیز جو کچھ میں نے نقل کیا ہے وہ کشاف القناع

(۱) کشاف القناع ج ۵ ص ۳۱ یہ کتاب شاہ فیصل کے حکم سے شائع ہوئی تھی۔

کی ان باتوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور آپ کا سایہ نہ تھا۔ اور آپ کے بول و براز کو زمین اس طرح نگل لیتی تھی کہ اوپر کوئی اثر باقی نہ رہتا تھا۔ نیز ہم نے جو خصائص نقل کئے ہیں وہ ابن تیمیہ رح کے نقل کردہ خصائص کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک عرش کے پایوں پر لکھا ہوا ہے۔ نیز جنت کے درختوں کے پتوں دروازوں، قبوں اور پھلوں پر لکھا ہوا ہے۔ آخر یہ محققین کہاں چلے گئے اور ان کے نقد و تمحیص سے یہ مسائل کیسے رہ گئے۔

جب جنّت ماں کے قدموں تلے ہے تو احکامِ نبوت کے تحت کیوں نہ ہو گی؟

خصائص نبویہ میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی زمین کو جاگیر میں تقسیم فرمائیں گے۔ اور اس کے بارے میں اہلِ علم آپس میں بحث کرتے ہیں۔ اور اس خصوصیت کو علامہ سیوطی نے قسطلانی نے وزرقانی نے اپنی شرح مواہب اللدنیہ میں ذکر کیا ہے۔ اس تقسیم کے مستحق صرف اہلِ توحید ہیں۔ باذن اللہ یا تو بطریق وحی یا الہام یا پھر تفویض من اللہ کے طریقے سے۔ اسی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّ اللّٰهُ يُعْطِي" (بخاری)

جب یہ تعبیر کرنا صحیح ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے، تو یہ تعبیر کرنا کیوں صحیح نہیں ہو گا کہ جنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کے تحت ہے۔ دونوں کے معنی ایک ہیں اور ادنیٰ سے طالب علم کے نزدیک بھی معروف و معلوم ہیں۔

یہ تعبیر مجازی ہے اور مقصود یہ ہے کہ جنت میں پہنچنا والدین کے ساتھ نیکی اور خدمت کے راستہ سے ہو گا خصوصاً والدہ کے ساتھ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی محبت و اطاعت کے طریقہ سے۔ اس خصوصیت کی بہت سی مثالیں ہیں۔ جو اس کی صحت کے لئے شاہد ہیں۔ ان میں سے سب سے اہم کو ذکر کرتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی ضمانت دیتے ہیں

جنت کی زمین کو جاگیرانہ تقسیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کے لئے جنت کی ضمانت دی۔ اور یہ اہل بیعت عقبہ کو حاصل ہوئی۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ میں عقبۂ اولیٰ میں حاضر ہونے والوں میں سے تھا۔ اس میں ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ چوری و زنا نہ کریں گے۔ اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں گے۔ اور یہ کہ ہم کوئی بہتان اپنی طرف سے نہ باندھیں گے۔ اور کسی بھلے کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گے۔ تو پھر آپ نے فرمایا۔ اگر تم اس عہد کو پورا کرو تو تم سب کے لئے جنت واجب ہے۔ اور اگر تم اس سے کوتاہی کرو تو تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، وہ چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو مغفرت کر دے۔

ابن کثیر نے باب بدأ الاسلام للانصار میں اس کو ذکر کیا ہے[1]۔ اور حدیث صحیح میں اس کی تصریح ہے کہ یہ بیعت جنت کے ساتھ مشروط تھی۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس جماعت میں سے تھا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ اور کہا کہ ہم نے آپ سے اس پر بیعت کی تھی کہ ہم کسی کو اللہ کا شریک نہ کریں گے اور چوری و زنا نہ کریں گے۔ اور جس نفس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل نہ کریں گے مگر حق کے ساتھ۔ اور ڈکیتی نہ ڈالیں گے، تو ہم نے اس بات پر بیعت کی تھی کہ اگر ہم نے یہ کیا تو جنت کی ہمارے لئے ضمانت ہو گی۔

امام بخاری نے کتاب مناقب الانصار باب بیعت العقبہ میں اس کو روایت کیا ہے! اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس عہد کو پورا کرے اس کے لئے جنت ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۱۵۰)

اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اگر ہم اس عہد کو پورا کر دیں تو ہمارے لئے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جنت (البدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۱۶۲)

اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب تم نے اس کو جان لیا تو اب تمہارے لئے اللہ پر اور مجھ پر جنت ہے۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۶۳) (مجمع ۶/۴۷)

حضرت عقبہ بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فَاِذَا عَمِلْتُمْ ذٰلِكَ فَلَكُمْ عَلَى اللّٰهِ الْجَنَّةُ وَعَلَيَّ (کنز العمال ۱/۶۷)

---

(۱) السیرۃ ج ۲ ص ۱۷۲

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے نعلین مبارک دے اور فرمایا کہ جاؤ جو بھی تم کو ملے گا اس باغ کے باہر اور وہ اللہ کی وحدانیت کی گواہی دے، اس کو جنت کی خوشخبری دے دو۔ اس کو مسلم نے کتاب الایمان میں روایت کیا ہے۔

آپ کے دستِ مبارک سے دخولِ جنت کا پروانہ

رُوِیَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: یُوْضَعُ لِلْاَنْبِیَاءِ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ یَجْلِسُوْنَ عَلَیْهَا وَیَبْقٰی مِنْبَرِیْ لَا اَجْلِسُ عَلَیْهِ، اَوْ قَالَ: لَا اَقْعُدُ عَلَیْهِ، قَائِمًا بَیْنَ یَدَیْ رَبِّیْ مَخَافَةَ اَنْ یَّبْعَثَ بِیْ اِلَی الْجَنَّةِ وَتَبْقٰی اُمَّتِیْ بَعْدُ، فَاَقُوْلُ: یَا رَبِّ، اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ، فَیَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: یَا مُحَمَّدُ! مَا تُرِیْدُ اَنْ اَصْنَعَ بِاُمَّتِكَ؟ فَاَقُوْلُ: یَا رَبِّ عَجِّلْ حِسَابَهُمْ، فَیُدْعٰی بِهِمْ فَیُحَاسَبُوْنَ، فَمِنْهُمْ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهٖ، وَمِنْهُمْ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِیْ، فَمَا اَزَالُ اَشْفَعُ حَتّٰی اُعْطٰی صِكَاكًا بِرِجَالٍ قَدْ بُعِثَ بِهِمْ اِلَی النَّارِ حَتّٰی اِنَّ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ لَیَقُوْلُ: یَا مُحَمَّدُ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انبیاء کے لئے نور کے منبر رکھے جائیں گے جن پر وہ بیٹھیں گے اور میرا منبر باقی ہوگا میں اس پر نہ بیٹھوں گا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں گا اس خوف سے کہ مجھے جنت میں بھیج دیا جائے اور میری امت باقی رہے پس میں کہوں گا یا رب امتی امتی۔ تو اللہ جل شانہٗ مجھ سے فرمائیں گے! اے محمد! تم کیا چاہتے ہو میں تمہاری امت کے ساتھ کیا کروں؟ تو میں کہوں گا یا رب! ان کا حساب جلدی کریں۔ پس ان کو بلایا جائے گا اور حساب کیا جائے گا۔ بعض لوگوں کو تو اللہ پاک اپنی رحمت سے جنت میں داخل کر دیں گے اور کچھ کو میری شفاعت کی برکت سے۔ میں شفاعت کرتا رہوں گا حتی کہ مجھے کچھ لوگوں کا پروانہ دیدیا جائیگا جن کو دوزخ میں بھیجدیا ہوگا۔ دوزخ کا داروغہ مالک کہیگا۔ اے محمد!

مَا تَرَكْتُ لِغَضَبِ رَبِّكَ فِیْ اُمَّتِكَ مِنْ نِّقْمَةٍ۔ (رواہ البیہقی فی البعث) و (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

میں نے کوئی عذاب آپ کی امت پر نہیں کیا۔ کیونکہ میں عذاب دینے سے ڈرتا تھا کہ اللہ پاک ناراض ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت عطا فرمائیں گے

ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا، ہم آپ سے کس بات پر بیعت کریں؟ تو آپ نے فرمایا تم مجھ سے بیعت کرو سننے اور اطاعت کرنے پر مشکل اور آسان حالت میں اور تنگی میں خرچ کرنے پر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر۔ اور تم لوگوں کے لئے جنت ہے الحدیث۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ امام احمدؒ نے دوسرے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک پکڑا ہوا تھا۔ جب ہم فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا "اَخَذْتُ وَاَعْطَیْتُ" میں لیتا ہوں اور دیتا ہوں۔ یعنی بیعت لے کر جنت دیتا ہوں۔ اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے[1]۔

میں کہتا ہوں کہ دوسری روایت میں اس سے زیادہ تصریح ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے سننے اور اطاعت پر بیعت کرو، تم کو جنت ملے گی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ خدا کی قسم ہم کبھی بھی اس بیعت کو نہیں چھوڑتے، یعنی ضرور کریں گے۔ پس ہم نے آپ سے بیعت کی، اور آپ نے ہم سے بیعت لی۔ اور اس پر ہم کو جنت دی۔

علامہ ہیثمیؒ نے فرمایا کہ اصحاب السنن نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے (یہ حدیث کی ایک اصطلاح ہے) اور امام احمد و بزار نے بھی روایت کیا ہے۔ اور احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں[2]۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی

(۱) مجمع الزوائد ج ۶ ص ۴۸۔ فتح الباری ج ۷، ص ۲۲۳

(۲) مجمع الزوائد ج ۶ ص ۴۶

صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مرتبہ جنت کو خریدا، یختہ خریداری کی۔ ایک جب بئر معونہ خرید کر وقف کیا اور دوسرے جب جیش عسرہ(۱) کو لشکر کا سامان دیا۔ (۲)

ہر عاقل آدمی جانتا ہے کہ جنت اللہ جلّ شانہٗ ہی کی ملک ہے نہ کوئی دوسرا اس کا مالک ہے اور نہ کوئی اس میں تصرف کر سکتا ہے۔ کیسے ہی درجے اور مرتبے والا کیوں نہ ہو، نہ کوئی فرشتہ و نہ کوئی رسول و نبی۔ لیکن اللہ پاک نے اپنے رسول پر احسان فرمایا اور ان کو ایسا عطیہ دیا جس عطیہ نے تمام رسولوں کو دوسروں سے ممتاز فرمایا۔ اور یہ اللہ جل شانہٗ کے نزدیک ان کی کرامت و بزرگی اور علو مرتبت کی دلیل ہے۔ لہٰذا انبیاء کرام کی طرف ان عطایا کی نسبت کر دی جاتی ہے۔ اور ان کی طرف ان کی تعظیم و احترام و کرامت کی وجہ سے تصرف کی بھی اضافت کر دی جاتی ہے، اس طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں یہ تعبیر کرنا کہ آپ نے جنت کی زمین کو تقسیم فرمایا یا جنت کی ضمانت دی یا جنت کو فروخت کیا یا جنت کی بشارت دی باوجودیکہ جنت اللہ جل شانہٗ ہی کی ہے۔ اور اس میں تو صرف جاہل ہی شک و شبہ کرے گا جس کو علم شریعت سے کچھ بھی مناسبت و معرفت نہ ہو۔

اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ بَصَآئِرَنَا وَافْتَحْ مَسَامِعَ قُلُوْبِنَا وَاَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ

لیلۃ المیلاد سے کیا مقصد ہے؟

بعض علماء کرام نے خصائص نبویہ میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ والی رات لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے اور باضابطہ اس میں دونوں راتوں کا مقابلہ کر کے ذکر کیا ہے لیکن اس جگہ جس بات کو میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس رات سے مقصود وہ رات ہے جس میں حقیقۃً آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اور یہ سینکڑوں سال پہلے گذر چکی ہے۔ اور یہ لیلۃ القدر کے ظہور سے پہلے تھی۔ اور اس رات سے مقصود وہ رات نہیں ہے جو ہر سال آتی ہے جو حقیقی میلادِ نبوی کی طرح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور اس کے انکار یا اقرار سے

---

(۱) یعنی غزوۂ تبوک کا لشکر

(۲) رواہ الحاکم فی المستدرک وصححہ۔ ج ۳۔ ص ۱۰۷

کوئی نفع و ضرر متعلق نہیں ہے اور نہ ہی عقیدہ سے اس کا کوئی تعلق ہے لیکن علماء کرام نے بہت چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی رسائل تالیف کئے ہیں جن کی اس مسئلہ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے

حاصل یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ تفضیل کی بحث لیلۃ المولد حقیقی اور لیلۃ القدر کے درمیان ہے اور وہ حقیقی لیلۃ المولد ایک ہی ہے اور وہ گذر چکی۔ اور لیلۃ القدر موجود ہے اور ہر سال آتی ہے۔ اور یہ افضل اللیالی ہے جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے:۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَآ	بے شک قرآن کو ہم نے شبِ قدر میں اتارا ہے
اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ	اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے
الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ الآیۃ	شبِ قدر ہزار ماہ سے افضل ہے۔

(سورۃ القدر پ ۳۰)

اور ان جیسے مسائل میں کبار سلف اور اہلِ علم کا بحث کرنا ثابت ہے۔ اب انہی امام ابنِ تیمیہؒ کو دیکھ لیں کہ لیلۃ القدر اور لیلۃ الاسراء میں سے کون افضل ہے، خوب کلام کیا ہے۔ حالانکہ ائمۂ سلف اور اہلِ قرونِ اولیٰ میں سے اس بارے میں کسی کا کلام ثابت نہیں ہے۔ چہ جائیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم۔

اس موضوع پر ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کا فتویٰ

شیخ الاسلام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ لیلۃ الاسراء، لیلۃ القدر سے افضل ہے۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ لیلۃ القدر افضل ہے تو ان دونوں میں سے کون صحیح ہے۔ تو شیخ نے جواب دیا کہ الحمد للہ کہ لیلۃ الاسراء افضل ہے لیلۃ القدر سے۔ تو اگر اس کی مراد یہ ہو کہ لیلۃ الاسراء حقیقی اور اسی تاریخ کی ہر سال آنے والی رات افضل ہے امتِ محمدیہ کے لئے بایں طور کہ اس رات میں عبادت و دعا کرنا لیلۃ القدر سے افضل ہے تو یہ بالکل باطل ہے۔ کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہے اور بالاتفاق یہ ظاہر الفساد ہے۔

اور اگر اس کی مراد خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی وہ رات ہو جس میں قصۂ اسراء پیش آیا اور اس رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی ایسی نعمتیں حاصل ہوئیں جو دیگر راتوں میں حاصل

نہیں ہوئیں۔ لیکن اس رات کے ساتھ کوئی عبادت مخصوص نہ کرے تو یہ بات صحیح ہے۔ اھ مقدمہ زاد المعاد لابن القیم۔

مجھے زیادہ نہ بڑھاؤ

بعض لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "لا تطرونی کما اطرت النصارٰی عیسیٰ بن مریم" سے یہ سمجھ لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدح سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ سمجھے کہ جو شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرے اور دیگر عامہ بشر سے آپ کی رفعت کو بیان کرے اور آپ کی ایسی صفت بیان کرے جو دوسروں سے ممتاز کردے تو اس شخص نے دین میں بدعت داخل کردی اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی۔ یہ بُری سوچ ہے اور تنگ نظری پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس قول کا صحیح مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف میں اس مبالغہ سے منع فرمایا ہے جیسا کہ نصارٰی نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہوئے ابن اللہ کہہ دیا۔ اور اس کے معنی یہ ہیں جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ویسا ہی مبالغہ کرے جیسا کہ نصارٰی نے تعریف میں کیا ہے، تو وہ ان کے مثل ہوگا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف ان اوصاف سے کرنا جو آپ کو بشریت سے نہ نکالیں، اس عقیدہ کے ساتھ کہ آپ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں، نصارٰی کے عقیدہ سے دور تو یہ شخص بلا شک و شبہ سب سے زیادہ کامل التوحید شخص ہے۔

۱۔ دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِی نَبِیِّہِمْ	وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْہِ وَاحْتَکِمْ
۲۔ فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ	حَدٌّ فَیُعْرِبُ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمٖ
۳۔ فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِیْہِ اَنَّہٗ بَشَرٌ	وَاَنَّہٗ خَیْرُ خَلْقِ اللّٰہِ کُلِّہِمٖ

(ترجمہ) ۱۔ نصارٰی نے اپنے نبی کے بارے میں جو دعوٰی کیا وہ چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو چاہے تعریف کر۔ (یعنی الٰہ یا ابن اللہ تو نہ کہہ۔ اور اس سے کم ہر تعریف کے حضور سزاوار ہیں)

۲۔ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی کوئی حد نہیں جس کو کوئی بولنے والا اپنی زبان سے ظاہر کرسکے۔

۳۔ پس ہمارے علم کی انتہا آپ کے بارے میں یہ ہے کہ آپ ہیں تو بشر لیکن اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق (جن و انس و ملک) میں آپ سب سے بہتر ہیں۔

اللہ پاک نے خود اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح قرآن کریم میں فرمائی ہے۔ "وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ"۔ اور خطاب و جواب میں ادب کا حکم دیا ہے "یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" اور آپ کے ساتھ آپس کی طرح کا معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے، اور آپس کی طرح آپ کو آواز دینے سے بھی منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: "لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا"۔ اور جو لوگ طور طریقوں سے آپ کے اور دوسروں کے درمیان برابری کرتے ہیں، ان کی بُرائی فرمائی "اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُہُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ" اور صحابۂ کرام آپ کی مدح کیا کرتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

۱۔ اَغَرُّ عَلَیْہِ لِلنُّبُوَّۃِ خَاتَمٌ	مِنَ اللّٰہِ مَشْہُوْدٌ یَّلُوْحُ وَیَشْہَدُ
۲۔ وَضَمَّ الْاِلٰہُ اسْمَ النَّبِیِّ اِلَی اسْمِہٖ	اِذَا قَالَ فِی الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْہَدُ
۳۔ وَشَقَّ لَہٗ مِنِ اسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ	فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّہٰذَا مُحَمَّدُ
۴۔ نَبِیٌّ اَتَانَا بَعْدَ یَاسٍ وَّفَتْرَۃٍ	مِنَ الرُّسْلِ وَالْاَوْثَانُ فِی الْاَرْضِ تُعْبَدُ
۵۔ فَاَمْسٰی سِرَاجًا مُّسْتَنِیْرًا وَّہَادِیًا	یَلُوْحُ کَمَا لَاحَ الصَّقِیْلُ الْمُہَنَّدُ
۶۔ فَاَنْذَرَنَا نَارًا وَّبَشَّرَ جَنَّۃً	وَعَلَّمَنَا الْاِسْلَامَ فَلِلّٰہِ نَحْمَدُ

اور یہ بھی فرمایا:۔

۷۔ یَا رُکْنَ مُعْتَمِدٍ وَّعِصْمَۃَ لَآئِذٍ	وَمَلَاذَ مُنْتَجِعٍ وَجَارَ مُجَاوِرٍ
۸۔ یَا مَنْ تَخَیَّرَہُ الْاِلٰہُ لِخَلْقِہٖ	فَحَبَاہُ بِالْخُلُقِ الزَّکِیِّ الطَّاہِرِ
۹۔ اَنْتَ النَّبِیُّ وَخَیْرُ عُصْبَۃِ اٰدَمٍ	یَا مَنْ یَّجُوْدُ کَفَیْضِ بَحْرٍ زَاخِرٍ
۱۰۔ مِیْکَالُ مَعَکَ وَجِبْرِیْلُ کِلَاہُمَا	مَدَدٌ لِّنَصْرِکَ مِنْ عَزِیْزٍ قَادِرٍ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنتِ عبد المطلب آپ کی وفات پر یہ اشعار کہتی ہیں:۔

۱۱- ألا یا رسول الله کنت رجاءنا — وکنت بنا برًّا ولم تک جافیا

۱۲- وکنت رحیمًا هادیًا ومعلّمًا — لیبک علیک الیوم من کان باکیا

۱۳- صدقت وبلّغت الرسالة صادقًا — ومن صلیب العود أبلج صافیا

۱۴- فدی لرسول الله أمّی وخالتی — وعمّی وآبائی ونفسی ومالیا

۱۵- لعمرک ما أبکی النبی لفقده — ولکن لما أخشی من الهرج آتیا

۱۶- کأنّ علی قلبی لذکر محمّد — وما خفت من بعد النبیّ مطاویا

۱۷- فلو أنّ ربّ الناس أبقی نبیّنا — سعدنا ولکن أمره کان ماضیا

۱۸- علیک من الله السلام تحیّة — وأدخلت جنّات من العدن راضیا

۱۹- أفاطم صلّی الله ربّ محمّد — علی جدث أمسی بطیبة ثاویا

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ اپنے معروف قصیدہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں جس کا مطلع یہ ہے -

۲۰- بانت سعاد فقلبی الیوم متبول — متیّم إثرها لم یفد مکبول

۲۱- أنبئت أنّ رسول الله أوعدنی — والعفو عند رسول الله مأمول

۲۲- إنّ الرسول لنور یستضاء به — مهنّد من سیوف الله مسلول

۲۳- فی عصبة من قریش قال قائلهم — ببطن مکّة لمّا أسلموا زولوا

۲۴- یمشون مشی الجمال الزهر یعصمهم — ضرب إذا عرّد السود التنابیل

ترجمہ اشعار :-

۱- روشن ہے آپ کے اوپر مہر نبوت، نبوت کی دلیل کے طور پر- آپ اللہ کی طرف سے گواہی دیئے گئے ہیں- اور مہر نبوت بھی چمکتی اور گواہی دیتی ہے-

۲- اللہ جل شانہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا- جب موذن پانچوں وقت اشہد کہتا ہے-

۳- اپنے نام سے آپ کا نام نکالا تاکہ ان کو بڑائی اور بزرگی دے- عرش والا محمود ہے- اور یہ محمد ہیں-

۴- ایسے نبی ہیں جو ہمارے پاس ناامیدی کے بعد آئے اور رسولوں کے انقطاع کے بعد- جب کہ روئے زمین پر بتوں کی پرستش ہو رہی تھی-

۵- پس آپ روشنی پھیلانے والے چراغ بن گئے اور چمکتے ہادی بنے جیسا کہ ہندوستانی صیقل کیا ہوا تلوار چمکتا ہے-

۶- آپ نے ہم کو نار جہنم سے ڈرایا اور جنت کی بشارت دی اور اسلام کی تعلیم دی- پس ہم اللہ ہی کی حمد کرتے ہیں-

۷- اے بھروسہ کرنے والے کے لئے بھروسہ اور اے پناہ گیروں کے لئے جائے پناہ اور مصیبت زدہ کے لئے مددگار اور قرب کے متلاشی کے قریب-

۸- اے وہ ذات جس کو اللہ جل شانہ نے اپنی مخلوق کے لئے چنا- پس ان کو بہترین پاکیزہ اور عمدہ اخلاق عطا کئے-

۹- آپ نبی ہیں اور بنی آدم میں سب سے بہتر- اے وہ ذات جو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح سخاوت کرنے والی ہے-

۱۰- حضرت میکائیل و جبرئیل دونوں عزیز قادر جل جلالہ کی طرف سے آپ کے لئے مدد ہیں-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کی وفات پر بطور مرثیہ یہ اشعار کہتی ہیں-

۱۱- یارسول اللہ! آپ ہماری امید تھے- آپ ہمارے ساتھ نیکی کا سلوک کرتے تھے اور سختی کا برتاؤ نہ کرتے تھے-

۱۲- آپ رحیم، ہدایت دینے والے، معلم تھے- آج رونے والے آپ پر روئیں-

۱۳- آپ سچے تھے اور سچائی کے ساتھ رسالت مخلوق تک پہنچا دی- اور صاف ستھرے چمکدار پوری صحتمندی کے ساتھ وفات پا گئے-

۱۴- میری ماں، میری خالہ، چچا و آباء و اجداد اور میرا جان و مال سب آپ پر قربان ہوں-

۱۵- آپ کی عمر مبارک کی قسم میں آپ کی جدائی میں نہیں روتی- لیکن مجھے ڈر ہے ان آنے والے مصائب کا-

۱۶- گویا کہ میرے قلب پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور آپ کے بعد حزن مصائب کا خوف ہے، اس کا بوجھ ہے۔

۱۷- اے لوگوں کے پالنہار ہمارے نبی کو باقی رکھتے تو یہ ہماری سعادت تھی۔ لیکن تیرا امر اٹل ہے

۱۸- آپ پر اللہ جل شانہٗ کی طرف سے سلاموں کا تحیہ۔ اور آپ جنّات عدن میں راضی خوشی داخل کئے جائیں۔

۱۹- اے فاطمہ! اللہ جل شانہٗ، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی پالنہار ہیں رحمت کاملہ نازل کر اس جسدِ اطہر پر جو کہ طیبہ میں لپیٹ دیا گیا۔

اور یہ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ ہیں، اپنے مشہور قصیدے کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کر رہے ہیں۔ جس کا مطلع یہ ہے۔

۲۰- سعاد کی جدائی میں آج میرا دل خستہ حال ہے۔ وہ مارا مارا پھرنے والا ہے۔ پیچھے اس کے ایک قیدی ہے جس کا فدیہ نہیں دیا گیا۔

۲۱- مجھے بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دھمکی دی ہے قتل کی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے معافی اور درگذر کی امید ہے۔

۲۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ آپ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اللہ کی تلواروں میں سے ہندی سونتی ہوئی تلوار ہیں۔

۲۳- قبیلہ قریش میں سے کسی کہنے والے نے کہا بطن مکہ میں جب وہ لوگ اسلام لے آئے کہ کوچ کر چلو۔

۲۴- وہ چلتے ہیں چال سفید خوبصورت اونٹوں کی۔ بچاتی ہے ان کو شمشیر زنی جب کہ منہ موڑ لیتے ہیں سیاہ فام، کوتاہ قد۔

ابوبکر بن الانباری کی روایت میں ہے کہ جب کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ اس شعر "اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ" پر پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک جو آپ پر تھی، ان کی طرف پھینک دی۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس چادر کو ان سے دس ہزار درہم میں خریدنا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ پھر

جب کعب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ورثاء سے بیس ہزار درہم میں خرید لی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں " اَنَا خَیْرُ اَصْحَابِ الْیَمِیْنِ" "اَنَا خَیْرُ السَّابِقِیْنَ" " اَنَا اَتْقٰی وُلْدِ اٰدَمَ وَاَکْرَمُ عَلَی اللّٰہِ وَلَا فَخْرَ" اس کو طبرانی و بیہقی نے الدلائل میں روایت کیا ہے۔ اور آپ نے فرمایا " اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَلَا فَخْرَ" ترمذی اور دارمی نے اس کو روایت کیا ہے۔

اور آپ نے فرمایا:-

لَمْ یَلْتَقِ اَبَوَایَ عَلٰی سِفَاحٍ قَطُّ

میرے آبار واجداد کبھی برائی پر جمع نہ ہوئے

اس کو ابن العمر العوفی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ میں زمین کے مشرق و مغرب میں پھرا، میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کوئی نہیں دیکھا۔ اور نہ کوئی قبیلہ بنی ہاشم سے افضل دیکھا۔

بیہقی و ابونعیم وطبرانی نے اس کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِالْبُرَاقِ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِہٖ فَاسْتَصْعَبَ عَلَیْہِ، فَقَالَ لَہٗ جِبْرِیْلُ: بِمُحَمَّدٍ تَفْعَلُ ھٰذَا؟ فَمَا رَکِبَکَ اَحَدٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنْہُ فَارْفَضَّ عَرَقًا۔

(رواہ الشیخان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیلۃ الاسراء میں بُراق سواری لائی گئی تو وہ شیخی کرنے لگی تو براق کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح کرتا ہے؟ تجھ پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی قابلِ کرامت وشرافت آدمی سوار نہیں ہوا، تو وہ بُراق پسینے پسینے ہو گیا اس کو شیخین نے روایت کیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ قَالَ: اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ
یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَبِیَدِیْ
لِوَآءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ، وَمَا مِنْ
نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ - اٰدَمُ وَمَنْ سِوَاہُ -
اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ، وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ
تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ،
(رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)

میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے
دن اور اس پر کوئی فخر نہیں اور میرے ہاتھ
میں لواء الحمد ہوگا اور اس پر بھی کوئی فخر نہیں
اور تمام انبیاء میرے جھنڈے تلے ہوں
گے حضرت آدم اور ان کے علاوہ، اور میں
سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جس پر زمین پھٹے
گی اور اس پر کوئی فخر نہیں۔ ترمذی نے اس
کو روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی
اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ
خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا، وَاَنَا قَائِدُهُمْ
اِذَا وَفَدُوْا، وَاَنَا خَطِیْبُهُمْ اِذَا
اَنْصَتُوْا، وَاَنَا شَفِیْعُهُمْ اِذَا حُبِسُوْا
وَاَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا اَیِسُوْا،
وَالْمَفَاتِیْحُ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ، وَ
لِوَآءُ الْحَمْدِ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ، وَ
اَنَا اَکْرَمُ وُلْدِ اٰدَمَ عَلٰی رَبِّیْ
یَطُوْفُ عَلَیَّ اَلْفُ خَادِمٍ کَاَنَّهُمْ
بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ اَوْ لُؤْلُؤٌ مَّنْثُوْرٌ،
(رواہ الترمذی والدارمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو سب سے
پہلے میں نکلنے والا ہوں گا۔ اور جب میدانِ
محشر کی طرف جائیں گے تو میں ان کا قائد ہوں
گا اور جب خاموش ہوں گے تو میں بولنے
والا ہوں گا۔ اور جب روک دئے جائیں گے
تو میں سفارشی ہوں گا اور جب نا امید ہوں گے
تو میں خوشخبری سناؤں گا۔ کرامت اور جنت
کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور لواء
الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور اس دن اپنے
رب کے نزدیک میں تمام اولادِ آدم میں سب سے
زیادہ بزرگی والا ہوں گا۔ میرے آس پاس
ایک ہزار خادم ہوں گے وہ ایسے ہوں گے جیسے
چھپائے ہوئے انڈے اور بکھرے ہوئے موتی
روایت کیا اس کو ترمذی و دارمی نے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی
اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَنَا اَوَّلُ
مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ فَاُکْسٰی
حُلَّةً مِّنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ اَقُوْمُ
عَلٰی یَمِیْنِ الْعَرْشِ لَیْسَ اَحَدٌ
مِّنَ الْخَلَائِقِ یَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ
غَیْرِیْ۔ (رواہ الترمذی وقال
حسن صحیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین سب
سے پہلے مجھ پر سے پھٹے گی۔ پھر جنت کے جوڑوں
میں سے ایک جوڑا مجھے پہنایا جائے گا۔ پھر
میں عرش کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا مخلوق
میں سے کوئی بھی میرے سوا اس جگہ نہیں
کھڑا ہوگا۔ امام ترمذی نے روایت کر کے حسن صحیح
کہا ہے۔

انبیاء بشر ہیں مگر....

بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات تمام احوال وکیفیات میں دوسرے انسانوں کے برابر ہیں۔ یہ بہت بڑی غلطی اور کھلی جہالت ہے۔ قرآن کریم اور سنت رسول اللہ کی واضح دلیلیں اس کی تردید کرتی ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اصل بشریت کی حقیقت میں اگرچہ بنی آدم کے ساتھ شریک ہیں، کیونکہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد گرامی ہے " قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ " مگر بہت سی صفات و حالات وکیفیات میں مختلف ہیں۔ ورنہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی رفعت اور فضیلت کیسے دوسروں پر ظاہر ہوگی۔ اور کیسے فرق کیا جائے گا۔

اس مقام پر ہم حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی چند ایسی صفات کو ذکر کرتے ہیں جو کہ دنیا میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں۔ اور قرآن وحدیث میں منصوص ہیں۔ اور ان خصوصیات کو بھی ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق عالم برزخ سے ہے اور قرآن حکیم اور حدیث پاک سے ثابت ہیں۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اشرف المخلوقات میں برگزیدہ ہیں

حضرات انبیاء کرام اللہ پاک کے محبوب بندے ہیں۔ اللہ پاک نے ان کو نبوت سے مشرف فرمایا ہے، ان کو حکمت (دانائی کی باتیں) عطا فرمائی ہے۔ اللہ پاک نے ان کو قوتِ عقل اور صحتِ رائے سے نوازا ہے اور ان کو مقامِ نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ تاکہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوں۔ اور اللہ کے احکامات کو ان تک پہنچائیں، اور اللہ کے غصہ اور پکڑ سے بندوں کو ڈرائیں۔ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ پاک کے بندوں کو وہ راستہ دکھائیں جس میں ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی ہے اور اللہ پاک کی حکمت کا مقتضا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر ہوں، تاکہ لوگ ان سے فائدہ اٹھا سکیں اور ان سے مستفیض ہوسکیں۔ اور انبیاء کرام کا اتباع ہر بات میں انسانوں کے لئے آسان ہو۔ اور بشریت تو حضرات انبیاء کرام کا عین معجزہ ہے کہ وہ ایک بشر ہونے کے باوجود باقی انسانوں سے ممتاز ہیں۔ ان تک کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ یہیں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے، کہ ان کو خصوصیات سے خالی انسانوں کی طرح سمجھنا یہ مشرکانہ وجاہلانہ نظریہ ہے۔

اس کی ایک مثال حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کا قول ہے۔ جس کو اللہ پاک نے سورۂ ہود میں ذکر کیا ہے۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

ان کی قوم کے کفار نے کہا ہم تو تم کو اپنے جیسا ہی بشر گمان کرتے ہیں۔

(سورۂ ہود۔ آیت ۲۷)

دوسری مثال حضرت موسیٰ و ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کی قوم کا قول ہے۔ جس کو اللہ پاک نے سورۂ مومنون میں بیان فرمایا ہے۔

فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ○

پس انہوں نے کہا کیا ہم اپنے ہی جیسے دو انسانوں پر ایمان لائیں جب کہ ان کی قوم ہماری غلام ہے۔

(سورۂ مومنون آیت ۴۷)

تیسری مثال اصحابِ ثمود کا قول ہے جس کو اللہ پاک نے سورۃ الشعراء میں نقل فرمایا ہے۔

مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ○

تم تو ہم جیسے بشر ہو۔ کوئی نشانی لاؤ اگر تم سچوں میں سے ہو۔

(سورۃ الشعراء۔ آیت ۱۵۴)

چوتھی مثال اصحابِ ایکہ کا قول ہے جو انہوں نے اپنے نبی حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا جس کو اللہ پاک نے سورۃ الشعراء میں نقل کیا ہے۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ○ پ۱۹

انہوں نے کہا کہ تم تو ان میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہو۔ اور تم ہم جیسے بشر ہی ہو ہم تم کو البتہ جھوٹوں میں سے خیال کرتے ہیں۔

پانچویں مثال مشرکین مکہ کا قول ہمارے نبی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے۔ ان لوگوں نے تو آپ کو صرف اور صرف نظرِ بشریت سے دیکھا اور کہا جس کو اللہ پاک نے بیان فرمایا۔

وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ

یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

(سورہ فرقان پ۱۹)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفات

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اگرچہ بشر ہیں، کھاتے پیتے ہیں، تندرست و بیمار ہوتے ہیں، عورتوں سے نکاح کرتے ہیں۔ بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں (دعوت الی اللہ کے لئے) دیگر عوارضات مثلاً ضعف و بڑھاپا، موت وغیرہ پیش آتے ہیں، ان سب کے ساتھ دیگر چند خصوصیتوں کی وجہ سے دیگر انسانوں سے جدا ہوتے ہیں، اور دیگر عظیم اوصافِ حمیدہ کے ساتھ متصف ہوتے ہیں دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں کہ جو اوصافِ حمیدہ لازم ہوتے ہیں، کبھی جدا نہیں ہوتے۔ اہم ضروری صفات کو مختصراً یہاں بیان کرتے ہیں۔

(۱) صدق (۲) تبلیغ (۳) امانت داری (۴) فطانت (سمجھ داری) (۵) سلامۃ من

العیوب المنفرۃ (باعثِ نفرت عیوب سے پاکی)، (٦) عصمت یعنی انبیاءِ کرام سے گناہوں کا صدور ناممکن ہونا۔

اس جگہ تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں ہے تفصیل کتب التوحید میں ہے۔ ہم تو اس جگہ چند ان خصوصیات کو ذکر کریں گے جن کی وجہ سے حضرات انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دیگر انسانوں سے ممتاز ہیں اور ان میں بھی مختصراً صرف ان خصوصیات کو ذکر کریں گے جو قرآن کریم اور حدیثِ پاک سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت ہیں۔

سامنے اور پیچھے سے دیکھنے میں برابری

حضرات شیخین (حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میرا قبلہ آگے ہے (لہٰذا میں پیچھے نہیں دیکھ سکتا) خدا کی قسم تم لوگوں کا رکوع اور تم لوگوں کا سجود مجھ پر مخفی نہیں ہے۔ میں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

حضرت امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں تم لوگوں کا امام ہوتا ہوں۔ تم لوگ رکوع اور سجود میں مجھ سے جلدی مت کیا کرو میں اپنے آگے سے بھی دیکھتا ہوں اور اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ عبدالرزاق نے اپنی جامع میں اور حاکم و ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں وہ جو میرے پیچھے ہے جیسا کہ میں وہ تمام دیکھتا ہوں جو میرے سامنے ہے۔

اور ابونعیم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

وہ سب چیزیں دیکھ اور سُن سکتے ہیں جو عام بشر نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سُن سکتے ہیں

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنِّیْ اَرٰی مَا

لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ، اَطَّتِ السَّمَآءُ وَحَقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ، وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا فِیْهَا مَوْضِعُ اَرْبَعَةِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَّاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدٌ لِلّٰهِ، وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا، وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَآءِ عَلَى الْفُرُشَاتِ، وَلَخَرَجْتُمْ اِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں دیکھتا ہوں وہ جو تم نہیں دیکھتے۔ اور میں سنتا ہوں وہ جو تم نہیں سنتے۔ اور آسمان چرچرا رہے ہیں اور ان کو اس کا حق ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آسمانوں میں چار انگلیوں کی مقدار بھی کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جس پر فرشتوں نے اپنی پیشانی سجدہ کے لئے نہ رکھی ہوئی ہو۔ خدا کی قسم اگر تم لوگ جان لو وہ امور جو کہ میں جانتا ہوں تو تم لوگ تھوڑا ہنسو اور زیادہ رویا کرو۔ اور تم لوگ اپنے بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کرو۔ اور البتہ تم لوگ جنگل کی طرف نکل جاؤ اور اللہ پاک کے سامنے گڑگڑاؤ اور خوب چلّاؤ، شور مچاؤ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل مبارک

حضرات شیخین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ فرمایا کرتے تھے تو آپ کی بغل مبارک کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔ اور بہت سی احادیث میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی ایک جماعت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل کی سفیدی کا ذکر وارد ہوا ہے۔

محب طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کی بغل مبارک سفید تھی۔ اور تمام لوگوں کی بغل کا رنگ مختلف ہوتا ہے۔ امام قرطبی نے اس پر اضافہ کیا۔ اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل مبارک میں بال نہ تھے۔

جمائی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ تھے

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے تاریخ میں اور ابنِ ابی شیبہ نے اپنی مصنّف میں اور ابنِ سعد نے حضرت یزید بن الاصم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی جمائی نہیں آئی۔ اور ابن ابی شیبہ نے مسلمہ بن عبدالملک بن مروان سے تخریج کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی جمائی نہیں آئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک

أَخْرَجَ مُسْلِمٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدَنَا فَعَرِقَ وَجَاءَتْ أُمِّي بِقَرُوْرَةٍ فَجَعَلَتْ تَسْلُتُ الْعَرَقَ فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ! مَا هٰذَا الَّذِيْ تَصْنَعِيْنَ؟ قَالَتْ: عَرَقٌ نَجْعَلُهُ لِطِيْبِنَا وَهُوَ أَطْيَبُ الطِّيْبِ۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ پھر آپ نے قیلولہ فرمایا۔ تو آپ کو پسینہ آیا۔ میری والدہ ایک شیشی لائیں وہ پسینہ مبارک جمع کرنے لگیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے ام سلیم یہ کیا کر رہی ہو؟ تو میری والدہ نے عرض کیا کہ ہم اس کو خوشبو بنائیں گے یہ تو بہت ہی عمدہ خوشبو ہے۔

اور امام مسلم نے ایک دوسرے طریق سے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں قیلولہ فرمانے تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ ان کے لئے چمڑے کا ٹکڑا بچھا دیتیں تو آپ قیلولہ فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ بہت آتا تھا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا اس کو جمع کرلیتیں اور شیشی میں ڈال لیتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ام سلیم یہ کیا ہے؟ ام سلیم نے عرض کیا۔ یہ آپ کا پسینہ مبارک ہے۔ اس سے میں اپنے عطر کی خوشبو میں اضافہ کروں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک

ابن خیثمہ نے اپنی تاریخ میں اور بیہقی و ابن عساکر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت لمبے تھے نہ چھوٹے تھے۔ متوسط جسم تھا۔ آپ کی رفتار غیر محسوس طور پر تیز تھی۔ کوئی شخص آپ کے ساتھ (سرعت کی وجہ سے) نہیں چل سکتا تھا اگر کوئی طویل آدمی آپ کے پاس ہوتا تو آپ ہی طویل نظر آتے۔ بسا اوقات دو طویل آدمیوں کے درمیان آپ ہوتے تو آپ کا جسم کھلتا ہوا نظر آتا۔ پھر جب دونوں الگ ہوجاتے تو متوسط نظر آتے۔ ابن سبع نے اس کو خصائص میں ذکر کیا ہے۔ اس میں مزید یہ کہ اگر آپ لوگوں میں بیٹھے ہوتے تو آپ کے کندھے دوسروں کے مقابلہ میں اونچے نظر آتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک

حکیم ترمذی نے ذکوان سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دھوپ اور چاندنی میں سایہ نہ تھا۔ ابن سبع نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں ذکر کیا ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ ہوتا تھا۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا "وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا" والی حدیث سے پیش کی ہے۔ اور قاضی عیاض نے شفا میں اور عزفی نے کتاب المولد میں ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ آپ پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ ابن سبع نے خصائص میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ قمل (جوں)، آپ کو تکلیف نہ دیتی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک

بزار اور ابو یعلیٰ و طبرانی و حاکم و بیہقی نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ پچھنا لگوا رہے تھے۔ جب آپ فارغ ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ یہ خون لے جاؤ اور اس کو ایسی جگہ پر گرا دو جہاں کوئی نہ دیکھے پھر عبداللہ بن زبیر نے وہ خون پی لیا۔ جب واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے

عبداللہ! تم نے وہ خون کیا کیا؟ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ وہ خون میں نے ایسی پوشیدہ جگہ رکھا ہے کہ مجھے یقین ہے وہ جگہ تمام لوگوں سے مخفی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم نے پی لیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جی میں نے پی لیا ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وَیْلٌ لِلنَّاسِ مِنْكَ وَوَیْلٌ لَكَ مِنَ النَّاسِ" (یعنی لوگ تمہاری وجہ سے امتحان میں پڑیں گے اور تم لوگوں کی وجہ سے امتحان میں پڑو گے) تو لوگوں کا خیال تھا کہ ان میں جو اتنی قوت ہے وہ اسی خون کے پینے کی وجہ سے ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند

حضرات شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یَا عَائِشَةُ! اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ" (اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا) حضرت امام بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تَنَامُ عَیْنِیْ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ" (میری آنکھ سوتی ہے، میرا دل نہیں سوتا) اور فرمایا "اَلْاَنْبِیَاءُ تَنَامُ اَعْیُنُهُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُهُمْ" (حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے قلوب نہیں سوتے)

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ باہ

حضرت امام بخاری نے حضرت قتادہؓ کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن رات میں اپنی تمام ازواج پر ایک گھنٹہ میں دور فرما لیا کرتے تھے اور ازواجِ مطہرات گیارہ تھیں۔ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنی طاقت تھی؟ تو انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ۳۰ آدمیوں کی طاقت دی گئی تھی۔

احتلام سے محفوظ ہونا

طبرانی نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے حضرت انس و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اور دینوری نے مجالسہ میں طریقِ مجاہد سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کسی نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوتا۔ احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے

آپ کے بول مبارک سے طلبِ شفاء

اَخْرَجَ الْحَسَنُ بْنُ سُفْیَانَ فِیْ مُسْنَدِهٖ وَاَبُوْیَعْلٰی وَالْحَاکِمُ وَالدَّارُقُطْنِیْ وَ اَبُوْنُعَیْمٍ عَنْ اُمِّ اَیْمَنَ قَالَتْ: قَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّیْلِ اِلٰی فَخَارَةٍ فِیْ جَانِبِ الْبَیْتِ، فَبَالَ فِیْهَا، فَقُمْتُ مِنَ اللَّیْلِ وَاَنَا عَطْشَانَةٌ فَشَرِبْتُ مَا فِیْهَا فَلَمَّا اَصْبَحَ اَخْبَرْتُهٗ، فَضَحِكَ وَقَالَ: اِنَّكِ لَنْ تَشْتَكِیْ بَطْنُكِ بَعْدَ یَوْمِكِ هٰذَا اَبَدًا۔

حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابو یعلیٰ وحاکم و دارقطنی و ابو نعیم نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھے اور مٹی کے ایک برتن میں جو کہ گھر کے ایک کونہ میں رکھا ہوا تھا، آپ نے اس میں پیشاب فرمایا۔ پھر میں رات ہی کو اٹھی اور میں پیاسی تھی جو کچھ اس میں تھا وہ میں نے پی لیا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ ہنسے اور فرمایا کہ "آج کے بعد کبھی بھی تمہارا پیٹ نہیں دکھے گا۔

عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کے ایک پیالہ میں پیشاب فرماتے تھے۔ پھر آپ کے پلنگ مبارک کے نیچے رکھ دیا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پیالہ میں کچھ بھی نہ تھا۔ آپ نے ایک عورت کو کہا جس کا نام برکتہ تھا۔ وہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کیا کرتی تھی۔ جبشہ سے وہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آئی تھی۔ کہ وہ پیشاب کہاں ہے جو پیالہ میں تھا۔ اس نے عرض کیا کہ

وہ تو ہیں نے پی لیا۔ آپ نے فرمایا "تمہارے لئے شفا ہے اے ام یوسف (ان کی کنیت ام یوسف تھی)، وہ کبھی بھی بیمار نہ ہوئیں، صرف ایک مرتبہ کہ جس میں ان کا انتقال ہوا۔

ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ اور ام ایمن کا قصہ الگ الگ ہے۔ برکۃ ام یوسف اور برکۃ ام ایمن الگ الگ ہیں۔

خلاصہ مفید کا: بعض لوگوں نے ان خصائص کو جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے بشروں سے جدا ہیں، کو منظوم ذکر کیا ہے۔

۱۔ خُصَّ نَبِیُّنَا بِعَشْرَۃِ خِصَالٍ — لَمْ یَحْتَلِمْ قَطُّ وَمَا لَہٗ ظِلَالٌ

۲۔ وَالْاَرْضُ مَا یَخْرُجُ مِنْہُ تَبْتَلِعُ — کَذٰلِکَ الذُّبَابُ مِنْہُ مُمْتَنِعٌ

۳۔ تَنَامُ عَیْنَاہُ وَقَلْبُہٗ لَا یَنَامُ — مِنْ خَلْفِہٖ یَرٰی کَمَا یَرٰی اَمَامٌ

۴۔ لَمْ یَتَثَاءَبْ قَطُّ وَھِیَ السَّابِعَۃُ — وُلِدَ مَخْتُوْنًا اِلَیْہَا تَابِعَۃٌ

۵۔ تَعْرِفُہُ الدَّوَابُّ حِیْنَ یَرْکَبُ — تَاْتِیْ اِلَیْہِ سُرْعَۃً لَا تَہْرُبُ

۶۔ یَعْلُوْ جُلُوْسُہٗ جُلُوْسَ الْجُلَسَاءِ — صَلّٰی عَلَیْہِ اللہُ صُبْحًا وَّمَسَاءً

ترجمہ۔ ۱۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دس خاصیتوں کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی احتلام نہیں ہوا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک نہ تھا۔

۲۔ جو شئی بھی آپ کے جسدِ اطہر سے نکلتی تھی زمین اس کو نگل لیتی تھی۔ اور مکھی آپ پر نہ بیٹھتی تھی۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتی تھیں اور قلبِ اطہر بیدار رہتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جیسے آگے سے دیکھتے تھے۔

۴۔ کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمائی نہیں آئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سوار ہوتے تو جانور آپ کو پہچانتے اور دوڑ کر آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بھاگتے۔

۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام ہم نشینوں میں بڑے اونچے معلوم ہوتے تھے۔ صبح وشام

اللہ پاک ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

تبرّک کے معنیٰ

بہت سے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آپ کی نشانیوں اور آپ کے اہل بیت اور آپ کے وارث علماءِ کرام و اولیائے عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے ذریعہ برکت حاصل کرنے کے معنی کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں کا یہ مسلک ہے ان کو شرک و گمراہی کے ساتھ متصف کرتے ہیں۔ جیسا کہ ان غلطی کرنے والے کی عادت ہے کہ ہر اس نئے مسئلہ سے جس کو سمجھنے سے ان کی عقل تنگ اور اس کی حقیقت کو سمجھنے سے سوچ قاصر ہے اس پر چلنے والے کو گمراہی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

تبرک حاصل کرنے کی مشروعیت وجواز کی دلیلوں کو بیان کرنے سے پہلے مناسب یہ ہے کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ تبرک کی حقیقت صرف اور صرف اللہ جل شانہ کے نزدیک اس متبرک چیز کو وسیلہ بنانا ہے خواہ وہ کوئی نشانی ہو یا جگہ ہو۔ یا کوئی ذات ہو۔ اشخاص کو تو اس عقیدہ کی وجہ سے وسیلہ بنایا جاتا ہے کہ عند اللہ یہ مقرب وافضل ہیں۔ اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھنا ضروری ہے کہ یہ شخص ہر خیر کے دینے اور ہر شر کو دور کرنے سے عاجز ہے مگر اللہ کے حکم سے۔

اور آثار کے ذریعہ تبرک اس وجہ سے حاصل کرتے ہیں کہ یہ آثار ونشانیاں اس ذات وشخص کی شرافت کی وجہ سے مشرف وقابل تعظیم اور محبوب عند اللہ ہیں۔

ان جگہوں میں بحیثیت جگہ ومکان کے کوئی فضیلت نہیں ہے۔ ان امکنہ کی تعظیم وتبرک حاصل کرنا اس وجہ سے ہے کہ ان میں بہت سی خیریں اور نیکیاں وجود میں آئی ہیں۔ جیسا کہ نماز روزہ۔ ذکر اللہ اور بہت سی عبادات جن کو اللہ کے نیک بندوں نے ان مکانات میں کیا ہے۔ کیونکہ ان خیروں اور عبادتوں کی وجہ سے ان مکانات میں اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوا ہے۔ فرشتوں کی آمد ہوئی ہے۔ اللہ کی رحمتِ خاص نے ان مقامات کو گھیرا ہوا ہے۔ یہی برکت مقصود ہے جس کو ان مقامات میں اللہ سے طلب کیا جاتا ہے۔ اور یہی برکت ہے جس کو ان مقامات میں آکر اللہ کی

طرف متوجہ ہوکر دعا و استغفار کے ذریعہ مانگا جاتا ہے۔ اور ان اہم مقامات میں جو عظیم واقعات پیش آئے ہیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ نفوس میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور ہمت و چستی پیدا ہوتی ہے۔ تاکہ اہل فلاح و صلاح کے ساتھ مشابہت حاصل ہو۔

اس برکت کے موضوع پر میں نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس سے کچھ نصوص منتخب کر کے یہاں ذکر کرتے ہیں۔

آپ کے بال مبارک وضو کے زائد پانی و لعاب مبارک سے برکت حاصل کرنا

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَكَمِ اَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ فَقَدَ قَلَنْسُوَةً لَّهٗ يَوْمَ الْيَرْمُوْكِ، فَقَالَ: اُطْلُبُوْهَا فَلَمْ يَجِدُوْهَا۔ فَقَالَ: اُطْلُبُوْهَا فَوَجَدُوْهَا، فَاِذَا هِيَ قَلَنْسُوَةٌ خَلِقَةٌ۔ اَيْ لَيْسَتْ بِجَدِيْدَةٍ، فَقَالَ خَالِدٌ: اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَقَ رَاْسَهٗ فَابْتَدَرَ النَّاسُ جَوَانِبَ شَعْرِهٖ۔ فَسَبَقْتُهُمْ اِلٰى نَاصِيَتِهٖ فَجَعَلْتُهَا فِيْ هٰذِهِ الْقَلَنْسُوَةِ، فَلَمْ اَشْهَدْ قِتَالًا وَّهِيَ مَعِيْ اِلَّا رُزِقْتُ النَّصْرَ۔ (رواہ الطبرانی و ابو یعلی)

(المطالب العالیۃ ج ۴ ص ۹)

(مجمع الزوائد ۹/ ۹۰)

حضرت جعفر بن عبد اللہ بن الحکم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ یرموک کے دن حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گم ہوگئی تو انہوں نے کہا اس ٹوپی کو تلاش کرو۔ تو وہ تلاش کی گئی مگر ٹوپی نہ ملی۔ انہوں نے پھر فرمایا کہ اس کو تلاش کرو۔ پھر انہوں نے ٹوپی پالی۔ تو وہ ایک پرانی ٹوپی تھی حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ ادا فرمایا۔ پھر اپنے سر مبارک کو منڈوایا۔ لوگ جلدی جلدی آپ کے بال مبارک لینے لگے۔ میں نے آگے بڑھ کر آپ کی پیشانی مبارک کے بال لے لئے اور اپنی ٹوپی میں رکھ لئے۔ پس میں جس غزوہ اور جس معرکہ میں بھی ٹوپی پہن کر شریک ہوا ہوں تو اللہ کی مدد حاصل ہوئی اور فتح نصیب ہوئی۔

حضرت مالک بن حمزہ بن ابی اسید الساعدی الخزرجی سے روایت ہے۔ وہ اپنے والد سے اور وہ

اپنے دادا ابی اسید سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا مدینہ منورہ میں ایک کنواں تھا، اس کو بئر بضاعہ کہا جاتا تھا۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوک ڈالا تھا۔ وہ اس میں سے پانی پیتے تھے اور برکت حاصل کرتے تھے۔ (رواہ الطبرانی و رجالہ ثقات)

عروہ بن مسعود کا بیان کہ صحابہ کرام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کیسا تھا؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے فرمایا کہ عروہ بن مسعود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو کن انکھیوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر کہا کہ خدا کی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تھوکتے تھے تو وہ ان کے صحابہ کے ہاتھوں میں سے کسی کے ہاتھ میں گرتا ہے۔ اور پھر وہ اس تھوک کو اپنے منہ پر اور اپنی کھال پر مل لیتا ہے۔ اور جب وہ کسی کام کا حکم کرتے ہیں تو ہر ایک اس حکم کو جلدی پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جب وضو کرتے ہیں تو ان کے صحابہ آپس میں لڑنے کے قریب ہو جاتے ہیں وضو والے پانی کو لینے کے لئے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کوشش کرتا ہے۔ کہ یہ وضو کا گرا ہوا پانی وہ لے لے۔ اور جب گفتگو فرماتے ہیں تو ان کے ساتھی اپنی آوازوں کو پست کر لیتے ہیں۔ ان کی تعظیم کی وجہ سے ان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ پھر عروہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔ اے قوم! خدا کی قسم میں بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس وفد کی صورت میں گیا ہوں اور قیصر و کسریٰ کے پاس بھی گیا ہوں اور نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں، خدا کی قسم میں نے کسی بھی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی اتنی تعظیم کی جاتی ہو جتنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ان کی عزت و تعظیم کرتے ہیں۔ اگر وہ تھوکتے ہیں تو وہ کسی کے ہاتھ میں گرتا ہے اور پھر اس کو اپنے منہ و کھال پر ملتا ہے۔ اور جب کسی بات کا حکم کرتے ہیں تو ہر ایک اس کو پورا کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ جب وضو کرتے ہیں تو ہر ایک وضو کے بچے ہوئے پانی پر لڑتا ہے۔ جب گفتگو فرماتے ہیں تو وہ اپنی آوازوں کو پست کر لیتے ہیں۔ اور ان کی تعظیم کی وجہ سے کوئی نگاہ اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھتا۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۳۳۰)

اس واقعہ پر ابن حجر عسقلانیؒ کا حاشیہ

اس واقعہ سے تھوک اور ان بالوں کی جو جسم سے جدا ہو گئے ہوں، طہارت ثابت ہوتی ہے۔

اور تبرک بفضلات الصالحین الطاہرہ کا مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے۔

ممکن ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے یہ عمل عروہ بن مسعود کی وجہ سے کیا ہو۔ اور عروہ کو جو یہ امید تھی کہ صحابۂ کرامؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اس کو رد کرنے کے لئے اس عمل میں مبالغہ کیا ہو۔ گویا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم زبانِ حال سے یہ کہتے تھے کہ جس شخص کو اپنے امام و پیشوا سے اس قدر محبت ہو اور اس قدر تعظیم ہو، اس کے بارے میں یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے پیشوا کو چھوڑ کر بھاگ جائے گا اور ان کو دشمن کے حوالے کر دیگا۔ بلکہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے دینِ متین سے خوش اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ مدد کرنے والے تھے۔ ان قبائل سے کہیں زیادہ جو محض رشتہ داری کی وجہ سے بعض بعض کی رعایت و مدد کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود تک پہنچنے کے لئے ہر جائز طریقہ کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۳۴۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کے بقیہ پانی کو حفاظت سے رکھنے کے بارے میں فرمان

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک وفد کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر ہم نے آپ سے بیعت کی۔ آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور ہم نے آپ کو بتایا کہ ہماری زمین میں ایک گرجا ہے۔ اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا۔ وضو فرمایا۔ کلی فرمائی۔ پھر ہمارے لئے چھاگل میں ڈال دی۔ اور فرمایا۔ جاؤ۔ جب تم لوگ اپنے علاقہ میں پہنچ جاؤ تو گرجا کو توڑ دینا، اور اس جگہ پر اس پانی کو چھڑک دینا اور اس گرجا کی جگہ مسجد بنا دینا۔ ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر بہت دور ہے۔ اور گرمی شدید ہے پانی خشک ہو جائے گا۔

فَقَالَ مُدُّوْهُ مِنَ الْمَاءِ فَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُهٗ اِلَّا طِيْبًا۔

آپ نے فرمایا اس میں اور پانی ڈال دو۔ کیونکہ اس پانی کی زیادتی پاکی ہی کو زیادہ کرے گی۔

(رواہ النسائی کذا فی المشکوٰۃ رقم الحدیث ۷۱۶)

یہ حدیثِ مبارکہ ان اصولِ معتبرہ مشتہرہ میں سے ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آثار اور

ہر اس چیز سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، تبرک حاصل کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر ایک برتن میں پانی ڈالا، پھر ان لوگوں کے مانگنے کی وجہ اور مراد کے پورا کرنے کے لئے ان کو حکم دیا کہ اپنے ساتھ لے جائیں، ان لوگوں کے دلوں میں ضرور بالضرور ایک بہت قوی داعیہ ہوگا جس داعیہ نے اس خاص پانی کے مانگنے پر آمادہ کیا۔ حالانکہ مدینہ منورہ میں اور پانی بہت تھا۔ بلکہ ان کے اپنے شہر میں بہت پانی تھا پھر ان حضرات نے ایک شہر سے دوسرے شہر مسافت بعیدہ کے بعد یہ تھوڑا سا پانی لے کر جانے میں اتنی مشقت و تکلیف کیوں برداشت کی جب کہ سفر بھی کافی لمبا تھا اور گرمی بھی شدید تھی۔

جی ہاں! یہ سب کوئی دشوار نہ تھا۔ کیونکہ جس بات نے ان کو پانی مخصوصہ لینے پر آمادہ کیا تھا، اس نے تمام تکالیف و مشقتوں کو ان پر آسان کر دیا تھا۔

اے مخاطب ذرا غور سے سن! وہ نبی کریم اور آپ کی نشانیاں اور ہر وہ چیز جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، اس سے برکت حاصل کرنا ہے۔ یہ یعنی آپ کے وضو کا پانی ان کے شہر میں نہیں پایا جاتا تھا۔

جب ان لوگوں نے کہا کہ گرمی شدید ہے اور پانی خشک ہو جائے گا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مُدُّوْهُ مِنَ الْمَاءِ" (پانی زیادہ کر دو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب ان کے عمل سے خوش ہو کر دیا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے فعل و عمل کی تائید نے اس معنی کو اور مؤکد کر دیا۔ لہٰذا یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ جو برکت اس پانی میں تھی، وہ باقی ہی رہی جتنا بھی وہ لوگ مزید پانی ڈالتے جائیں۔

وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالِ مبارک سے تبرک حاصل کرنا

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ: اَرْسَلَنِيْ اَهْلِيْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ بِقَدَحٍ مِّنْ مَّاءٍ فَجَاءَتْ بِجُلْجُلٍ مِّنْ فِضَّةٍ فِيْهِ شَعْرٌ مِّنْ

حضرت عثمان بن عبد اللہ بن موہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے گھر والوں نے مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا ایک پیالہ دے کر بھیجا تو وہ چاندی کی

شَعْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ إِذَا أَصَابَ الْإِنْسَانَ عَيْنٌ أَوْ شَيْءٌ بَعَثَ إِلَيْهَا مِخْضَبَةً قَالَ: فَاطَّلَعْتُ فِي الْجُلْجُلِ فَرَأَيْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرًا۔

(رواہ البخاری فی کتاب اللباس باب ما یذکر فی الشیب)

ایک ڈبیہ جیسا برتن لے کر تشریف لائیں۔ کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بالوں میں سے کچھ بال تھے۔ اور جب بھی کسی کو نظر وغیرہ لگ جاتی تو اس کے پاس وہ لگن بھیجا جاتا، حضرت عثمان بن عبداللہ نے فرمایا کہ میں نے اس چاندی کی ڈبیہ میں جھانکا تو میں نے اس میں چند لال رنگ کے بال دیکھے۔

امام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ وکیعؒ نے اپنی مصنف میں بیان کیا ہے کہ جلجل چاندی کی ایک خاص قسم کی ڈبیہ تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان بالوں کے لئے تھا جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ جلجل گھنٹی کے مشابہ ہوتا ہے صورت میں جو کہ چاندی یا پیتل یا تانبے سے بنایا جاتا ہے۔ اس میں سے اس کی گھنٹی جو حرکت کرتی ہے، اور بجتی ہے نکال دیتے ہیں، پھر اس میں جس چیز کی حفاظت مقصود ہوتی ہے رکھ دی جاتی ہے

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۵۳)

علامہ عینی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری فی شرح البخاری میں فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جلجل جیسے کسی برتن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ سرخ بال تھے۔ لوگ اپنی بیماری میں اس سے برکت حاصل کرتے اور اس کی برکت سے شفا طلب کرتے۔ ان بالوں کو لیکر پانی کے ایک پیالہ میں ڈال دیتے، پھر اس بالوں والے پانی کو پی لیتے اور شفایاب ہو جاتے حضرت عثمان بن عبداللہ کے گھر والوں نے بھی کچھ بال لے کر چاندی کے پیالہ میں ڈال دئے۔ اور پھر جو پانی اس پیالہ میں تھا، وہ پی لیا اور شفایاب ہوگئے۔ پھر حضرت عثمان کے گھر والوں نے وہ پیالہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وہ بال لے کر جلجل میں رکھ دئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلجل میں دیکھا تو اس میں کچھ سرخ بال تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۷۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال لوگوں میں تقسیم فرمائے

رَوَى مُسْلِمٌ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى مِنًى فَأَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ أَتَى مَنْزِلَهُ بِمِنًى وَنَحَرَ، وَقَالَ لِلْحَلَّاقِ: خُذْ، وَأَشَارَ إِلَى جَانِبِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ، ثُمَّ جَعَلَ يُعْطِيهِ النَّاسَ۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں تشریف لائے۔ پھر جمرات کے قریب تشریف لاکر جمرات کی رمی فرمائی پھر اپنی منزل پر منیٰ میں تشریف لاکر نحر (قربانی) فرمایا۔ پھر حلاق یعنی حجام سے فرمایا کہ یہاں سے لو اور دائیں طرف اشارہ فرمایا پھر بائیں طرف۔ پھر لوگوں کو بال عطا فرمانے لگے۔

امام ترمذی نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو روایت کیا ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرات کی رمی کر لی اور نحر ادا فرمایا تو بال مونڈنے والے نے آپ کے دائیں طرف کے بال مبارک لے لئے اور مونڈ دیئے۔ آپ نے وہ بال حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دے دئے۔ پھر بائیں طرف کے بال مونڈوا کر حضرت طلحہ کو فرمایا کہ لوگوں میں تقسیم کر دو۔

ترمذی شریف کی روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بال دئے تھے، وہ بائیں طرف کے تھے۔ اور اسی طرح مسلم کی روایت جو کہ حضرت ابن عیینہؒ کے طریق سے مروی ہے وہ ہے۔

حفص بن غیاث اور عبدالاعلیٰ کی روایات میں ہے کہ جو بال تقسیم فرمائے وہ دائیں طرف کے تھے۔ اور یہ دونوں مسلم کی روایات ہیں۔

ایک ایک بال تقسیم فرمانا

مسلم شریف میں حفص بن غیاث کی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے دائیں طرف سے ابتداء فرمائی، پھر ایک ایک، دو دو بال لوگوں میں تقسیم کر دئیے۔ پھر بائیں طرف کے مونڈوائے اور پھر اسی طرح کیا۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ انہوں نے حفص بن غیاث سے روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ آپ نے حلاق سے فرمایا کہ یہ لو اور دائیں طرف اشارہ فرمایا۔ پھر ان کو تقسیم کر دیا ان لوگوں میں جو آپ کے پاس تھے۔ پھر بائیں طرف کا حلاق کو اشارہ کیا اور بال مونڈوا کر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دے دئے۔

لوگ آپ کے بال مبارک کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مسند احمد والی روایت کا تقاضا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں طرف کے بال حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجدئے۔ اور یہ ام سلیم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس روایت میں فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک منڈوایا تو سر کی دائیں طرف کے بال فارغ ہو کر مجھے عطا کر دئے اور یہ فرمایا کہ یہ بال ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس لے جاؤ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے دیکھا کہ ہم کو کچھ بھی نہ ملا تو پھر دوسری طرف کے بال لینے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے۔ کوئی یہ بال لینے لگا کوئی وہ بال لینے لگا۔

بالوں کی تقسیم کے بارے میں تحقیقی کلام

اس موضوع کی روایات میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ تم نے دیکھ ہی لیا ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جو بال عنایت فرمائے، وہ دائیں طرف کے تھے اور جو لوگوں میں تقسیم فرمائے وہ بائیں طرف کے تھے۔ اور بعض روایات میں اس کا عکس ہے۔ اور بعض روایات میں اس طرح ہے کہ بائیں طرف کے بال حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائے۔

صاحب المفہم نے ان روایات میں جمع اس طرح کیا ہے کہ پہلی روایت دوسری روایت کے خلاف نہیں ہے۔ یہ ام سلیم حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ کیونکہ دائیں طرف کے بال تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ کو لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے دئے تھے

وہ انہوں نے تقسیم کر دئے اور بائیں طرف کے بال اپنے پاس رکھنے کو دئے تھے۔ لہٰذا ہر ایک کی نسبت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا صحیح ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب وھو الموفق للسداد

علامہ محب طبری نے جمع بین الروایات کی صورت میں فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ لوگوں میں دائیں طرف کے بال تقسیم فرمائے اور بائیں طرف والے ابوطلحہ وام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیئے۔ اور دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ ام سلیم ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ تو اس عطیہ مبارکہ کی نسبت بھی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف کر دی گئی۔ اور کبھی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی طرف کر دی گئی۔ انتہیٰ۔

ان روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک اور دیگر نشانیوں کو تبرک بنانے کی دلیلیں ہیں۔ میرے ماں باپ اور میری جان قربان ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحؒ نے اپنی مسند میں ابن سیرین رحؒ سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ مجھے عبیدہ سلیمانی نے بیان کیا اور ان کی مراد یہی حدیث تھی۔ پھر انہوں نے کہا کہ میرے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے ایک بال ہو، یہ مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میرے پاس پوری روئے زمین کا سونا چاندی ہو اور جو زمین کے اندر ہے وہ بھی میرے پاس ہو۔

اس کے علاوہ بہت سے لوگوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے کچھ بال تھے۔ وہ جس جگہ بھی جاتے ان کی وجہ اور برکت سے فتح ہو جاتی۔ اس واقعہ کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو السیرۃ میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا جب وہ آپ کے بال تقسیم کر رہے تھے کہ مجھے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارکہ کے بال دیدیں۔ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے خالد ابن الولید رضی اللہ عنہ کو وہ بال دے دئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارکہ کے بال اسی کے مناسب تھے کہ جس جگہ بھی حضرت خالد بن الولید رضؓ جائیں وہ علاقہ وجگہ فتح ہو جائے (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۳۱-۲۳۰)

پسینہ مبارک سے تبرّک

حضرت عثمان حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک چمڑے کا بستر بچھایا کرتی تھیں۔ آپ ان کے گھر اس چمڑے کے بستر پر قیلولہ فرماتے

تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب آپ سو جاتے تو ام سلیم آپ کے پسینہ اور بالوں کو ایک شیشی میں جمع کر لیا کرتی تھیں اور آپ سوتے رہتے۔ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے وصیت کی کہ ان کو اس شیشی میں سے حنوط کے ساتھ ملا کر خوشبو لگائی جائے۔

(رواہ البخاری فی کتاب الاستیذان۔ باب من زار قوماً فقال عندھم)

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ اور قیلولہ فرمایا آپ کو پسینہ آگیا۔ میری والدہ ایک شیشی لے کر آئیں اور وہ پسینہ ہاتھوں سے جمع کر کے ڈالنے لگیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا۔ یہ آپ کا پسینہ ہے۔ ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے۔ اور یہ تو سب سے عمدہ خوشبو ہے۔

اسحاق بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ آگیا تو اس کو پرانے چمڑے کے ٹکڑے پر جمع کیا اور اس سے نچوڑ نچوڑ کر شیشی میں ڈالا۔ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی تو فرمایا کہ یہ کیا کر رہی ہو؟ ام سلیم نے عرض کیا کہ بچوں کے لئے بطور تبرک جمع کر رہی ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے۔

ابو قلابہ کی روایت میں ہے کہ ام سلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک کو جمع کرتیں اور خوشبو شیشی میں ڈال دیا کرتی تھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ ام سلیم نے عرض کیا کہ آپ کا پسینہ ہے، اپنی خوشبو میں ملاتی ہوں۔

ان روایات سے معلوم ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ام سلیم کے عمل کی اطلاع تھی۔ اور آپ نے ان کے اس عمل کی تصویب فرمائی۔ اور ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے۔ کہ وہ آپ کے پسینہ کو اپنی خوشبو کے لئے جمع کرتی تھیں یا برکت کے لئے۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ دونوں کاموں کے لئے ایک ساتھ جمع کرتی ہوں۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۷۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد مبارک کو چھو کر برکت حاصل کرنا

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي لَيْلٰى عَنْ
حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی اپنے والد سے

اَبِيْهِ قَالَ: كَانَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَجُلًا صَالِحًا ضَاحِكًا مَلِيْحًا، فَبَيْنَمَا هُوَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ وَيُضْحِكُهُمْ، فَطَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَاصِرَتِهٖ، فَقَالَ: اَوْجَعْتَنِيْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِقْتَصَّ، قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ عَلَيْكَ قَمِيْصًا وَّلَمْ يَكُنْ عَلَيَّ قَمِيْصٌ، قَالَ: فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَمِيْصَهٗ فَاحْتَضَنَهٗ ثُمَّ جَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهٗ، فَقَالَ: بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَرَدْتُّ هٰذَا۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۴۳)

روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک نیک، ہنس مکھ اور خوبصورت آدمی تھے۔ ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے واقعہ سُنا رہے تھے اور ان کو ہنسا رہے تھے۔ تو حضور نے ان کی پسلی میں انگلی چبھوئی تو انہوں نے عرض کیا۔ آپ نے مجھے درد پہنچایا۔ تو آپ نے فرمایا کہ بدلہ لے لو۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے جسم مبارک پر تو کرتا ہے اور میرے جسم پر کرتا نہیں تھا آپ نے اپنا کرتا اوپر اٹھا دیا تو حضرت اُسید بن حضیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چپٹ کر آپ کے بدن مبارک کو چومنے لگے اور کہنے لگے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ! میری تو یہی مراد تھی۔

ابن اسحاق نے حبان بن واسع سے روایت کیا ہے، وہ اپنی قوم کے شیوخ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن اپنے اصحاب کی صفوں کو درست کر رہے تھے اور آپ کے دستِ مبارک میں ایک نیزہ تھا جس کے ذریعہ سے سب لوگوں کو سیدھا کھڑا کرتے تھے۔ آپ سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو کہ بنی عدی بن النجار کے حلیف تھے۔ وہ صف سے باہر کھڑے تھے۔ آپ نے ان کے پیٹ میں وہ نیزہ لگایا اور فرمایا۔ اے سواد سیدھے کھڑے ہو۔ وہ کہنے لگے کہ آپ نے مجھے تکلیف دی ہے۔ جبکہ اللہ نے آپ کو حق و انصاف کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ بدلہ دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بدن مبارک کھول دیا۔ اور فرمایا کہ بدلہ لیلو۔

راوی کہتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے لگ گئے۔ اور آپ کے پیٹ مبارک کو چومنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اے سواد تم نے یہ کیوں کیا؟ تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ جو دیکھ رہے ہیں۔ میں نے چاہا کہ آپ کے ساتھ میرا آخری معاملہ یہ ہو کہ میرا جسم آپ کے مبارک جسم سے مَس ہو جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعاءِ خیر فرمائی۔ (کذا فی البدایہ ج ۳ ص۲۷۱)

عبدالرزاق نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے آدمی سے ملے جس نے ایک تھیلا اپنے پہلو میں چھپایا ہوا تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک کھجور کی ٹہنی تھی۔ آپ نے اس ٹہنی سے اس کے پیٹ میں ایک چونکا دیا۔ اور فرمایا کہ تم کو میں نے اس سے منع نہیں کیا تھا؟ اس کے پیٹ سے کچھ خون نکلنے لگا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! بدلہ.... لوگوں نے کہا کہ کیا تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ لیتے ہو، تو وہ کہنے لگا کہ میری جلد پر کسی بشر کی جلد کو فضیلت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شکم مبارک کھول دیا اور فرمایا کہ بدلہ لے لو۔ اس نے آپ کے شکم مبارک کو چوما، بوسہ لیا اور کہا کہ میں اس بدلہ کو چھوڑتا ہوں تاکہ آپ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں۔ (کنز العمال ج ۷ ص۳۰۲)

ابن سعد نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواد ابن عمرو کو دیکھا کہ چادر میں لپٹے ہوئے جا رہے ہیں۔ تو آپ نے کسی لکڑی یا مسواک سے ان کے پیٹ میں چونکا دیا جس سے پیٹ کی کھال چھل گئی۔ (کنز العمال ج ۳ ص۱۷)

عبدالرزاق نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے یہ بھی تخریج کی ہے جیسا کہ کنز العمال میں ہے کہ ایک انصاری آدمی جن کو سواد بن عمرو کہا جاتا تھا وہ بہت زیادہ خوشبو لگاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کو دیکھتے تو خوش ہو جاتے۔ ایک دن وہ حاضر ہوئے خلوق لگائی ہوئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی، ان کو لگائی جس سے ان کو خراش آگئی۔ تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! قصاص۔ آپ نے ان کو وہ لکڑی دے دی۔ اس وقت آپ کے زیبِ تن دو کرتے تھے۔ آپ نے دونوں اٹھا دئے۔ لوگوں نے انکو ڈانٹا حتی کہ وہ اس زخمی مقام کے قریب ہو گئے تو وہ لکڑی تو پھینک دی اور آپ کو چومنے لگے، بوسہ دینے لگے۔ اور عرض کیا کہ قصاص تو میں نے چھوڑ دیا تاکہ آپ میدانِ قیامت میں میرے لئے

شفاعت فرمائیں۔ (کنز العمال ج ۱۵ ص۱۹، واخرج البغوی نحوہ کما فی الاصابۃ ج ۲ ص۹۶)

حضرت زاہر کا واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:-

زَاهِرٌ بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرَتُهُ — زاہر ہمارے گاؤں ہیں اور ہم انکے شہر ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت بھی تھی۔ ایک دن آپ بازار تشریف لے گئے تو ان کو کھڑا دیکھا۔ تو آپ حضرت زاہر کی کمر کی طرف سے تشریف لائے اور ان کو اپنے دستِ مبارک سے اپنے سینے سے لگا لیا۔ حضرت زاہر نے محسوس کر لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی کمر کو آپ کے سینے کے ساتھ ملنے لگا برکت حاصل کرنے کے لئے۔ اور شمائلِ ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ نے ان کو پیچھے سے چمٹا لیا اور زاہر نے آپ کو نہ دیکھا اور کہا کہ کون ہے مجھے چھوڑ دو۔ پھر مڑ کے دیکھا تو آپ کو پہچان لیا۔ پہچانتے ہی اپنی کمر کو آپ کے سینے سے ملنے لگے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ اس غلام کو کون خریدے گا؟ تو حضرت زاہر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے تو بہت ہی بے دام پائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک تم بڑے قیمتی ہو۔ (المواہب اللدنیہ ج ۱ ص۲۹۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک بطور تبرک

عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَحْتَجِمُ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ! اِذْهَبْ بِهٰذَا الدَّمِ فَأَهْرِقْهُ حَيْثُ لَا يَرَاكَ أَحَدٌ، فَلَمَّا بَرَزَ

حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت پچھنے لگوا رہے تھے۔ جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ اے عبداللہ! اس خون کو لے جاؤ

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَدَلَ اِلَی الدَّمِ فَشَرِبَہٗ، فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ: یَا عَبْدَاللّٰہِ! مَا صَنَعْتَ بِالدَّمِ؟ قَالَ: جَعَلْتُہٗ فِیْ اَخْفٰی مَکَانٍ عَلِمْتُ اَنَّہٗ یَخْفٰی عَنِ النَّاسِ، قَالَ: لَعَلَّکَ شَرِبْتَہٗ؟ قَالَ، نَعَمْ، فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: وَلِمَ شَرِبْتَ الدَّمَ؟ وَیْلٌ لِّلنَّاسِ مِنْکَ وَوَیْلٌ لَّکَ مِنَ النَّاسِ

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰

اخرجه الحاکم ج ۳ ص ۵۵۴)

اور اس کو کسی ایسی جگہ پر ڈال دو جہاں کوئی نہ دیکھے۔ جب وہ باہر چلے گئے تو خون کی طرف دیکھ کر اس کو نوش کر لیا۔ واپس حاضری پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خون کو کیا کیا؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اپنے علم کے مطابق سب سے پوشیدہ جگہ میں رکھ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے پی لیا ہے؟ تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جی میں نے پی لیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے خون کیوں پیا ہے؟ "وَیْلٌ لِّلنَّاسِ مِنْکَ وَوَیْلٌ لَّکَ مِنَ النَّاسِ"۔

قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی: قَالَ اَبُوْعَاصِمٍ: فَکَانُوْا یَرَوْنَ اَنَّ الْقُوَّۃَ الَّتِیْ بِہٖ مِنْ ذٰلِکَ الدَّمِ۔

الاصابة ج ۲ ص ۳۱۰

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ ابو عاصم کہتے تھے کہ لوگوں نے دیکھ لیا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طاقت اس خون کی برکت ہی کی وجہ سے تھی۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ: قَالَ اَبُوْ مَسْلَمَۃَ: فَیَرَوْنَ اَنَّ الْقُوَّۃَ الَّتِیْ کَانَتْ فِی ابْنِ الزُّبَیْرِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا مِنْ قُوَّۃِ دَمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور ایک روایت میں ہے کہ ابو مسلمہ نے کہا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما میں جو طاقت تھی وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خون مبارک کی برکت ہی کی وجہ سے تھی۔

ابو نعیم نے حضرت کیسان مولیٰ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ اور ابن زبیرؓ کے پاس ایک طشت تھا جس میں سے پی رہے تھے جو بھی کچھ اس میں تھا۔ پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے حضرت عبداللہ سے فرمایا کہ تم فارغ ہو گئے؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں! میں فارغ ہو گیا ہوں۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کو اپنے پچھنے کا غسالہ دیا تھا کہ اس کو پھینک دیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا وہ تو انہوں نے پی لیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے پی لیا ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جی میں نے پی لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے کیوں پی لیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے یہ بات محبوب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون میرے پیٹ میں جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کھڑے ہو گئے۔ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا۔ "وَیْلٌ لَّکَ مِنَ النَّاسِ وَوَیْلٌ لِّلنَّاسِ مِنْکَ" (تمہارے ذریعہ سے لوگ ہلاک ہوں گے۔ یعنی جو تم سے مقابلہ کریگا وہ ہلاک ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حجاج بن یوسف ثقفی سے مقابلہ ہوا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تو شہید ہو گئے اور حجاج بن یوسف ہلاک ہو گیا ..... تم کو آگ نہ چھوئے گی مگر قسم پورا کرنے کے بقدر (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۳۰)

ابن عساکر نے حضرت سلمان کی روایت سے مختصر روایت کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اسی طرح کنز العمال میں ہے۔ (کنز العمال ج ۷، ص ۵۶) اور اسی کے مثل دار قطنی نے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ نے خون پی لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو خون پینے پر کس نے آمادہ کیا ہے؟ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے خون مبارک کو آگ نہیں پہنچ سکتی۔ اس وجہ سے میں نے پی لیا تو آپ نے فرمایا "وَیْلٌ لَّکَ مِنَ النَّاسِ"

دار قطنی میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایت میں اسی طرح ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ تم کو آگ نہیں چھو سکتی۔ جب ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پی لیا تو ان کا منہ مشک کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اور یہ خوشبو ان کے منہ سے شہادت کے وقت تک آ رہی تھی یعنی اخیر عمر تک (کذا فی المواہب اللدنیہ)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

عَنْ سَفِيْنَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اِحْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: خُذْ هٰذَا الدَّمَ فَادْفِنْهُ مِنَ الدَّوَابِّ وَالطَّيْرِ وَالنَّاسِ، فَتَغَيَّبْتُ فَشَرِبْتُهُ۔ ثُمَّ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَضَحِكَ۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنا لگوایا تو مجھے فرمایا کہ یہ خون لے جاؤ اور اس کو ایسی جگہ دبا دو جہاں پرندے اور جانور اور لوگ نہ پہنچ سکیں۔ پھر میں نے آپ کے پاس سے ہٹ کر اس کو پی لیا۔ پھر میں نے اس کا ذکر آپ سے کیا تو آپ ہنسنے لگے۔

سنن سعید بن منصور میں بطریق عمرو بن السائب مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کو چوسا جب آپ اُحد کے دن زخمی ہو گئے تھے اور اتنا چوسا کہ زخم کو صاف کر دیا اور زخم صاف نظر آنے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو تھوک دو تو مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں تو اس کو کبھی بھی نہیں تھوکوں گا اور اس کو نگل گئے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہے وہ اس شخص مالک بن سنان کو دیکھے۔ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ غزوہ اُحد میں شہید ہو گئے۔

اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا اس کو آگ نہیں چھو سکتی (قال الهيثمي: لم ار في اسناده من اجمع على ضعفه)

اور سنن سعید بن منصور میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو دیکھے جس کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا ہو تو وہ مالک بن سنان (رضی اللہ عنہ) کو دیکھ لے۔

ایک اور پچھنے لگانیوالے نے آپکا خون پی لیا

کتاب الضعفاء میں ابن حبان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قریشی کے غلام (ابوطیبہ) نے پچھنا لگایا۔ جب فارغ ہوا تو دیوار کے پیچھے جا کر دائیں بائیں دیکھنے لگا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ پھر آپ کے خون مبارک کو پی کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا۔ آپ نے اس کے چہرے کو دیکھ کر فرمایا۔ تیرا بھلا ہو، تم نے خون کو کیا کیا؟ تو اس نے عرض کیا کہ میں نے دیوار کے پیچھے غائب کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ کہاں غائب کیا؟ تو اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ آپ کے خون کو زمین پر بہاؤں، وہ خون میرے پیٹ میں ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ، تم نے اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے محفوظ کر لیا۔ (المواهب اللدنيه)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ برکت کا واقعہ

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کی ہے کہ برکۃ کو معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لکڑی کے پیالہ میں پیشاب فرماتے ہیں اور وہ آپ کے پلنگ کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے۔ آپ ایک دن تشریف لائے تو پیالہ میں کچھ بھی نہ تھا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ برکۃ، جو حبشہ سے ان کے ساتھ آئی تھی، سے دریافت فرمایا کہ پیالہ میں جو پیشاب تھا وہ کہاں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو میں نے پی لیا ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "يَا اُمَّ يُوسُفَ صِحَّةٌ" (اے ام یوسف تو تندرست رہے گی۔)

چنانچہ وہ کبھی بھی بیمار نہ ہوئیں۔ صرف آخری مرتبہ کہ اسی میں ان کا انتقال ہوا۔ (كذا في التلخيص الحبير في تخريج احاديث الرافعي الكبير۔ ج ۱ ص ۳۲)

مؤلف کہتا ہے کہ یہ روایت ابوداؤد و نسائی نے بھی مختصراً ذکر کی ہے۔ اور حافظ سیوطی رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ علامہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں مکمل ذکر کی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برکۃ سے اس پیشاب کے بارے میں سوال کیا جو پیالہ میں تھا۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ تو میں نے پی لیا ہے اور پھر الی آخرہ روایت ذکر کی۔ (كذا في شرح السيوطي على سنن النسائي۔ ج ۱ ص ۳۲)

اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا کا واقعہ

امام حافظ قسطلانی نے المواہب میں ذکر کیا ہے کہ حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور حاکم، دارقطنی، طبرانی اور ابونعیم نے ابو مالک النخعی کی حدیث تخریج کی ہے کہ ابو مالک نخعی نے اسود بن قیس سے اور وہ نبیح العنزی سے اور وہ حضرت ام ایمن سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بیدار ہوکر مٹی کے ایک پیالہ میں پیشاب کیا کرتے تھے جو کہ گھر کے ایک کونہ میں رکھا ہوا ہوتا تھا۔ میں بھی رات کو بیدار ہوئی، مجھے پیاس لگ رہی تھی اور جو کچھ اس مٹی کے پیالہ میں تھا وہ میں نے پی لیا۔ اور مجھے پتہ بھی نہ چلا۔ جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ام ایمن! کھڑی ہو اور اس مٹی کے پیالہ میں جو کچھ ہے وہ پھینک دو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم وہ تو میں نے پی لیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کے اگلے دندان مبارک ظاہر ہوگئے اور آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم کبھی بھی تمہارے پیٹ میں درد نہ ہوگا۔

حافظ ابن حجر تلخیص میں فرماتے ہیں کہ ابنِ دحیہ نے اس کو صحیح قرار دیا۔ جب کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں جو دو عورتوں کے ساتھ پیش آئے۔ اور اختلافِ عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ برکۃ ام ایمن اور برکۃ ام یوسف دونوں الگ الگ ہیں۔

ابو رافع کی بیوی سلمٰی کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا کچھ پانی پی لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے تیرے جسم پر جہنم کی آگ کو حرام کردیا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی الاوسط من حدیثہا وفی السند ضعف کذا فی التلخیص ج ۱ ص ۳۲)

ان تمام روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشاب اور خون کے پاک ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اور علامہ قسطلانی کہتے ہیں کہ شیخ الاسلام علامہ بلقینی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ سرّہ کا واقعہ

أَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ عَنْ حَكِيمَةَ بِنْتِ

طبرانی نے حکیمہ بنت امیمہ کی روایت تخریج

أُمَيْمَةَ عَنْ أُمِّهَا قَالَتْ: كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَحٌ مِنْ عِيدَانٍ يَبُولُ فِيهِ وَيَضَعُهُ تَحْتَ سَرِيرِهِ، فَقَامَ فَطَلَبَهُ فَلَمْ يَجِدْهُ، فَسَأَلَ فَقَالَ: أَيْنَ الْقَدَحُ؟ قَالُوا: شَرِبَتْهُ سَرَّةُ خَادِمٌ لِأُمِّ سَلَمَةَ الَّتِي قَدِمَتْ مَعَهَا مِنْ أَرْضِ الْحَبَشَةِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدِ احْتَظَرَتْ مِنَ النَّارِ بِحِظَارٍ.

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۱)

کی ہے۔ ان کی والدہ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لکڑی کا ایک پیالہ تھا آپ اس میں پیشاب کرتے تھے اور چارپائی کے نیچے رکھتے تھے۔ آپ بیدار ہوئے اور پیالہ طلب کیا تو نہ پایا۔ پھر دریافت فرمایا کہ وہ پیالہ کہاں ہے؟ گھر والوں نے عرض کیا کہ سرہ نے پی لیا۔ اور سرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں جو کہ حبشہ سے ساتھ آئی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے اپنے لئے آگ سے رکاوٹ بنالی۔

قال الهيثمي، رجاله رجال الصحيح غير عبد الله بن احمد بن حنبل وحكيمة وكلاهما ثقة.

اس موضوع کے بارے میں علماء کرام کے اقوال

علامہ نووی شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ جو علماء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون، اور پیشاب وغیرہ کی طہارت کے قائل ہیں وہ انہی دو مشہور احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

ابو طیبہ (حجام) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک پی لیا۔ اور آپ نے اس پر نکیر نہ فرمائی۔ اور ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب پی لیا۔ آپ نے اس پر بھی نکیر نہ فرمائی۔ ابو طیبہ حجام والی روایت ضعیف ہے اور پیشاب پینے والی حدیث صحیح ہے۔ دار قطنی نے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔ اور یہ حدیث شریف تمام فضلات کے بارے میں استدلال کے لئے کافی ہے۔

پھر فرمایا کہ قاضی حسین رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ یقینی امر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی فضلات پاک ہیں تو ان سے سوال کیا گیا کہ اگر پاک ہیں تو ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجتناب کیوں فرماتے تھے؟ جواب میں ارشاد فرمایا کہ "استحباباً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجتناب فرماتے تھے۔

(شرح مہذب ج ۱ ص ۲۳۳)

علامہ بدر الدین صاحب عمدۃ القاری شرح بخاری اپنی مشہور شرح عمدۃ القاری۔ جلد ۲۔ ص ۳۵ میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک تو قابل عزت و تعظیم ہیں ہی اور وہ اس بحث سے خارج ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ماوردی کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال پاک ہیں۔ اور بالوں کی طہارت کا قول و مذہب اس پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی دوسرا مذہب بھی ہے، اور دوسرے قول سے خدا کی پناہ۔ اور یہ دوسرا قول بعض شوافع نے گھڑا ہے۔ اور یہ لوگ قریب ہے کہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائیں۔ کیونکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے بارے میں دونوں صورتیں ہیں۔ حاشا و کلا یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ آپ کے فضلات کے بارے میں طہارت کا قول ہے تو بالوں کی نجاست کا قول کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر علامہ عینی نے فرمایا کہ بے شمار احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک ایک جماعت نے پیا ہے۔ ان میں سے ابو طیبہ (حجام پچھنے

لگانے والے) قریش کے ایک غلام ہیں (رواہ البزار والطبرانی والحاکم والبیہقی وابونعیم فی الحلیۃ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پیا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بول مبارک پیا ہے۔ (رواہ الحاکم والدارقطنی والطبرانی وابونعیم)

اور طبرانی نے الاوسط میں ابو رافع کی بیوی سلمٰی کی روایت تخریج کی ہے۔ انہوں نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا پانی پی لیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے تیرے بدن کو جہنم کی آگ پر حرام کر دیا ہے۔

المواہب میں حافظ قسطلانی، علامہ نووی کے قول پر تعلیقاً فرماتے ہیں کہ قاضی حسین نے کہا ہے "اَنَّ الْاَصَحَّ الْقَطْعُ بِطَهَارَةِ جَمِيْعِ الْفُضُلَاتِ" (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضلات کے بارے میں صحیح اور یقینی مذہب طہارت ہی کا ہے) اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے جیسا کہ علامہ عینی نے فرمایا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضلات کے بارے میں طہارت کے بے شمار دلائل ہیں۔ اور ائمہ کرام و علماء عظام نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے نماز سے تبرک

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھوٹی مسجد میں اس جگہ نماز پڑھی ہے (یعنی روحہ کی بلندی کے نیچے جو چھوٹی مسجد ہے) اور ابن عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو وہ جگہ بتاتے تھے جس جگہ آپ نے نماز پڑھی ہے اور کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ جائے نماز ہے جو مسجد میں کھڑے ہوتے وقت تمہاری دائیں جانب واقع ہے۔ اور یہ مسجد مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں دائیں طرف ہے اور اس چھوٹی و بڑی مسجد کے مابین تیر یا پتھر پھینکنے کے بقدر فاصلہ ہے۔ (رواہ البخاری)

جس جگہ آپ کے دہانِ (منہ) مبارک نے مَس کیا ہو اس سے تبرک

رَوَی الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَغَیْرُہٗ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی اُمِّ سُلَیْمٍ وَفِی الْبَیْتِ قِرْبَۃٌ مُّعَلَّقَۃٌ فَشَرِبَ مِنْ فِیْہَا، اَیْ مِنْ فَمِ الْقِرْبَۃِ۔ وَھُوَ نَائِمٌ قَالَ اَنَسٌ: فَقَطَعَتْ اُمُّ سُلَیْمٍ فَمَ الْقِرْبَۃِ فَھُوَ عِنْدَنَا۔

حضرت امام احمد وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام سُلیم کے گھر تشریف لائے۔ گھر میں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا آپ نے اس کے منہ سے پانی پی لیا یعنی مشکیزہ کے منہ سے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ام سُلیم نے مشکیزے کا منہ کاٹ لیا اور وہ ہمارے پاس ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ام سلیم نے اس مشکیزہ کا منہ کاٹ کر اپنے گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی کو بطور تبرک حفاظت سے رکھ لیا۔

جس ہاتھ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مَس کیا اس ہاتھ سے تبرک

عَنْ یَحْیَی بْنِ حَارِثِ الذِّمَارِیِّ قَالَ: لَقِیْتُ وَاثِلَۃَ بْنَ الْاَسْقَعِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَقُلْتُ: بَایَعْتَ بِیَدِکَ ھٰذِہٖ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ قُلْتُ: اَعْطِنِیْ یَدَکَ اُقَبِّلُھَا، فَاَعْطَانِیْھَا فَقَبَّلْتُھَا۔

یحیی بن حارث الذماری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے عرض کیا کہ آپ کے ان ہاتھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے عرض کیا کہ مجھے اپنا ہاتھ دیدیں کہ میں اس کو چوموں گا۔ انہوں نے اپنا ہاتھ دیدیا تو میں نے اس کو بوسہ دیا۔

ابو نعیم نے حلیہ میں یونس بن میسرہ سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم یزید بن الاسود رضی اللہ عنہ

کے پاس ان کی عیادت کو گئے تو واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ جب انہوں نے واثلہ بن الاسقع کو دیکھا تو اپنا ہاتھ ان کی طرف پھیلا کر ان کے ہاتھ کو اپنے سینے اور چہرے پر پھیرنے لگے۔ کیونکہ ان ہاتھوں سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اے یزید! تمہارا اپنے رب کے بارے میں کیا گمان ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اچھا ہے! تو حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم کو خوشخبری ہو کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں، اگر میرا بندہ اچھا گمان رکھتا ہے تو میں اچھا معاملہ کرتا ہوں اور اگر بُرا گمان رکھے تو میں بھی سخت معاملہ رکھتا ہوں۔ (حلیۃ الاولیا ر ج ۹ صفحہ ۳۰۶)

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں صفحہ ۱۴۴ پر حضرت عبدالرحمٰن بن رزین سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم مقام ربذہ سے گذرے تو ہم کو کہا گیا کہ اس مقام پر حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ ہیں تو ہم ان کے پاس آئے اور سلام کیا۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ان دونوں ہاتھوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے۔ اور پھر اپنا موٹا ہاتھ آگے کر دیا۔ ہم نے کھڑے ہو کر اس کو بوسہ دیا۔ (واخرج ابن سعد ج ۴ صفحہ ۳۹ عن عبدالرحمٰن بن زید العراقی نحوہٗ)

نیز حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں صفحہ ۱۴۵ پر ابن جدعان سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کیا آپ نے اپنے ہاتھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مس کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں! پھر انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

نیز الادب المفرد صفحہ ۱۴۴ میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں چومتے تھے۔ اور حضرت ثابت سے یہ بھی مروی ہے کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے میری جائے قیام بتائی۔ میں وہاں چلا گیا اور ان کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، ان دونوں ہاتھوں پر جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوا ہے اور میں نے ان کی آنکھوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ کی ان دونوں آنکھوں پر قربان ہوں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ (ذکرہ الحافظ ابن حجر فی المطالب العالیۃ ج ۴ صفحہ ۱۱۱)

علامہ ہیثمی کہتے ہیں کہ ابو یعلیٰ نے بھی اس کو روایت کیا۔ عبد بن ابی بکر المقدمی کے علاوہ اس کے تمام رجال صحیح کے رجال ہیں اور یہ عبد اللہ بن ابی بکر المقدمی ثقہ ہیں اور البوصیری نے سکوت کیا ہے۔
(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۲۵)

آپ کے جبۂ مبارک سے تبرک

عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ: اَنَّهَا اَخْرَجَتْ جُبَّةً طَيَالِسَةً كِسْرَوَانِيَّةً لَهَا لِبْنَةُ دِيْبَاجٍ وَفُرْجَيْهَا مَكْفُوفَيْنِ بِالدِّيْبَاجِ، وَقَالَتْ: هٰذِهٖ جُبَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ، فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا، فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِيْ بِهَا
(رواہ مسلم)
(کتاب اللباس والزینۃ ج ۳ ص ۱۴۰)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک کسروانی طیالسی جبہ نکالا۔ اس کی کلیاں دیباج کی تھیں اور اس جبہ کی دونوں پھٹنیں دیباج سے سلی ہوئی تھیں۔ اور کہا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ مبارک ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو زیب تن فرمایا کرتے تھے اور ہم اپنے مریضوں کے لئے اس کو دھوتے ہیں اور اس سے شفاء حاصل کرتے ہیں (یعنی اس کا دھوون ہم بیماروں کو پلا کر استشفاء کرتے ہیں)

جس پر دستِ مبارک پڑ جائے اس سے تبرک

عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ مَجْزَاَةَ اَنَّ اَبَا مَحْذُوْرَةَ كَانَتْ لَهٗ قُصَّةٌ فِيْ مُقَدَّمِ رَاْسِهٖ اِذَا قَعَدَ اَرْسَلَهَا فَتَبْلُغُ الْاَرْضَ، فَقَالُوْا لَهٗ: اَلَا تَحْلِقُهَا؟ فَقَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَيْهَا بِيَدِهٖ، فَلَمْ اَكُنْ لِاَحْلِقَهَا حَتّٰى اَمُوْتَ۔
(رواہ الطبرانی) مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۵

حضرت صفیہ بنت مجزاۃ سے مروی ہے کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے بالوں کا ایک قصہ ہے۔ جب وہ بیٹھتے تھے تو ان بالوں کو لٹکا لیا کرتے تھے اور وہ بال زمین تک

پہنچ جاتے تھے۔ لوگوں نے ان سے عرض کیا آپ ان بالوں کو کٹواتے کیوں نہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ہاتھ پھیرا ہے۔ میں تو مرتے دم تک نہیں کٹواؤں گا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے اذان کا طریقہ تعلیم فرمائیں۔ تو آپ نے اپنا دستِ مبارک میرے سر کے اگلے حصہ پر پھیرا اور فرمایا کہ کہو۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اپنی آواز کو اونچا کرو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اپنی پیشانی کے بالوں کو نہ کاٹتے تھے اور نہ مانگ نکالتے تھے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ہاتھ پھیرا تھا۔ (اخرجہ البیہقی والدارقطنی و احمد وابن حبان والنسائی وغیرہما)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالہ اور جائے نماز سے تبرک

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ملاقات کی اور کہا کہ میرے گھر چلیئے۔ میں آپ کو اس پیالہ میں پلاؤں گا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا ہے اور آپ اس جگہ نماز پڑھیں جس جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے۔ میں ان کے ساتھ گیا۔ انہوں نے مجھے پانی پلایا اور کھجوریں کھلائیں۔ اور میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ نماز پڑھی۔ (رواہ البخاری فی کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جائے اقدام سے تبرک

ایک حدیث میں حضرت ابو مجلز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان تھے کہ عشاء کی دو رکعت ادا فرمائیں۔ پھر کھڑے ہوئے ایک رکعت کے ذریعہ اس کو وتر بنایا۔ اور وتر میں سورۂ نساء کی سو آیات تلاوت فرمائیں۔ پھر فرمایا کہ جس جگہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقدام عالیہ رکھے تھے، میں نے بھی اسی جگہ اپنے قدم رکھے ہیں، کمی، کوتاہی نہیں کی۔ اور میں نے بھی وہی پڑھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تھا۔ (رواہ النسائی ج ۳ ص۲۴۳)

مُبارک گھر سے تبرّک

محمد بن سوقہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ نے اپنا گھر بنایا تو ان کے پاس کوئی شخص وہ مکان کرایہ پر لینے کے لئے آیا۔ انہوں نے کہا کہ تم اس کا کیا کروگے۔ میں نے عرض کیا کہ اس میں کاروبار کروں گا (خرید و فروخت) انہوں نے فرمایا۔ میں تم کو اس کے بارے میں ایک واقعہ سناتا ہوں جو بھی شخص اس میں بیٹھ کر خرید و فروخت کرے یا سکونت اختیار کرے، یہ گھر اس کے لئے بابرکت ہے۔

اور وہ واقعہ یہ ہے کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے پاس کچھ مال تھا۔ آپ نے ایک مٹھی ان دراہم میں سے بھر کر مجھے عنایت فرمائی اور فرمایا کہ یہ دراہم لے لو اے عمرو! جس جگہ چاہو لگا لو۔ تو یہ مکان ان دراہم کا بنا ہوا ہے جو مجھے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائے تھے اور ہم نے اپنے پاس رکھ لئے تھے۔

جب ہم کوفہ آئے تو میں نے ایک مکان خریدنے کا ارادہ کیا تو میری والدہ نے کہا کہ اے بیٹے جب تم گھر خریدنے لگو اور رقم کی تیاری کر لو تو مجھے بتانا۔ پس میں نے اسی طرح کیا اور اپنی والدہ کے پاس جا کر اطلاع دی، وہ تشریف لائیں اور مکان خریدنے کے لئے رقم سامنے رکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے کوئی چیز اپنے پاس سے نکالی اور ان دراہم میں ڈالکر خلط ملط کر دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میری اماں جان! یہ کیا چیز ہے؟ والدہ نے کہا کہ یہ وہی دراہم ہیں جو تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے لائے تھے۔ اور مجھے یقین ہے کہ تم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دراہم اپنے دستِ مبارک ہی سے عطا فرمائے ہونگے اب عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان دراہم سے خریدا ہوا مکان مبارک ہے۔ اس کے لئے بھی جو اس میں خرید و فروخت کرے۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر و ابو یعلی (مجمع الزوائد ج ۴ ص۱۱۱)

منبر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تبرّک

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حال میں روایت کی گئی کہ انہوں نے اپنا ہاتھ منبر شریف پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ پر رکھا ہوا تھا۔ پھر اس کو اپنے چہرے پر رکھا۔ ابو قسیط و عتبی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رض جب مسجد خالی ہوتی تو منبر شریف کی دائیں طرف والی لکڑی کو ہاتھوں سے چھوتے اور قبلہ رخ ہو کر دعا کرتے۔ (قال الملا علی قاری شارح الشفا: رواہ ابن سعد عن عبد الرحمٰن بن عبد القادری) ص۵۱۸ ج۳

یہ شیخ ابن تیمیہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی روایت کی ہے اور انہوں نے تمسح بالمنبر والرمانہ کی اجازت دی ہے۔ اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ فقہاءِ مدینہ حضرت ابن عمر، سعید بن المسیب اور یحیی بن سعید رحمہم اللہ تمسح بالمنبر والرمانہ کرتے تھے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص۳۶۷)

قبر شریف سے تبرّک

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ سے فرمایا کہ امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے عرض کرو کہ عمر نے آپ کو سلام کہا ہے اور امیر المؤمنین کا لفظ مت کہنا۔ کیونکہ آج کے دن میں امیر المومنین نہیں ہوں اور کہو کہ عمر بن الخطاب اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اجازت چاہی اور سلام کیا۔ پھر اندر داخل ہوئے تو ام المومنین رو رہی تھیں۔ پھر عرض کیا آپ کو عمر بن الخطاب سلام کہتے ہیں اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں، تو ام المؤمنین نے فرمایا کہ میں بھی یہی چاہتی تھی۔ لیکن آج کے دن عمر بن الخطاب کو ترجیح دوں گی۔ جب ابن عمر واپس آگئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی واپسی کی اطلاع دی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اٹھاؤ تو ایک آدمی نے سہارا لگا کر بٹھایا۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ کیا ہوا؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ اے امیر المؤمنین جو آپ چاہتے ہیں اس کی اجازت دیدی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الحمد للہ، کوئی چیز بھی میرے نزدیک

اس سے زیادہ اہم نہیں ہے۔

جب میں مر جاؤں تو تم مجھے اٹھا کر لے جانا اور سلام کرنا اور کہنا کہ عمر نے اجازت چاہی ہے اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو مجھے دفن کرنا اور اگر اجازت نہ دیں تو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا حضرت امام بخاری نے مفصل کتاب الجنائز میں اس کو روایت کیا ہے۔ (اخرجه البخاری بطوله فی کتاب الجنائز۔ باب ماجاء فی قبر النبی صلی الله علیه وسلم۔ وفی کتاب فضائل الصحابة۔ باب قصة البیعة)

انبیاءِ سابقین اور آثار الصالحین سے تبرّک

حضرت نافع سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ہم کو بتایا کہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قومِ ثمود کے علاقہ میں اترے تو ان کے کنوؤں سے پانی پیا اور اس پانی سے آٹا گوندھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو آٹا گوندھا ہے وہ جانوروں کو کھلا دو اور پانی پھینک دو اور حکم دیا کہ اس کنوئیں سے پانی بھریں جس سے اونٹنی پیتی تھی۔ (رواہ مسلم فی کتاب الزهد، باب النهی عن الدخول علی اهل الحجر، قال النووی فی الشرح ج ۸ ص ۱۱۸، وفی هذا الحدیث من الفوائد التبرك بآثار الصالحین۔

تابوت سے تبرّک

اللہ جل شانہ قرآن حکیم میں تابوت کی فضیلت کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔

(سورہ بقرہ پ ۲)

اور کہا بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہ طالوت کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ آوے تمہارے پاس وہ صندوق جس میں تسلی خاطر ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جو چھوڑی ہیں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی اولاد نے اٹھا لائیں گے اس کو فرشتے۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ یہ تابوت بنی اسرائیل کے پاس تھا وہ اس کے وسیلہ سے اللہ سے مدد طلب کرتے تھے اور اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں ان نشانیوں کو وسیلہ بناتے جو اس میں تھیں۔ اور یہ وہ تبرک ہے جس کے ہم قائل ہیں اور ہماری مراد و مقصود ہے۔ اور بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وغیرہ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور کچھ کپڑے اور ہارون علیہ السلام کے کپڑے اور جوتے اور تورات کی

کچھ تختیاں وطشت وغیرہ تھیں جیسا کہ ابن کثیر، قرطبی، سیوطی، طبری مفسرین وغیرہ نے ذکر کیا ہے ان کی کتب کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔ اور اس سے توسل بآثار الصالحین، آثار کی حفاظت و استبراک وغیرہ دیگر کئی مسائل پر استدلال ہوسکتا ہے۔

مسجد عشار سے تبرّک

عَنْ صَالِحِ بْنِ دِرْهَمٍ يَقُوْلُ: اِنْطَلَقْنَا حَاجِّيْنَ، فَإِذَا رَجُلٌ فَقَالَ لَنَا: اِلٰى جَنْبِكُمْ قَرْيَةٌ يُقَالُ لَهَا: اَلْاُبُلَّةُ، قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: مَنْ يَضْمَنُ لِيْ مِنْكُمْ اَنْ يُّصَلِّيَ لِيْ فِيْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ اَوْ اَرْبَعًا، وَيَقُوْلُ هٰذِهٖ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ: سَمِعْتُ خَلِيْلِيْ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ فِيْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُهَدَاءَ لَا يَقُوْمُ مَعَ شُهَدَاءِ بَدْرٍ غَيْرُهُمْ

(رواہ ابوداؤد)

وَقَالَ هٰذَا الْمَسْجِدُ مِمَّا يَلِي النَّهْرَ۔

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۳ ص ۱۴۹۶)

حضرت صالح بن درہم کہتے ہیں کہ ہم حج کے لئے جا رہے تھے کہ ایک آدمی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ تمہارے نزدیک ایک گاؤں ہے، جس کا نام "الابلۃ" ہے۔ ہم نے کہا کہ جی ہاں! تو اس شخص نے کہا کہ تم میں سے کون اس کی ذمہ داری لے گا کہ میری طرف سے مسجد عشار میں دو یا چار رکعات نماز پڑھے اور یہ کہہ دے کہ اس کا ثواب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پہنچے میں نے اپنے خلیل ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ جل شانہٗ قیامت کے دن مسجد عشار سے شہداء کو اٹھائیں گے اور وہ شہداء بدر کے ساتھ ہوں گے۔ اور ان کے سوا کوئی شہید شہداء بدر کے ساتھ نہ اٹھے گا۔

اور یہ مسجد نہر کی جانب ہے۔

علامہ محدث کبیر فضیلۃ الشیخ حضرت اقدس سیدنا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ نے "بذل المجہود" میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عبادت بدنیہ

کا بھی اجر وثواب دوسروں کو پہنچتا ہے۔ اور اولیاء کرام ومقربین خدا کی نشانیوں کی زیارت کی جاتی ہے۔ اور ان سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔ (بذل المجہود ج ۱۷ ص ۲۲۵)

علامہ شیخ ابوالطیب صاحب عون المعبود فرماتے ہیں کہ مسجد عشار ایک مشہور مسجد ہے۔ جس میں نماز پڑھنا باعث برکت ہے۔ (عون ج ۱۱ ص ۴۲۲)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت میں ہیں

ہم نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت میں ہیں، ہمارے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے۔ اس قول کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا، تو شیخ نے فرمایا کہ یہ کہنا کہ ہم فلاں کی برکت میں ہیں، یا فلاں جب سے آیا برکت ہی برکت ہوگئی، ایک اعتبار سے صحیح ہے اور ایک اعتبار سے باطل ہے۔

صحیح صورت اور معنی یہ ہیں کہ اگر یہ مراد لیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدھا راستہ دکھایا اور ہم کو تعلیم دی، اچھی باتوں کا حکم دیا اور بری باتوں سے منع کیا، آپ کے اتباع کی برکت سے ہم کو تمام خیریں ملیں تو یہ معنیٰ تو صحیح ہیں۔ جیسا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کی برکت سے مدینہ والے آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کی۔ اس کی برکت سے دین ودنیا کی خیریں ملیں اور سعادتیں حاصل ہوئیں۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا ہر شخص آپ کے اتباع واطاعت کی وجہ سے دین ودنیا کی اتنی کثیر برکتیں حاصل کرتا ہے جن کا شمار صرف اللہ جل شانہٗ ہی کے علم میں ہے۔

اور جب اس قول سے یہ مراد لی جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت وبزرگی کی وجہ سے اللہ پاک نے شر کو دور کیا ہے اور ہم کو رزق ملتا ہے اور مدد کی جاتی ہے تو یہ حق اور صواب ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم لوگوں کو اپنے کمزوروں کی دعاؤں، نمازوں واخلاص کی برکت سے رزق دیا جاتا ہے اور مدد کی جاتی ہے۔ اور اللہ پاک کفار وفجار سے عذاب کو مومنین ہی کی برکت سے دور کرتے ہیں جو ان کے درمیان رہتے ہیں۔ اور وہ عذاب خداوندی کے مستحق نہیں ہوتے اور اسی کے بارے میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى قَوْلِهٖ عَذَابًا اَلِيْمًا (سورۃ الفتح پ۲۶)

اور اگر نہ ہوتے ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں جو تم کو معلوم نہیں، یہ خطرہ کہ تم ان کو پیس ڈالتے۔ پھر ان کی وجہ سے تم پر بے خبری سے خرابی پڑ جاتی۔ اللہ پاک داخل کرتا ہے اپنی رحمت میں جس کو چاہتا ہے۔

اگر یہ کمزور مسلمان مکہ مکرمہ میں کفار کے درمیان نہ رہتے تو اللہ پاک ان کو عذاب دیتا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَوْلَا مَا فِي الْبُيُوْتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالذَّرَارِيِّ لَاَمَرْتُ بِالصَّلٰوةِ فَتُقَامُ، ثُمَّ انْطَلَقَ مَعِي بِرِجَالٍ مَعَهُمْ حُزَمٌ من حطب الى قوم لا يشهدون الصلاة معنا فأحرق عليهم بيوتهم۔ (مشکوٰۃ، باب الجماعۃ)

اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز قائم کرنے کا حکم دیتا (مسجد نبوی میں نماز کھڑی کر دی جائے) اور میں اپنے ساتھ کچھ آدمیوں کو جن کے پاس لکڑیوں کا گٹھا ہوتا لیکر جاتا ان لوگوں کے پاس جو ہمارے ساتھ نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو آگ لگا دیتا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ عورت کے رجم کو ولادت تک موقوف فرمایا۔ جب اس نے بچہ جن دیا تو اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:-

وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ (سورہ مریم پ۱۶)

اللہ پاک نے مجھے باعث برکت بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی ہوں۔

اور اولیاء کرام کی برکتیں اس اعتبار سے ہوتی ہیں کہ لوگوں کو ان سے فائدہ پہنچتا ہے۔ لوگوں کو وہ اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور بندوں کو موجبات رحمت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور ان امور

کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جن سے اللہ کا عذاب دور ہوتا ہے تو مراد صحیح ہے۔ اور جو شخص برکت کے یہ معنیٰ مراد لیتا ہے تو اس کا قول حق وصواب وسچ ہے۔

اور اس کا باطل معنیٰ کسی مخلوق کو اللہ کا شریک کرنا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی جگہ مدفون ہوا اور کوئی یہ خیال کرے کہ اللہ پاک اس مدفون کی وجہ سے ان کا خیال رکھتے ہیں۔ تو اگر یہ لوگ اللہ ورسول کی اطاعت نہ کرتے ہوں تو محض جہالت ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی آدم کے سردار ہیں اور مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔ پھر بھی اہل مدینہ کو واقعہ حرہ میں اس قدر تکالیف ومصائب پہنچے کہ اللہ کی پناہ۔ قتل، چوری اور خوف وغیرہ میں مبتلا ہوئے۔ لیکن خلفائے راشدین کے زمانہ میں ان کے ایمان واخلاص وتقویٰ کی وجہ سے اللہ پاک تمام مصائب کو دور فرما دیتے تھے کیونکہ خلفائے راشدین لوگوں کو ایمان وتقویٰ پر مجبور کرتے تھے، لوگ ان کی اطاعت کرتے تھے تو خلفائے راشدین کے اس عمل کی برکت سے ان کی تائید ونصرت کی جاتی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام شام میں مدفون ہیں۔ پھر بھی نصاریٰ سو سال تک ان پر قابض رہے اور اہل شام مختلف مصائب میں مبتلا رہے۔ جو یہ گمان کرے کہ لوگوں سے مصائب وآفات نافرمانی کے باوجود دور ہو جائیں گے، یہ شخص غلطی وجہالت پر ہے۔ ایسے ہی کوئی شخص یہ گمان کرے کہ کسی آدمی کی برکت اس کو پہنچ جائے گی حالانکہ وہ اس آدمی کی وجہ سے شرک ونافرمانی میں پڑتا ہے مثلاً یہ خیال کرے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی برکت اس کو حاصل ہوگی۔ اسی طرح غیر اللہ کے لئے زمین بوسی کی سعادت مل جائے گی خواہ وہ اللہ ورسول کی اطاعت نہ کرتا ہو۔ ایسا ہی یہ خیال کرے کہ محض کسی طرف نسبت ومحبت سے دخول جنت وشفاعت کا مستحق بن جائے گا یہ اور اس جیسے امور جس میں کتاب وسنت کی مخالفت ہو، مشرکین ومبتدعین کے احوال ہیں، جو باطل ہیں اور اس قسم کا عقیدہ وتوکل کرنا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ۔ ج ۱۱ ص ۱۱۳)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تبرک حاصل کرتے ہیں اور حافظ ذہبی تائید کرتے رہیں

عبد اللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد رحمہ اللہ کو دیکھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بال مبارک پکڑ کر اپنے منہ پر رکھتے اور اس کو بوسہ دیتے۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ اس کو آنکھوں پر رکھتے اور پانی میں

ڈال کر پانی کو پی کر شفاء حاصل کرتے۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ لے کر اس کو بڑے مٹکے میں دھوتے پھر پیتے۔ اور حصولِ شفاء کے لئے ماءِ زمزم پیتے۔ میں نے ان کو دیکھا اور ماءِ زمزم کو اپنے ہاتھ اور چہرے پر ملتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہاں ہیں امام احمد بن حنبل پر طعن کرنے والے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے صاحبزادے نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے رمانہ (پکڑنے کی جگہ) کو چھونے والے اور حجرہ نبویہ کو مس کرنے والے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے تو حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ جل شانہ ہم کو اپنی پناہ میں رکھیں اور خوارج واہلِ بدعت کی رائے سے بچتے رہنا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱۔ ص ۲۱۲)

خلاصہ

ان آثار واحادیثِ شریفہ کا خلاصہ اور لبِ لباب یہ ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آثار اور ہر وہ چیز جو آپ کی طرف منسوب ہو، اس کو تبرک بنانا اور استبراک کرنا سنت مرفوعہ وطریقہ محمودہ ہے اور مشروع ہے۔ اس عمل کے اثبات کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فعل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید بلکہ حکم فرمانا اور ان افعال کے کرنے پر اشارہ کرنا کافی ہے۔ جو نصوص ہم نے ذکر کی ہیں، ان سے ان لوگوں کا جھوٹ بالکل واضح ہوگیا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس کا اہتمام نہیں کیا:

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماءِ گرامی جو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آثار سے تبرک حاصل کرتے ہیں

یہ تو سراسر جہالت ہے یا جھوٹ ہے یا پھر تلبیس ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی صحابی نے اس کا اہتمام نہیں کیا۔ جن صحابۂ کرام نے اس کا اہتمام کیا اور عمل کرتے رہے، ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔ ۱۔ حضرات خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم۔ ۲۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔ ۳۔ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ۔ ۴۔ واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ۔ ۵۔ سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ۔ ۶۔ سواد بن عمرو رضی اللہ عنہ۔ ۷۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ ۸۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا۔ ۹۔ اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ۔ ۱۰۔ سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ۔ ۱۱۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔ ۱۲۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ۔ ۱۳۔ سفینہ مولی النبی صلی اللہ عنہ وسلم۔ ۱۴۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ۔ ۱۵۔ سرۃ خادمۃ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا۔ ۱۶۔ مالک بن سنان رضی اللہ عنہ۔ ۱۷۔ اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا۔ ۱۸۔ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ۔ ۱۹۔ مالک بن انس رضی اللہ عنہ۔ ۲۰۔ حضرت امام مالک بن انس صاحب المذہب رحمۃ اللہ علیہ۔ اہلِ مدینہ میں سے شیوخ جیسے سعید بن المسیب ویحیی بن سعید رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

اَلبَابُ الثَّالِثُ

اس میں زیارتِ نبویّہ اور آثارِ نبویّہ اور مقاماتِ مقدّسہ

وغیرہ کی مشروعیّت کا بیان ہے

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ

برزخی زندگی ایک حقیقت ہے

عالمِ برزخ کی زندگی حقیقتہً ایک زندگی ہے اور اس پر بیشمار آیاتِ بیّنات و احادیثِ کثیرہ مشہورہ صحیحہ دلالت کرتی ہیں ۔ اور اس حقیقی زندگی کو موت کے ساتھ بیان کرنے میں کوئی تعارض نہیں ہے ۔ جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے ۔

۱۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۔ (سورۃ الانبیاء پ۱۷) — اور نہیں بنایا ہم نے آپ سے پہلے کسی کے لئے ہمیشہ رہنا ۔

۲۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (سورۃ الزمر پ۲۳) — بیشک آپ کو بھی مرنا ہے اور وہ لوگ بھی مرجائیں گے ۔

برزخ کی زندگی کے حقیقی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ زندگی کوئی خیالی یا مثالی نہیں ہے ۔ جیسا کہ بعض ان ملحدین کا گمان ہے کہ ان کی عقلوں میں ایمان کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ اگر وہ لوگ صرف مشاہدہ کو مانتے ہیں اور اس غیب کی بات کو ان کی عقلیں نہیں سمجھ سکتیں جس کا بشری عقل تصور کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتی ۔ اور اللہ جلّ شانہٗ کی قدرتِ عظیمہ کی وجہ سے اس کی کیفیت کو تسلیم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں ۔ اور اس برزخ کی حقیقی زندگی کے بارے میں تھوڑا سا سوچنے کے بعد کوئی بھی کسی بھی قسم کا اشکال باقی نہیں رہتا ۔

جس آدمی کو تھوڑی سی بھی سمجھ ہوگی اور معانی کو حل کرنے اور سمجھنے کا ذوق و شوق ہوگا تو وہ یقیناً فوراً سمجھ جائے گا ۔ حقیقی و حقیقتہً و حقیقت کا لفظ باطل کی نفی کے لئے ہے ۔ اور اس وہم و خیال و شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لئے جو انسان کے ذہن میں عالمِ برزخ ، عالمِ آخرت ، عالمِ حشر و نشر ، عالمِ بعث و عالمِ حساب وغیرہ کے احوال کے بارے میں واقع ہوئے ہیں ۔ اور اس معنی کو بخوبی وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو عربی سے واقفیت رکھتا ہے ۔

اور یہ جانتا ہو کہ لفظ حقیقتہً (جس کو مؤلف نے اپنے کلام میں استعمال کیا ہے اور مترجم نے اس کو لفظِ حقیقت سے تعبیر کیا ہے) وہم و خیال و مثال کے مقابل استعمال ہوتا ہے ۔ تو اب مطلب

یہ ہوا کہ برزخ کی زندگی کوئی وہمی وخیالی ومثالی زندگی نہیں ہے۔ ہمارا یہی مقصود ومطلب ومفہوم ہے۔ اور بے شمار روایات وآثار سے یہ مسئلہ روزِ روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ میت سنتا ہے اور پہچانتا ہے۔ مؤمن وکافر کی کیا تخصیص؟

منجملہ احادیث کے ایک حدیث کنوئیں والی ہے جس کو صحیحین میں متعدد طرق سے روایت کیا گیا ہے:۔

عَنْ طَلْحَةَ وَعُمَرَ وَابْنِهِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِأَرْبَعَةٍ وَعِشْرِيْنَ رَجُلًا مِّنْ صَنَادِيْدِ قُرَيْشٍ فَأُلْقُوْا فِيْ طُوًى مِّنْ أَطْوَاءِ بَدْرٍ فَنَادَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَمَّاهُمْ "يَا أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ يَا أُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ يَا عُتْبَةَ ابْنَ رَبِيْعَةَ يَا شَيْبَةَ بْنَ رَبِيْعَةَ يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ! أَلَيْسَ قَدْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ فَإِنِّيْ قَدْ وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِيْ رَبِّيْ حَقًّا، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا تُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا أَرْوَاحَ فِيْهَا، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُوْلُ مِنْهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ لَا يُجِيْبُوْنَ۔ (رواہ الشیخان)

حضرت ابوطلحہ وعمر وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ۲۴ سرداروں کے بارے میں حکم فرمایا کہ ان کو بدر کے کنوئیں میں ڈال دو۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کا نام لے کر پکارا۔ اے ابوجہل۔ اے امیہ بن خلف، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ ابن ربیعہ۔ اے فلاں بن فلاں! جس چیز کا تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا، کیا تم نے اس کو حق پایا؟ میں نے تو اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بے روح جسم تو بات نہیں کرتے آپ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سننے والے۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔

اور عبداللہ بن سیدان کی حدیث اسی کے مثل ہے اور اس میں یہ ہے کہ "صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا وہ لوگ سنتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تمہاری طرح وہ بھی سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔

دوسری روایت بزار نے بطریق اسماعیل بن عبدالرحمٰن السری روایت کی ہے۔ وہ بواسطہ اپنے والد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت اپنے ساتھ آنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے جب وہ لوگ واپس ہوتے ہیں۔ ابن حبان نے بطریق محمد بن عمرو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مثل طویل حدیث ارشاد فرمائی۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى وَذَهَبَ أَصْحَابُهٗ حَتّٰى إِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَأَقْعَدَاهُ۔ (رواہ البخاری، باب المیت یسمع خفق النعال)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بندہ کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ آنے والے واپس جاتے ہیں تو میت ان کے جوتوں کی آواز جو چلنے سے پیدا ہوتی ہے اس کو سنتا ہے۔ پھر دو فرشتے آکر اس کو بٹھاتے ہیں...... اور قبر کے سوال وجواب ذکر فرمائے۔

تیسری حدیث۔ قبر کے سوال وجواب والی ہے اور دو فرشتوں (منکر نکیر) کے میت سے سوال وجواب کی تصریح تو بے شمار احادیث میں ہے کہ میت اپنے حال کے مناسب ومطابق جواب دیتا ہے

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے اہلِ قبور کو سلام کرنا مشروع فرمایا ہے اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ کے الفاظ تعلیم فرمائے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب تو سننے اور سمجھنے والے لوگوں کو ہوتا ہے۔ اور اگر اس کو تسلیم نہ کیا جائے تو معدوم وجمادات کو خطاب کرنا لازم آئیگا۔ اور سلف سے اس پر اجماع منقول ہے اور سلف سے تواتر سے آثار مروی ہیں کہ میت اپنی زیارت کرنے والے کو پہچانتا ہے اور اس کے آنے سے خوش ہوتا ہے۔ (دیکھو کتاب الروح از علامہ ابن قیم)

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ عبدالرزاق نے بطریق زید بن اسلم روایت کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کا ایک ساتھی ایک قبر کے پاس سے گذرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سلام کرو تو اس ساتھی نے عرض کیا کہ قبر کو سلام کروں؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر دنیا میں اس شخص نے کبھی بھی تم کو دیکھا ہوگا تو آج بھی پہچان لے گا (رواہ عبدالرزاق فی المصنف ج ۳ ص ۵۷۷)
یہی بات ہم کہتے ہیں اور یہی تمام سلف صالحین، اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ سلف صالحین کے مذہب کی طرف نسبت کے دعویدار اس حقیقت سے کیسے غافل ہیں علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس مسئلہ پر کافی وشافی بحث کی ہے۔ ہم تو اس مقام پر صرف شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک عظیم فتویٰ نقل کرتے ہیں جو الفتاوی الکبریٰ میں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

شیخ الاسلام سے سوال کیا گیا کہ جب زندہ لوگ مردوں کی زیارت کرتے ہیں تو کیا ان مردوں کو زندوں کی زیارت کا علم ہوتا ہے۔ اور کیا میت کو اس کے بعد میں مرنے والے رشتہ داروں کا علم ہوتا ہے؟

شیخ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ الحمدللہ! بہت سی روایات وآثار اس بارے میں وارد ہوئے ہیں کہ وہ لوگ آپس میں ملاقات کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں۔ زندوں کے اعمال مُردوں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ عبداللہ بن المبارک نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب مومن بندے کی روح قبض کرلی جاتی ہے تو اللہ کے مرحوم بندے اس کا استقبال کرتے ہیں جیسا کہ دنیا میں خوشخبری دینے والے کا استقبال کرتے ہیں اور اس پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ وہ دیکھو تمہارا بھائی آرام کررہا ہے بیحد تکلیف میں تھا۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں فلاں کا کیا ہوا۔ فلاں کیا کرتا ہے اور فلانہ کا کیا ہوا؟ اس کی شادی ہوگئی۔ اور جب زندہ آدمی میت کی زیارت کرتا ہے اور سلام کرتا ہے تو میت کو اس کا علم ہوتا ہے۔ یہ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گذرتے ہوئے سلام کرتا ہے اور وہ میت دنیا میں اس کو پہچانتا تھا تو آج بھی پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے ابن المبارک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور علامہ عبدالحق

صاحب الاحکام نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (فتاوی الشیخ ابن تیمیہ ج ۲۴ ص ۳۳۱)
ایک دوسرے مقام پر شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا میت اپنی زیارت کرنے والوں کے کلام کو سنتا ہے اور اس کو دیکھتا ہے۔ اور کیا میت کی روح اس وقت اس کے جسم کی طرف لوٹادی جاتی ہے یا قبر کے پاس اس کی روح پھڑپھڑاتی رہتی ہے؟ کیا اس کی روح اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں میں سے پہلے مرے ہوئے لوگوں کے ساتھ ملتی ہے؟
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جواب دیا۔ الحمدللہ رب العالمین! جی ہاں! میت فی الجملہ سنتا ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں وارد ہوا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میت اپنے ساتھ آنے والوں کی واپسی کے وقت ان کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے۔ پھر شیخ نے بہت سی احادیث کو ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ ان نصوص اور دیگر نصوص سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ میت فی الجملہ زندہ آدمی کا کلام سنتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر وقت سنے بلکہ کسی کسی وقت سنتا ہے جیسا کہ زندہ آدمی کو پیش آتا ہے کہ مخاطب کی بات کو سنتا ہے اور بعض وقت کسی عارض کی وجہ سے نہیں سن پاتا۔ یہ سننا ادراک کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اس پر جزا مرتب نہیں ہوتی۔
اور یہ سماع اللہ پاک کے قول "اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى" کے منافی بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ پاک کے قول کی مراد یہ ہے کہ سماع کے بعد اس حکم کو پورا کرے اور قبول کرے۔ اللہ پاک نے کفار کو ان مردوں کی طرح فرمایا ہے جو اپنے بلانے والوں کی بات کا جواب نہیں دیتے۔ اور ان چوپاؤں کی طرح جو الفاظ کو تو سنتے ہیں اور معنی کو نہیں سمجھتے۔ میت اگر کلام کو سنکر معنی کو سمجھے تو اس کا جواب دینا اس کے لئے ممکن نہیں ہے اور حکم پورا کرنے اور منہی عنہ سے رکنے کی طاقت نہیں رکھتا لہٰذا امر ونہی کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسی طرح کافر بھی امر ونہی سے منتفع نہیں ہوتا۔ اگرچہ خطاب کو سن کر معنی کو سمجھتا ہے جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے:-

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ۔ (سورۃ الانفال: آیت ۲۳)
اگر اللہ پاک ان لوگوں میں کوئی خیر پاتے تو ان کو سنوادیتے۔

رہا میت کے دیکھنے کا مسئلہ تو اس کے بارے میں ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعدد آثار مروی ہیں۔

تیسرا مسئلہ کہ میت کی روح اس کے بدن کی طرف لوٹا دی جاتی ہے یا روح قبر کے قریب پھرتی رہتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ میت کی روح اس کے بدن کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں وارد ہے۔ اور اس وقت کے علاوہ بھی لوٹا دی جاتی ہے۔ اور جب اللہ پاک چاہتے ہیں اس کے بدن کے ساتھ روح متصل ہو جاتی ہے۔ اور اس کا اتصال ایک لحظہ میں ہوتا ہے کہ فرشتہ ایک لحظہ میں زمین پر اتر جاتا ہے جیسا کہ سورج کی شعائیں ایک لحظہ میں زمین پر پہنچ جاتی ہیں اور سونے والا ایک لحظہ میں بیدار ہو جاتا ہے۔

اور یہ تو بے شمار آثار ہیں کہ ارواح فنارِ قبر میں رہتی ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جس دن میّت کو دفن کیا جاتا ہے اس دن سے سات دن تک ارواح فنارِ قبور میں رہتی ہیں اس سے جدا نہیں ہوتیں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ارواح چھوڑ دی جاتی ہیں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ (مجموعۃ الفتاوٰی للشیخ ابن تیمیہ ج ۲۴ ص۳۶۲)

ایک اور مقام پر شیخ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے شہید کی زندگی اور رزق کے بارے میں خبر دی ہے اور احادیثِ صحیحہ میں بھی آیا ہے کہ شہدار کی ارواح جنت میں داخل ہو جاتی ہیں۔ کچھ جماعتوں کا مذہب یہ ہے کہ یہ صرف شہدار کی خصوصیت ہے، صدیقین وغیرہ کی نہیں۔ اس بارے میں ائمۂ کرام اور جمہور اہلسنت والجماعت کا مذہب صحیح ہے کہ حیات و رزق و ارواح کا جنت میں دخول شہدار کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ جیسا کہ نصوص ثابتہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور شہید کو ذکر کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص شہید کو مردہ گمان کرتا ہے۔ جہاد سے رک جاتا ہے تو اس کی خبر دی گئی کہ وہ زندہ ہے تاکہ جہاد و شہادت کے لئے کوئی مانع نہ رہے۔ جیسا کہ اولاد کو بھوک کے خوف سے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ قتلِ اولاد کا وہی سبب تھا۔ بالاتفاق اولاد کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ بھوک و محتاجی کا خوف نہ ہو۔ (فتاوٰی ابن تیمیہ ج۔۲۴ ص۳۳۲)

میّت کو تکلیف مت دو تاکہ وہ بھی تم کو تکلیف نہ دے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے قبر پر تکیہ لگایا ہوا ہے تو آپ نے فرمایا۔

لَا تُؤْذُوْا صَاحِبَ الْقَبْرِ۔ اس قبر والے کو تکلیف مت دو۔

ذكره المجد ابن تيمية في المنتقى (ج ۲ ص ۱۰۴) وعزاه لأحمد في المسند وكذا الحافظ ابن حجر في الفتح (ج ۳ ص ۱۷۸) وقال: اسناده صحيح۔

امام طحاوی نے معانی الآثار میں ابن عمرو ابن حزم کی حدیث ان الفاظ کے ساتھ تخریج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر دیکھا تو فرمایا کہ قبر پر سے اتر جاؤ، قبر والے کو ایذا مت دو تاکہ قبر والا بھی تم کو ایذا نہ دے۔ (معانی الآثار ج ۱ ص۲۹۶، مجمع الزوائد ج ۳ ص۶۱)

حیاتِ برزخیہ کے معنی

ہم اس مقام کی مناسبت سے حیاتِ برزخیہ کے معنیٰ بھی بیان کئے دیتے ہیں۔ اور یہ بھی بیان کئے دیتے ہیں کہ حیاتِ برزخی ہماری زندگی کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک خاص قسم کی حقیقی زندگی ہے جو ان کے ہی مناسب ہے اور جس عالم میں وہ لوگ ہیں اسی عالم کے مناسب ہے۔ لیکن یہ سمجھنا چاہیئے برزخی حقیقی زندگی ہماری حقیقی زندگی کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری زندگی اقل و احقر، اضعف و تنگ ہے۔ کیونکہ اس دنیاوی زندگی میں انسان کبھی تو عبادت میں مشغول ہوتا ہے اور اپنے رب کے واجباتِ مختلفہ کی ادائیگی میں مشغول ہوتا ہے اور طاہر و پاک ہوتا ہے اور کبھی اس کی ضد یعنی ناپاک۔

کبھی مسجد میں ہوتا ہے تو کسی وقت حمام میں ہوتا ہے اور انسان یہ بھی نہیں جانتا کہ کس حالت پر خاتمہ ہوگا۔ انسان اور جنت کے مابین ایک فاصلہ ہے۔ معاذ اللہ معاملہ برعکس ہو جائے تو دوزخی ہو جائے اور صحیح ہوئے تو جنتی ہوگا ان شاء اللہ۔ اور برزخ کی زندگی حقیقی ہے۔ اگر میت اہل ایمان میں سے ہے تو امتحان کے پل (جس پر اہل سعادت ہی ثابت قدم رہ سکتے ہیں)، پر گذرنے کے بعد تکلیف و مشقت ختم ہو جائے گی۔ اور اس کی روشن روح اللہ پاک کے باغات و بادشاہت میں سیر کرنیوالی اور پھرنے والی ہوگی۔ نہ کوئی غم و رنج و فکر و تکلیف ہوگی۔ کیونکہ اب نہ تو کوئی دنیا ہے اور نہ آپس کا حسد و بغض نہ سونا نہ چاندی نہ آپس کی لڑائیاں۔ اب تو جنت کی سیر میں لذتیں ہیں۔ اور اگر معاذ اللہ معاملہ اس کے برعکس ہوا تو دوسرا معاملہ ہوگا۔

انبیاءِ کرام کے برزخی خصائص

حضرات انبیاءِ کرام کی حیاتِ برزخیہ کے چند منفرد خصائص ہیں۔ ان میں دیگر بشر شریک نہیں ہیں۔ اور اگر غیر انبیاء کسی صفت میں انبیاءِ کرام کے شریک ہوں تو وہ الحاق نسبی ہے اور در اصل وہ خصوصیت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے دو وجہ سے باقی رہتی ہے۔ (۱) باعتبارِ اصل (۲) باعتبار کمال۔

اب چند خصائص کو ہم ذکر کریں گے۔

انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی حیات کا کمال

ہم ماقبل میں یہ بیان کرچکے ہیں کہ برزخی زندگی ایک حقیقی زندگی ہے اور میت سنتا اور محسوس کرتا اور پہچانتا ہے۔ خواہ مومن ہو یا کافر۔ اور حیات و رزق اور ارواح کا دخول جنت میں شہید کے ساتھ خاص نہیں ہے جیساکہ اس پر نصوص ثابتہ دلالت کرتی ہیں۔ یہی حضرات ائمۂ کرام اور جمہور اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ہی صحیح ہے۔ پھر انبیاء کرام علیہم السّلام کے لئے حیاتِ برزخیہ کو ثابت کرنا امر زائد ہے۔ حضرات انبیاءِ کرام کی حیاتِ برزخیہ سورج کی طرح ظاہر ہے۔ جیسے سورج کو ثابت کرنا لغو امر ہے اسی طرح حضرات انبیاءِ کرام کے لئے حیات کے اثبات کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ حضرات انبیاءِ کرام کی حیاتِ برزخیہ کے کمال و اتمام و عظمت وغیرہ کو بیان کرنا چاہیئے۔

جیساکہ اس دنیا میں روئے زمین پر لوگوں کی زندگی کے مختلف مراتب و مقامات ہیں بعض ان میں سے زندوں کی صورت میں مردہ ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ
لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا
وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا

ان کے دل ہیں جن سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں۔ اور کان ہیں جن سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (سورۃ الاعراف پ ۹)

چوپاؤں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں یہی لوگ غفلت شعار ہیں۔

بعض انسانوں کے بارے میں اللہ جلّ شانہٗ وعمّ نوالہٗ کا ارشاد ہے:-

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (یونس ۶۲)

آگاہ رہو کہ اللہ کے اولیاء پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

بعض بندوں کے بارے میں اللہ جلّ شانہٗ وعمّ نوالہٗ کا ارشاد ہے:-

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ
هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ سے
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ تک (المؤمنون ۱-۱۰)

کامیاب ہیں وہ مومن جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔۔۔۔ سے یہی لوگ جنت کے وارث ہیں۔۔۔ تک۔

اور بعض بندوں کے بارے میں اللہ پاک فرماتے ہیں:-

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ
كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا
يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ
يَسْتَغْفِرُوْنَ (سورۃ الذاریات پ ۲۶)

یہ لوگ اس سے پہلے نیکوکار تھے۔ یہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور بوقتِ سحر استغفار کیا کرتے تھے۔

اسی طرح برزخ کی زندگی کے بھی مختلف درجات ہیں۔ چنانچہ اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

فَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ
فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا
(سورۃ الاسراء ۷۲)

جو شخص دنیا کی زندگی میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ یعنی دنیا میں حق کو دیکھنے اور قبول کرنے سے غافل رہا۔

لہٰذا حضرات انبیاءِ کرام کی حیات و رزق، شعور، احساس، سماع، ادراک، معرفت وغیرہ بھی دوسرے لوگوں سے اکمل و اتم، اعظم و ارفع ہوگی۔ شہداء کے بارے میں اللہ پاک کا جو ارشاد ہے، وہ اس کی واضح دلیل ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ

اللہ کے راستہ میں مقتول کو مردہ خیال مت کرو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ان کو رزق

عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ - (آل عمران ۱۶۹) دیا جاتا ہے ان کے رب کے پاس۔

جب حیات کے معنی یہ ہیں کہ روح باقی رہتی ہے فنا نہیں ہوتی تو پھر شہید کا کیا امتیاز کہ اس کا ذکر کیا جائے۔ کیونکہ تمام بنی آدم کی ارواح باقی ہیں، فنا نہیں ہوئیں۔ لہٰذا محققین علماء کا جو مذہب ہے وہی صواب و اصح ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے کتاب الروح میں مدلل و مفصل ثابت کیا ہے۔ لہٰذا کسی ایسی امتیازی صفت کا ہونا ضروری ہے جس سے شہداء کی زیادتی و فضیلت ان کے غیر پر ظاہر ہو جائے۔ ورنہ تو شہداء کی حیات کا ذکر تو عبث و فضول ہے اور کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ حالانکہ اللہ پاک نے شہداء کو مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا لامحالہ ہم کو کہنا پڑے گا کہ شہداء کی حیات دوسروں کے مقابلہ میں اکمل و ارفع و اشرف ہے اور ظاہر نصوص بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ لہٰذا شہداء کی ارواح کو رزق دیا جاتا ہے جنت کی نہروں سے پانی پیتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے "عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ"

پھر وہ لوگ کھانے پینے اور حصول لذات میں کامل احساس رکھتے ہیں۔ کامل شعور کے ساتھ پوری طرح لذت و فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ بہترین کھانا پینا اور بہترین آرام کی جگہ پاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کاش ہمارے بھائیوں کو بھی علم ہو جائے کہ اللہ پاک نے ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ شہداء کی ارواح کو دوسروں سے زیادہ تصرف دیا جاتا ہے جنت میں جہاں چاہیں سیر کرتی ہیں۔ پھرتی ہیں، پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ (جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے)

شہداء گفتگو کو سنتے ہیں اور خطاب کو سمجھتے ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ پاک شہداء کو فرماتے ہیں کہ کیا چاہتے ہو؟ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم یہ، یہ چاہتے ہیں۔ پھر سوال ہوتا ہے وہ جواب دیتے ہیں پھر وہ شہداء اللہ سے طلب کرتے ہیں کہ دنیا میں جہاد کے لئے ان کو دوبارہ لوٹا دیا جائے۔ اور اللہ پاک ان شہداء کی طرف سے ان کے بھائیوں کو ان کا پیغام پہنچا دیں جس میں ان تمام نعمتوں کا بیان ہو جن سے اللہ پاک نے ان شہداء کا اکرام کیا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میں تمہاری طرف سے پہنچا دوں گا۔

جب شہداء کے لئے یہ تمام امور ثابت ہیں تو حضرات انبیاء کرام کے لئے تو بدرجۂ اولیٰ دو طریقوں سے ثابت ہوں گے۔

اول - یہ عظیم مرتبہ شہید کو اس کی بزرگی و کرامت کی وجہ سے دیا گیا ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا مرتبہ بالاتفاق سب سے اونچا اور اعلیٰ ہے۔ اور ان کے مرتبہ و مقام سے اعلیٰ کسی کا بھی مقام نہیں ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضرات انبیاء کرام کا حال تمام شہداء کے حال سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ یہ بات تو محال ہے کہ جو کمال شہداء کو حاصل ہو وہ حضرات انبیاء کرام کو نہ ملے خصوصاً جو کمال قرب اور نعمتوں کی زیادتی کا موجب ہو۔ حضرات انبیاء کرام کو لازمی حاصل ہوگا۔

دوم - جہاد کرنے اور اپنی جانوں کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کی وجہ سے شہداء کو یہ مرتبہ ملا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے راستہ کھولا اور اس طرف ہم کو دعوت دی۔ اور اللہ کے حکم و توفیق سے یہ راستہ دکھایا تو آپ کے لئے یہ تمام انعامات و درجات بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

مَنۡ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ اَجۡرُهَا وَاَجۡرُ مَنۡ عَمِلَ بِهَا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ - (رواہ مسلم)

جو شخص بھی کوئی اچھا طریقہ رائج کر جائے تو اس کا اجر و ثواب اور جو اس پر عمل کرے اس کا اجر و ثواب بھی قیامت تک اس کو ملے گا

نیز آپ کا ارشاد ہے:-

مَنۡ دَعَا اِلٰى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الۡاَجۡرِ مِثۡلُ اُجُوۡرِ مَنۡ يَّتَّبِعُهُ لَا يَنۡقُصُ ذٰلِكَ مِنۡ اُجُوۡرِهِمۡ شَيۡئًا وَمَنۡ دَعَا اِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيۡهِ مِنَ الۡاِثۡمِ مِثۡلُ اٰثَامِ مَنۡ يَّتَّبِعُهُ لَا يَنۡقُصُ ذٰلِكَ مِنۡ اٰثَامِهِمۡ شَيۡئًا - (رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی)

جو شخص بھی کسی کو سیدھے راستہ کی طرف بلائے تو اس بلانیوالے کو تمام عمل کرنیوالوں کے اجر و ثواب کے مثل اجر و ثواب ملے گا۔ اور ان اتباع کرنیوالوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اور جو شخص کسی گمراہی کے راستے کی طرف بلائے تو اس بلانیوالے کو ان تمام اتباع کرنیوالوں کے گناہوں کے مثل گناہ ہوگا اور ان لوگوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

اس بارے میں بہت سی مشہور احادیث ہیں۔ لہٰذا شہید کو ملنے والا اجر و ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ

مسلم کو بھی ملے گا۔ کیونکہ آپ نے کوشش فرمائی۔ اور یہ زندگی وحیات اجر ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی کے مثل حیات ملے گی۔ حضرات انبیاء کرام کی برزخ کی زندگی خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ اس سے بہت زیادہ ارفع واکمل ہے۔

جاہل واحمق لوگ جو یہ تصور کرتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام اپنی قبور میں ایسے ہی زندگی گذارتے ہیں جیسے ہم زندگی گذارتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور کھانے پینے کی احتیاج رکھتے ہیں اور بول وبراز کے بھی محتاج ہیں اور مجالس میں شرکت اور تلاوتِ قرآن کے مجمعوں میں شرکت کے لئے قبروں سے نکل کر تشریف لاتے ہیں اور اپنی امت کی غمیوں وخوشیوں اور عیدوں میں شرکت فرماتے ہیں اور پھر زیر زمین تنگ گڑھوں میں اپنی قبور میں تشریف لے جاتے ہیں تو یہ کوئی تعظیم وتکریم نہیں بلکہ یہ تو ایسی شدید توہین ہے جس کو کوئی بھی انسان اپنے چھوٹے وتابع وخادم کے لئے بھی پسند نہ کرے گا۔ چہ جائیکہ خیر الخلائق واشرف العباد جن پر اللہ نے فضل فرمایا، احسان فرمایا۔ افسوس! ہائے افسوس، صد افسوس۔ برزخ کی حقیقی زندگی شعورِ تام، ادراکِ تام اور معرفتِ صادقہ ہے۔ یہ تو ایک پاکیزہ زندگی ہے دعاء وتسبیح، تہلیل، تحمید وصلوٰۃ کا مجموعہ ہے۔

انبیاء کرام کا اپنی قبور میں نماز پڑھنا اور دیگر عبادات کی ادائیگی

اس برزخی حیات کے ثمرات میں سے ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں حقیقۃً نماز ادا فرماتے ہیں۔ کوئی خیالی یا مثالی نماز نہیں۔ اس موضوع پر سب سے اول حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ۔ (رواہ ابو یعلیٰ ورجال ابی یعلیٰ ثقات، کذا فی مجمع الزوائد ج۔ ۸ ص۲۱۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں، نماز ادا فرماتے ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر ایک خاص رسالہ لکھا ہے۔ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَا يُتْرَكُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ بَعْدَ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً وَلٰكِنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ تَعَالٰى حَتّٰى يُنْفَخَ فِي الصُّوْرِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کرام کو اپنی قبور میں چالیس راتوں کے بعد نہیں چھوڑا جاتا۔ وہ لوگ اللہ جل شانہ کے سامنے نماز پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ صور پھونکا جائے۔

علامہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، انبیاء کرام کے لئے موت کے بعد حیات کے ثبوت پر بے شمار شواہد ودلائل ہیں۔ اور اس کے بعد اپنی سند سے حدیث ذکر فرمائی ہے "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا تو موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں نے اپنے آپ کو انبیاء کرام کی جماعت میں دیکھا موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کم گوشت والے گھنگھریالے بالوں والے گویا کہ قبیلہ ازد وشنوءۃ کے لوگوں میں سے۔ اور عیسیٰ بن مریم کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ عمرو بن مسعود ثقفی کے زیادہ مشابہ تھے۔ اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے لوگوں میں آپ کے زیادہ مشابہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ پھر نماز کا وقت ہوگیا۔ میں نے امامت کی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھے کسی کہنے والے نے کہا۔ یا محمد! یہ مالک صاحب النار (داروغہ جہنم) ہیں، ان کو سلام کریں۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو انہوں نے ہی ابتدا کی سلام میں (۱)

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں کہا ہے کہ حضرت سلیمان تیمی وثابت البنانی سے بطریق حضرت انس حدیث صحیح میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلۃ الاسراء میں میں کثیبِ احمر (سرخ ٹیلہ) کے قریب حضرت موسیٰ کے پاس سے گذرا تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (رواہ مسلم ۲/۲۶۸)

(۱) میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث امام مسلم نے ص ۲۶۸ جز ۲ اور عبد الرزاق نے المصنف ص ،، ۵ جز ۳ پر تخریج کی ہے

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ امتِ محمدیہ پر جو پچاس سے پانچ نمازوں تک تخفیف
ہوئی ہے اس کا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے
تھے اور فریضۂ رسالت ادا کر چکے تھے۔ اور رفیق اعلیٰ کے پڑوس میں منتقل ہو چکے تھے۔ لیکن حضرت
موسیٰ علیہ السلام امتِ محمدیہ تک خیر عظیم کے پہنچانے کا عظیم سبب ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور تخفیف کی استدعا
فرمائیں۔ کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ تو یہ مراجعت کیا حقیقیہ ہے یا خیالیہ ہے
یا وہمیہ ہے۔؟ کیا یہ مراجعت بیداری میں ہوئی ہے یا خواب میں ہوئی ہے؟ یہ مراجعت صحیح ہے
یا جھوٹ ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت وفات پا چکے تھے یا زندہ تھے؟

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا
اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
مَرَّ عَلٰی ثَنِیَّۃٍ فَقَالَ: مَا ھٰذِہٖ؟
قَالُوْا: ثَنِیَّۃُ کَذَا وَکَذَا، قَالَ:
کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی یُوْنُسَ عَلٰی نَاقَۃٍ
خِطَامُھَا لِیْفٌ وَّعَلَیْہِ جُبَّۃٌ مِّنْ
صُوْفٍ وَّھُوَ یَقُوْلُ: لَبَّیْکَ
اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔ اھ راخرجہ الحاکم
وصحّحہ رالدر المنثور ج۔۴۔ ص۳۳۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے
مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ میں ایک ٹیلہ کے پاس سے گذرا تو کہا کہ
یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا۔ یہ ایسا ایسا
ٹیلہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے یونس علیہ
السلام کو اونٹنی پر دیکھا۔ اس کی نکیل کھجور
کی چھال کی ہے اور اون کا جبہ زیب تن ہے
اور فرما رہے ہیں۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ
لَبَّیْکَ۔

ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو ایک رات کعبۃ اللہ کے
قریب دیکھا۔ ایک آدمی گندمی رنگ بہت خوبصورت، کانوں تک انتہائی خوبصورت بال، کنگھی
کئے ہوئے۔ بالوں میں سے پانی ٹپکتا ہوا دو آدمیوں کے کندھوں پر سہارا لگائے بیت اللہ کا
طواف کر رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ عیسیٰ بن مریم ہیں۔ ایک دوسری
روایت میں فرمایا کہ میں وادی ازرق کے پاس سے گذرا تو فرمایا کہ گویا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو
دیکھ رہا ہوں جو ٹیلے سے اترتے ہوئے زور زور سے تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔ پھر آپ کا گذر "ثنیہ ہرشی" پر

ہوا تو فرمایا کہ گویا کہ میں حضرت یونس بن متی کو دیکھ رہا ہوں اون کا جبہ پہنے ہوئے، گھنگھریالے بال والے
سرخ اونٹ پر سوار تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔ اور اونٹ کی لگام کھجور کی چھال کی بنی ہوئی ہے۔
ایک دوسری حدیث میں ہے گویا کہ میں حضرت موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں اس حال میں کہ حضرت
موسیٰؑ نے اپنے کانوں میں انگلیاں رکھی ہوئی ہیں۔ یہ تمام احادیث صحیح میں ہیں۔ اور حضرت موسیٰؑ و
عیسیٰؑ کے بارے میں ماقبل میں گذر چکا کہ وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی امامت کا ذکر بھی گذر چکا۔ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ نے خواب دیکھا تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنے قول "اِنِّیْ اَرَانِیْ" سے نیند کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ تمام واقعات کے بارے میں جمہور
سلف وخلف کا صحیح مذہب یہی ہے کہ یہ بیداری میں ہوا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ خواب تھا
تو انبیاء کے خواب بھی حق وسچ ہیں۔ اور آپ کے قول "اَرَانِیْ" میں خواب ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔
اور خواب نہ ہونے کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "رَاَیْتُنِیْ فِی الْحِجْرِ" ہے۔ اور یہ بیداری میں
پیش آیا جیسا کہ بقیہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد کی بقاء

عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ: قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:
اَفْضَلُ اَیَّامِکُمُ الْجُمُعَۃُ فِیْہِ خُلِقَ
اٰدَمُ، وَفِیْہِ قُبِضَ، وَفِیْہِ النَّفْخَۃُ
وَفِیْہِ الصَّعْقَۃُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ
مِنَ الصَّلٰوۃِ فِیْہِ، فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ
مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ، قَالُوْا، وَکَیْفَ
تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَیْکَ وَقَدْ
اَرِمْتَ۔ یَقُوْلُوْنَ بَلِیْتَ۔ فَقَالَ:
اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی
ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ تمہارے ایام میں بہترین دن جمعہ کا دن ہے
آدم علیہ السلام اسی دن پیدا کئے گئے اسی میں
ان کی روح قبض کی گئی۔ اسی دن دوسرا صور
ہوگا۔ اسی دن پہلا صور ہوگا۔ تم لوگ اس
دن کثرت سے مجھ پر درود شریف پڑھا کرو
تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ
پر درود شریف کس طرح پیش کیا جائے گا

تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ و احمد و ابن خزیمہ والحاکم)

حالانکہ آپ کا جسد اطہر بوسیدہ ہوچکا ہوگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے زمین پر اس بات کو حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

اور حدیث پاک "اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ" بے شمار طرق سے وارد ہے۔ علامہ منذری نے ایک خاص جزء میں اس کو جمع کیا ہے اور الترغیب والترہیب میں فرماتے ہیں کہ اس کو ابن ماجہ نے سَنَدِ جید سے روایت کیا ہے۔ اور امام احمد و ابو داؤد نے بھی اس کو روایت کیا۔ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے اس کو روایت کرکے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابن القیم رحمہ اللہ نے کتاب الروح میں ابو عبداللہ القرطبی سے نقل کیا ہے اور کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ زمین انبیاء کے اجساد کو نہیں کھاتی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء میں انبیاء کرام کے ساتھ بیت المقدس میں جمع ہوئے اور خصوصاً حضرت موسیٰؑ کے ساتھ آسمان میں۔ اور آپ نے فرمایا۔

مَامِنْ مُّسْلِمٍ یُّسَلِّمُ عَلَیْہِ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ رُوْحَہٗ حَتّٰی یَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ۔

جو بھی مسلمان آپ پر سلام بھیجتا ہے، تو اللہ پاک آپ کی روح مبارک کو لوٹا دیتے ہیں۔ پھر آپ اس کے سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بات یقینی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی موت یہ ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غائب ہوگئے کہ ہم ان کو نہیں پا سکتے، اگرچہ وہ زندہ ہیں۔ اور اس کی مثال اس طرح ہے کہ فرشتے ہم میں موجود ہیں مگر ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ اور پھر علامہ قرطبی کا کلام نقل کیا ہے۔

شیخ محمد السفرائینی حنبلی نے عقیدہ اہل السنۃ کی شرح میں فرمایا ہے کہ ابو عبداللہ القرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ احمد بن عمر القرطبی صاحب المفہم فی شرح المسلم نے فرمایا کہ اشکال کو دور کرنے والی بات یہ ہے کہ:۔

موت عدم محض نہیں ہے۔ موت ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنی موت و قتل کے بعد ۔۔ رب کے پاس زندہ ہوتے ہیں، ان کو رزق

دیا جاتا ہے۔ خوش ہوتے ہیں۔ یہ تو دنیا میں زندوں کی صفت ہے۔ جب یہ صفت شہداء کیلئے ثابت ہے تو حضرات انبیاء کرام اس کے زیادہ حقدار ہیں اور قرطبی نے تو یہ فرمایا ہے کہ شہداء کے جسم بوسیدہ نہیں ہوتے۔ حضرات جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد اور حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہما غزوۂ احد میں شہید ہوگئے اور ایک ہی قبر میں دونوں کو دفن کردیا گیا۔ سیلاب نے دونوں کی قبر کو کھول دیا تو وہ دونوں اسی سابقہ حالت پر تھے کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ ان دونوں میں سے ایک تو زخمی ہوا تھا اس نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھ لیا تھا۔ اور اس طرح دفن کردئے گئے تھے ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا، پھر اسی طرح ہوگیا جیسا تھا۔ اور غزوہ احد اور اس واقعہ کے درمیان چھیالیس سال کا وقفہ تھا۔

غزوۂ احد کے تقریباً ۵۰ سال بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں پانی کا چشمہ جاری کرایا اور مُردوں کو منتقل کرایا گیا تو حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کے قدم مبارک کو بیلچہ لگ گیا تو خون اس سے بہنے لگ گیا۔ حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ کو تو اس حالت میں دیکھا گیا گویا کہ کل ہی ان کو دفن کیا گیا ہے۔ اہل مدینہ نے روایت کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی دیوار ولید کے زمانہ میں منہدم ہوگئی تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے قدم مبارک نظر آنے لگے۔ حالانکہ وہ کئی سال پہلے شہید کردئے گئے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ذکر کیا ہے کہ جب دیوار منہدم ہوگئی تو قدم مبارک مع پنڈلی و گھٹنہ کے نظر آنے لگے اس سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پریشان ہوگئے۔ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے کہ یہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قدم مبارک ہیں تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی پریشانی ختم ہوئی۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص۳۶۵)

اس موضوع پر الامام الحجۃ ابو بکر بن الحسن البیہقی نے خاص طور پر ایک رسالہ تالیف کیا ہے اور اس میں وہ تمام احادیث جو حیات الانبیاء پر دلالت کرتی ہیں، جمع فرمائی ہیں۔ اسی طرح حافظ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ تالیف کیا ہے۔ اس کا نام ہے اَنْبَآءُ الْاَذْکِیَآءِ بِحَیَاۃِ الْاَنْبِیَآءِ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ خاصہ

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حیاتِ برزخیہ کا ثبوت دوسروں کے مقابلہ میں ارفع و اکمل ہے۔ آپ نے خود فرمایا ہے کہ آپ کا اپنی امت کے ساتھ اتصال امت کے احوال کے جاننے اور امت کے اعمال کی اطلاع ملنے اور اُمت کے کلام کو سننے اور سلام کا جواب دینے کے ذریعہ سے ثابت ہے اور اس کے بارے میں احادیثِ کثیرہ ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ اُمَّتِي السَّلَامَ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک کے بہت سے فرشتے زمین پر پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کے سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

دوسری حدیث۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ، وَوَفَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُعْرَضُ اَعْمَالُكُمْ عَلَيَّ فَمَا رَاَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُّ اللّٰهَ، وَمَا رَاَيْتُ مِنْ شَرٍّ اِسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔ تم بات چیت کرتے ہو اور تم سے بات چیت کی جاتی ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائینگے تو اگر میں نے اچھے پائے تو اللہ کی حمد کرونگا اور اگر بُرے پائے تو اللہ سے تمہارے لیے بخشش مانگوں گا۔

اب حدیثِ صحیح میں کسی قسم کے طعن کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور حدیث اس پر دلالت کرتی

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اعمال کو جانتے ہیں، فرشتے ہمارے اعمال آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور آپ ہمارے اعمالِ سیئہ پر استغفار کرتے ہیں۔ جب صورت احوال یہ ہے تو آپ کو اللہ جلّ شانہٗ کی بارگاہ میں وسیلہ اور سفارشی بنانا جائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے اعمال کا علم ہے حضور ہماری شفاعت فرمائیں گے اور ہمارے لئے دعا فرمائیں گے۔ آپ ایسے شفیع ہیں کہ جن کی شفاعت مقبول ہے۔ زَادَهُ اللّٰهُ تَشْرِيْفًا وَّتَكْرِيْمًا۔

اللہ پاک نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے گواہ ہیں اور گواہ ہونے کا مقتضا یہ ہے کہ آپ کی امت کے اعمال آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے علم و رؤیت کے مطابق گواہی دیں۔

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم کو ایک انصاری نے بطریق المنہال بن عمرو عن سعید ابن المسیب فرمایا کہ ہر روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں صبح و شام امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ناموں اور اعمال کے ذریعہ پہچانیں گے اور امت کے بارے میں گواہی دیں گے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا - الآية - (سورۃ النساء پ۵)

پس کیا حال ہوگا جب لائیں گے ہم ہر امت میں سے گواہ اور لائیں گے ہم آپ کو ان کے اوپر گواہ۔

ایک حدیث میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر دیا ہے اور اس کو تمام مخلوق کے نام دیدئے ہیں قیامت تک جو بھی مجھ پر درود پڑھیگا، وہ فرشتہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر مجھے پہنچاتا ہے کہ فلاں بن فلاں نے آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا ہے۔

اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور ابوالشیخ بن حبان کے الفاظ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے اور اس فرشتہ کو تمام مخلوق کے نام دے دئے ہیں اور وہ میری قبر کے پاس کھڑا رہیگا جب میں دنیا سے منتقل ہو جاؤں گا پھر جو بھی شخص مجھ پر درود پڑھیگا تو وہ فرشتہ کہے گا یا محمد! آپ پر فلاں بن فلاں نے درود پڑھا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک اس درود پڑھنے والے پر ایک کے بدلے میں دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر بنحوہ ۔ اھ (الترغیب ج ۲ ص۵)

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ بِعَدَدِ قَطْرِ الْأَمْطَارِ وَالْبِحَارِ أَضْعَافًا مُّضَاعَفًا إِلَى الْأَبَدِ،

اور ایک حدیث میں بطریق عمرو بن الحارث عن سعید بن ہلال عن زید بن ایمن عن عبادۃ بن نسی عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ ہے :۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ: أَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ وَإِنَّ أَحَدًا لَنْ يُصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلَاتُهُ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا، قَالَ، قُلْتُ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ، إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ۔

(رواہ ابن ماجہ فی السنن)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو۔ کیونکہ یہ جمعہ کا دن ایسا مبارک دن ہے کہ فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور جو شخص بھی مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو فارغ ہوتے ہی اس کا درود شریف مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا موت کے بعد؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں موت کے بعد، اور اللہ جل شانہٗ نے زمین پر یہ بات حرام کردی کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے رزق دیا جاتا ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، مَا مِنْ أَحَدٍ يُّسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ پاک میری روح لوٹا دیتے ہیں حتی کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

شیخ ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ اور فرمایا کہ مسند ابن ابی شیبہ میں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے تو فرشتے اس کو پہنچاتے ہیں۔ اس کو دار قطنی نے روایت کیا۔ اور نسائی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے فرشتے میری قبر پر مقرر کر دیئے ہیں جو میری امت کے سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔ اور اس باب میں بکثرت روایات وارد ہوئی ہیں۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص۳۲۴)

قبر مبارک پر جو شخص آپ کو پکارتا ہے آپ اسکو جواب مرحمت فرماتے ہیں،

جو شخص بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف کے قریب "یا محمد" کے ساتھ ندا دے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ندا کا جواب مرحمت فرماتے ہیں :۔

فِيْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ أَبِيْ يَعْلٰى فِيْ ذِكْرِ عِيْسٰى "وَلَئِنْ قَامَ عَلٰى قَبْرِيْ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ لَأُجِيْبَنَّهٗ"

(المطالب العالیہ ۴/۲۳، مجمع الزوائد ۸/۲۱۴)

ابو یعلیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں بواسطہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے آپ نے فرمایا اگر وہ (حضرت عیسیٰؑ) میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر کہیں گے یا محمد تو میں ضرور جواب دوں گا۔

بذریعہ قاصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھجوانا

یزید المہدی کہتے ہیں کہ جب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے رخصت ہونے لگا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے تم سے ایک کام ہے۔ میں نے عرض کیا کہ فرمائیے اے امیر المومنین! جناب کا کیا کام ہے؟ امیر المومنین نے فرمایا! جب تم مدینہ منورہ جاؤ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کو دیکھو تو آپ کی خدمتِ اقدس میں میرا سلام کہہ دینا۔ حاتم بن وردان سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ شام سے مدینہ منورہ ایک قاصد روانہ فرماتے تاکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی طرف سے سلام عرض کرے۔ (الشفا للقاضی عیاض، باب الزیارۃ ج ۲ ص۸۳) اور ملا علی قاری نے شرح شفا میں ذکر کیا ہے کہ اس کو ابن ابی الدنیا نے روایت کیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

علامہ خفاجی کہتے ہیں کہ یہ سلف کی عادتِ مبارکہ تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سلام بھیجا کرتے تھے۔ اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کو سلام بھجوایا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سلام بھیجنے والے اور سلام کرنیوالے کا سلام پہنچتا ہے اگرچہ وہ سلام بھیجنے والا دور ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اس میں فضیلت خطاب کو ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ (نسیم الریاض للخفاجی ج ٣ ص ٥١٦) ذکرہ الفیروز آبادی فی الصلوٰۃ والبشر ص ١٥٣)

قبر مبارکہ سے آواز اور سلام سنا گیا

امام حافظ ابو محمد عبداللہ الدارمی نے اپنی سنن (جس کو حدیث کی چھ بڑی اصولی کتب میں شمار کیا گیا ہے) میں روایت کیا کہ ہم کو مروان بن محمد نے سعید بن عبدالعزیز سے نقل کر کے خبر دی کہ وہ کہتے ہیں کہ حرہ کے دنوں میں تین دن تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں اذان نہ ہوئی اور نہ نماز باجماعت ہوئی۔ اور حضرت سعید بن المسیبؒ مسجد ہی میں رہتے تھے اور نماز کا وقت ایک ہمہمہ (آواز) سے پہچانتے تھے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے سنتے تھے (سنن الدارمی ج ١ ص ٤٤) نقلہ الشیخ محمد بن عبدالوہاب فی احکام تمنی الموت مجموعۃ مؤلفاتہ ج ٣ ص ٤٧)

اس روایت کو امام مجدالدین فیروز آبادی صاحب القاموس نے الصلوٰۃ والبشر میں بھی ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ ابراہیم بن خیبان کہتے ہیں کہ میں نے حج کیا پھر میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی طرف آگے کو بڑھا اور سلام عرض کیا تو میں نے حجرہ مبارکہ کے اندر سے سُنا۔ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ (الصلوٰۃ والبشر ص ١٥٤)

شیخ الاسلام علامہ ابنِ تیمیہ کی تائید

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے کلام (قبر کو مسجد یعنی سجدہ گاہ بنانے یا اس کی عبادت کئے جانے یا اس کو بت بنانے کے تحت) میں ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ تمام واقعات جو روایت کئے جاتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے قبر شریفہ سے سلام کا جواب سنا اور صالحین کی قبور سے سلام کا جواب

سنا اور حضرت سعید بن المسیب ایامِ حرہ میں قبر شریف سے آواز سنتے تھے اور اس جیسے واقعات اس باب میں داخل نہیں ہوتے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ٣٧٣)

پھر دوسرے مقام پر فرمایا کہ اسی طرح کرامات و خوارق عادت امور جو انبیاء کرام و صالحین کی قبور کے پاس پائی جاتی ہیں مثلاً نزولِ انوار و نزولِ ملائکہ اور بعض مُردوں کا اپنے مُردہ پڑوسیوں کی شفاعت کرنا اور صالحین کے پڑوسیوں کی قبور سے آگ کا دور ہونا وغیرہ ذکر کئے جاتے ہیں، وہ بھی اس باب میں داخل نہیں ہیں۔ اور ان کی قبور کے پاس سکون کا حاصل ہونا، اور جو شخص ان کی اہانت کرے، اس پر نزول عذاب وغیر ذالک، یہ تمام امور حق ہیں لیکن اس وقت یہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ انبیاء و صالحین کی قبور میں اللہ پاک کی طرف سے کرامت و رحمت ہوتی ہے اور اللہ پاک کے نزدیک جو ان کی عزت و بزرگی ہے وہ مخلوق کے خیال سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن یہ مقام تفصیل کا نہیں ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ٣٧٤)

غیر انبیاء کے لئے بھی بعض کرامات ثابت ہیں

بعض سلفِ صالحین رضی اللہ عنہم کے لئے ان کرامات میں سے بعض کرامات کو اہلِ علم نے روایت کیا ہے جو سلفِ صالحین کو وفات کے بعد حاصل ہوئی ہیں۔ اور ان کرامات کو سلف صالحین کے بارے میں ایسے ثقات و معتبر لوگوں نے نقل کیا ہے جو ایسے ثقات سے نقل کرتے ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ان کرامات کو دیکھا ہے۔ اور ہم اس جگہ شیخ محمد بن عبدالوہاب سے کچھ مختصراً نقل کریں گے شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اپنی کتاب "احکام تمنی الموت" میں ذکر کیا ہے اور احکام تمنی الموت کو جامعۃ الامام محمد بن سعود نے شیخ کے مجموعۃ تالیفات کے ضمن میں شائع کیا ہے۔

قبر میں نماز

حضرت ثابت سے بسندِ متصل مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر آپ کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی نعمت دیتے ہیں تو مجھے بھی قبر میں نماز پڑھنے کی نعمت عطا فرما۔ ابو نعیم جبیر سے روایت

کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے ثابت بنانی کو ان کی قبر میں داخل کیا اور میرے ساتھ حمید الطویل تھے جب ہم نے ان کی لحد کو اینٹوں سے بند کر دیا، ایک اینٹ اس میں گر پڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔

قرآنِ حکیم کی تلاوت

ابو نعیم اور ابن جریر نے ابراہیم بن المہلبی سے روایت کیا کہ ابراہیم نے کہا کہ مجھے ان لوگوں نے بیان کیا ہے جو صبح کے وقت چونے کے قبرستان سے گذر رہے تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ثابت البنانی کی قبر کے پاس سے گذرے تو ہم نے قرأتِ قرآن کی آواز سنی۔ اور ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بسند حسن مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے کسی قبر پر خیمہ لگا لیا اور ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے پس کیا سنتے ہیں کہ اس میں ایک انسان مکمل سورۃ الملک کی تلاوت کر رہا ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سورت تو مانعہ یعنی روکنے والی اور منجیہ یعنی عذابِ قبر سے نجات دلانے والی ہے۔

نسائی اور حاکم نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سویا پھر میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا اور نسائی کے الفاظ ہیں کہ میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے ایک قاری کی آواز سنی جو کہ قرأت کر رہا تھا۔ میں نے کہا کہ یہ کون ہے؟ فرشتوں نے کہا یہ حارثہ بن النعمان ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو یہ مرتبہ اپنی ماں کی فرمانبرداری کی وجہ سے ملا۔ یہ اپنی ماں کے بڑے فرمانبردار تھے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جب مومن بندہ مر جاتا ہے اور قرآن مجید مکمل حفظ نہ کر سکا ہو تو اس میت مومن کے حفظہ فرشتوں کو کہا جاتا ہے کہ اس کو قبر میں قرآن کی تعلیم دو کہ قیامت کے دن حفاظِ قرآن کے ساتھ اٹھایا جائے۔

ابن ابی الدنیا نے یزید الرقاشی سے بھی اسی کے مثل روایت کیا۔ اور سلفی نے مراسیل عطیہ

عوفی سے اسی کے ہم معنی روایت کیا ہے۔

اہل قبور کا آپس میں ملاقات کرنا

ابن ابی شیبہ نے ابن سیرین سے روایت کیا کہ ابن سیرین عمدہ کفن پسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اہل قبور کفن پہن کر ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں (اس لئے عمدہ کفن دیا کرو) اور مسند ابن ابی اسامہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کے ہم معنی مرفوع روایت ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ اپنی قبور میں ملاقات کے وقت ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں۔

اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا والی ہو تو اس کو اچھا کفن دینا چاہیئے۔ اور ترمذی و ابن ماجہ و محمد بن یحیی الہمانی نے اپنی صحیح میں حضرت ابو قتادہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا والی ہو تو چاہیئے کہ اس کا کفن اچھا کرے۔ کیونکہ اہلِ قبور ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔

میت کے ذریعے سے دنیا سے عالم برزخ کی طرف خط بھیجنا

راشد بن سعد سے ابن ابی الدنیا نے بسند روایت کیا ہے کہ ایک آدمی کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا تو اس نے خواب میں بہت سی عورتوں کو دیکھا لیکن ان کے ساتھ اس کی بیوی نہ تھی تو اس نے ان عورتوں سے اپنی بیوی کے بارے میں دریافت کیا تو ان عورتوں نے کہا کہ تم نے اس کے کفن میں کمی کی تھی تو وہ ہمارے ساتھ آتے ہوئے شرماتی ہے۔ پھر اس آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دیکھو "ھَلْ اِلٰی ثِقَۃٍ مِّنْ سَبِیْلٍ" (کیا کوئی معتبر آدمی مرنے والا ہے)، پھر وہ شخص ایک انصاری صحابی کے پاس آئے جن کی کیفیت قریب الموت کی تھی۔ اس شخص نے اس کو ساری بات بتائی تو انصاری نے کہا کہ اگر کوئی شخص مرے کو پہنچا سکتا ہے تو میں ضرور پہنچا دوں گا۔ پھر اس انصاری کی وفات ہو گئی۔ پھر وہ شخص دو کپڑے لایا جو کہ زعفران میں بسے ہوئے تھے اور ان کو اس انصاری کے کفن میں رکھ دیا۔ پس جب رات ہو گئی تو اس نے ان عورتوں کے ساتھ اپنی بیوی کو بھی دیکھا کہ اس پر وہی دو رنگین کپڑے تھے۔

ابن الجوزی نے بھی محمد بن یوسف الفریابی سے اس عورت کے قصہ کو روایت کیا ہے جس نے اپنی ماں کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس کو کفن کی شکایت کر رہی ہے۔ پس یہ قصہ ان لوگوں نے محمد بن یوسف کو سُنا کر دریافت کیا۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس کی ماں نے کہا کہ میرے لئے کفن خرید کر فلاں عورت کے ذریعہ بھیجدو۔ فریابی نے وہی حدیث ذکر کی اور ان سے کہا کہ میت اپنے کفنوں میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس کے لئے کفن خرید۔ پھر وہ عورت اسی دن مرگئی جس کا اس کی ماں نے تذکرہ کیا تھا تو ان لوگوں نے کفن اس کے ساتھ رکھ دیا۔

قبور پر نور

ابن ابی الدنیا نے ابو غالب جو ابوامامہ کے شاگرد ہیں، سے روایت کیا کہ شام میں ایک آدمی تھا جس کی موت کا وقت قریب تھا۔ اس نے اپنے چچا سے کہا کہ تمہاری کیا رائے ہے اگر اللہ پاک میرا معاملہ میری والدہ کے حوالے کر دیں تو میری والدہ میرے ساتھ کیا معاملہ کرے گی۔ اس کے چچا نے کہا کہ وہ تو تم کو ضرور جنت میں داخل کرے گی تو اس نوجوان نے کہا کہ خدا کی قسم اللہ پاک تو میری ماں سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔ پھر اس نوجوان کی روح قبض ہوگئی۔ میں اس کے چچا کے ساتھ قبر میں داخل ہوا۔ ہم نے کہا کہ اینٹیں لاؤ۔ اس کو ہم نے برابر کیا تو ایک اینٹ گر گئی۔ اس کے چچا اُچھلے اور پیچھے کو ہٹے تو میں نے کہا کہ کیا ہوا تو کہنے لگا کہ اس کی قبر تو نور سے بھری ہوئی ہے اور تاحد نگاہ کشادہ ہوگئی ہے۔

ابوداؤد وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت نجاشی کا انتقال ہوگیا تو ہم لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ ان کی قبر پر ہمیشہ نور دکھائی دیتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن عمارہ سے تاریخ ابن عساکر میں مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ احنف بن قیس کا جنازہ لایا گیا تو میں بھی قبر میں اترنے والوں میں تھا جب میں نے قبر کو برابر کرنے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ تاحد نگاہ قبر کھل چکی تھی۔ میں نے اپنے احباب وساتھیوں کو اس کی خبر دی تو جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ لوگ نہ دیکھ سکے۔ ابراہیم حنفی سے منقول ہے کہ جب ماہان حنفی کو ان کے دروازے پر سولی دی گئی تو اس جگہ ہم رات کو روشنی دیکھتے تھے۔

مزید تفصیل کے لئے "احکام تمنی الموت" کا تصحیح شدہ نسخہ دیکھو ——— مکتبہ سعودیہ، ریاض والا عبدالرحمٰن السدحان اور شیخ عبداللہ الجبرین نے اس کی تحقیق کی ہے۔ اور ان لوگوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی طرف اس نسخہ کی نسبت کی توثیق و تصحیح بھی مجموعہ کے شروع میں ذکر کی ہے۔ اور جامعۃ الامام محمد ابن سعود ریاض نے تحقیق کے بعد اس پورے مجموعہ کو شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے شیخ کا ہفتہ منانے کی مناسبت سے۔

مسئلہ شَدِّ رِحَال (سفر کی ممانعت)

بہت سے لوگ حدیثِ پاک "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ وَمَسْجِدِیْ هٰذَا وَالْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی" کے مفہوم کے سمجھنے میں غلطی کرجاتے ہیں۔ اور اس حدیث سے زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شَدِّ رحال کے حرام ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ سفر کرنا گناہ و معصیت ہے۔ یہ استدلال کلیۃً مردود ہے۔ کیونکہ باطل و غلط فہم و عقل پر مبنی ہے۔ جیسا کہ تم نے دیکھ ہی لیا کہ دونوں موضوع الگ الگ ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کا ارشادِ گرامی مذکور اہلِ لغت وغیرہ کے نزدیک مشہور و معروف طریقۂ کلام یعنی استثنار کے طریقہ پر ہے۔ اور یہ طریقۂ کلام مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ کو چاہتا ہے جو اِلَّا کے بعد مذکور ہوتا ہے اس کو مستثنیٰ کہتے ہیں۔ اور اِلَّا کے ماقبل والے کلام کو مستثنیٰ منہ کہتے ہیں اور مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ کا لفظاً، حقیقۃً یا تقدیرًا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بات نحو کی تمام کتب میں مشہور و معروف ہے۔

جب ہم اس حدیثِ پاک میں غور کرتے ہیں تو اس حدیثِ پاک میں مستثنیٰ (اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ) کی تصریح ہے اور مستثنیٰ منہ اِلَّا سے پہلے مذکور نہیں ہے۔ لہٰذا یہ مستثنیٰ منہ یقیناً مقدر ہوگا۔ اگر ہم مستثنیٰ منہ لفظِ قبر مان لیں تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہوگا "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی قَبْرٍ الخ" ظاہر ہے کہ یہ سیاق تو غیر منظم اور بلاغت نبویہ کے بالکل نامناسب ہے۔ اس صورت میں مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ میں داخل نہ ہوگا جو کہ کلام میں اصل ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ میں داخل ہوتا ہے۔ گناہوں سے اجتناب کرنے والا ہر عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسا کلام منسوب کرنے سے مطمئن نہیں ہوسکتا۔

اور اس لفظ کی نسبت کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ اور یہ تقدیر استثنار کی اصل کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتی۔ لہٰذا یہ لفظ مستثنیٰ منہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اب اس جگہ لفظ "مکان" مستثنیٰ منہ فرض کریں تو سیاق جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوگا وہ یہ ہوگا "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ

اِلٰی مَکَانٍ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ" اور معنیٰ یہ ہوں گے کہ کسی بھی تجارت و تحصیل علم وخیر کے لئے سفر مت کرو۔ یہ بھی ظاہر البطلان ہے اور یہ بھی نفس پرستی کا ایک حصہ ہے۔

پس حدیث شریف میں مستثنیٰ کا تو ذکر ہے اور مستثنیٰ منہ غیر مذکور ہے۔ اور باتفاق اہلِ لغت اس کا مقدر ہونا ضروری ہے۔ اس صورت میں صرف تین احتمال ہیں، چوتھا کوئی احتمال نہیں ہے۔

احتمالِ اول — یہ ہے کہ لفظِ قبر مقدر ہو۔ لہٰذا تقدیرِ عبارت یہ ہوگی "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی قَبْرٍ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ" یہ صورت ان لوگوں کے نزدیک ہے جو حدیثِ پاک سے زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفر کے حرام ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ اس صورت کو تو کوئی بھی سننا پسند نہیں کرتا! اور جو شخص کلامِ عرب کو سمجھنے کی تھوڑی بھی صلاحیت رکھتا ہوگا وہ اس تقدیر کو ناجائز کہیگا۔ اور پسند بھی نہیں کرے گا۔

احتمالِ دوم — یہ ہے کہ حدیثِ پاک میں مستثنیٰ منہ لفظِ عام "مکان" ہو، اور یہ بھی باطل ہے۔ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

احتمالِ سوم — یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ لفظِ "مسجد" ہو۔ اب حدیثِ پاک کی عبارت یہ ہوگی "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی مَسْجِدٍ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ" ہم نے غور کیا تو بالکل درست اور فصیح و بلیغ ہے۔ اور پہلی دونوں صورتوں میں کلام کا بے معنیٰ ہونا بھی ظاہر ہوگیا۔ اس تیسرے احتمال میں روحِ نبوت روشن ہوگئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کلام کو منسوب کرنے کے لئے ہر قلب متقی مطمئن ہوگیا اور یہ اس صورت میں ہے جب کسی بھی روایت میں مستثنیٰ منہ کی تصریح نہ پائی جائے اور جب کسی دوسری روایت میں صراحت مل جائے تو کسی بھی دیندار کے لئے حلال نہیں کہ تصریح کو چھوڑ کر فرض محض کی طرف رجوع کرے۔ اور لغتِ فصیحہ پر اعتماد نہ کرے۔ بحمد اللہ ہم کو ایسی روایات مل گئی ہیں جو کہ معتبر ہیں اور مستثنیٰ منہ صراحۃً مذکور ہے۔

الحدیث الاول:۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بطریق شہر بن حوشب روایت کیا کہ میں نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ آپ کے پاس جبلِ طور پر نماز پڑھنے کا ذکر ہو رہا تھا۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ — نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

سَلَّمَ: لَا يَنْبَغِي لِلْمَطِيِّ أَنْ يَشُدَّ رِحَالَهُ إِلَى مَسْجِدٍ تَبْتَغِي فِيهِ الصَّلَاةَ غَيْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي۔ (فتح الباری ۳/۶۵)

مسجد حرام، مسجد اقصیٰ و مسجد نبوی (میری مسجد) کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سواری پر کجاوہ نہیں باندھنا چاہیئے۔

دوسری روایت کے الفاظ کچھ مختلف ہیں جس کو حافظ ہیثمی نے روایت کیا ہے۔ اس میں بھی مسجد کی تصریح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳)

الحدیث الثانی :-

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَا خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَمَسْجِدِي خَاتَمُ مَسَاجِدِ الْأَنْبِيَاءِ أَحَقُّ الْمَسَاجِدِ أَنْ يُزَارَ وَتُشَدُّ إِلَيْهِ الرَّوَاحِلُ: اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ وَ مَسْجِدِي، صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي أَفْضَلُ مِنْ صَلٰوةٍ فِيمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ رواہ البزار (مجمع الزوائد ۴/۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد خاتم مساجد الانبیاء ہے۔ اور میری مسجد زیادہ مقدم ہے کہ اس کی طرف سواریوں کے کجاوے باندھے جائیں (سفر کیا جائے) زیارت کے لئے۔ یعنی میری مسجد کی زیارت کے لئے سفر کرنا چاہیئے مسجد حرام اور میری مسجد میری مسجد میں ایک نماز ایک ہزار درجہ فضیلت رکھتی ہے ان نمازوں سے جو مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد میں ادا کی جائیں۔

مساجد کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام نے یہ واضح کر دیا کہ ان تین مساجد کے علاوہ دوسری مساجد فضیلت میں برابر ہیں۔ ان مساجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد کی طرف سفر کرنے کی مشقت برداشت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان مساجد کی تو فضیلت مزید ہے۔

اس حدیثِ پاک کے تحت قبور داخل نہیں ہوتیں۔ قبور کو اس میں بے سوچے سمجھے داخل کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کی ایک قسم ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مطلوب ہے۔ بہت سے علماءِ کرام نے کتاب المناسک میں اس کو مستحبات میں ذکر کیا ہے۔ اور بہت سی احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ ان میں سے کچھ ہم بھی ذکر کرتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي۔ (رواہ البزار)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَا يَعْلَمُ لَهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ الطبرانی)

جو شخص میری زیارت کے لئے آئے اور اس کی غرض صرف میری زیارت ہے تو مجھ پہ حق ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي فِي مَمَاتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي۔ (رواہ الطبرانی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے حج کیا اور پھر میری قبر کی زیارت کی میرے مرنے کے بعد تو یہ شخص میری زندگی میں میری زیارت کرنے والے کی طرح ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

مَنْ زَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي كَانَ كَمَنْ زَارَ فِي حَيَاتِي۔

جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی وہ ایسا ہے جیسے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الصغير والأوسط وفيه عائشة بنت يونس، ولم أجد من ترجمها (كذا في مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات متعدد طرق سے مروی ہیں۔ بعض طرق کی دیگر بعض طرق سے تقویت ہوتی ہے۔ جیساکہ اس اصول کو علامہ مناوی نے علامہ ذہبی سے نقل کیا ہے۔ (فیض القدیر ج۔۶ ص۱۴۰)

- - - - - - - - - - - - - اور بعض علمارِ کرام نے اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اور بعض علمار کرام نے اس کی تصحیح کو نقل کیا ہے۔ جیسے علامہ سبکی، ابن السکن، عراقی، قاضی عیاض، ملّا علی قاری شارح الشفار، اور خفاجی۔ اس طرح نسیم ج ۳ ص۵۱۱ میں ہے۔ اور یہ سب کے سب حفاظِ حدیث اور قابلِ اعتماد ائمۂ کرام ہیں حضرات ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ وغیرہم کبار علمار ارکان دین زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشروعیت کے قائل ہیں۔ جیساکہ ان کے شاگردوں اور معتمد اصحاب نے اپنی کتب فقہ میں نقل کیا ہے۔ ان حضرات کا کلام احادیثِ زیارت کی صحت اور مقبول ہونے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ ضعیف حدیث عمل و فتوٰی سے مؤکد ہو جاتی ہے۔ اور ضعف زائل ہو جاتا ہے جیسا کہ اصول حدیث اور محدثین کے قواعد و ضوابط میں معروف ہے۔

علّامہ ابن تیمیہ کے نزدیک زیارتِ قبر شریف زیارتِ مسجد میں داخل ہے

زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بہت ہی نفیس رائے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لئے صرف سفر کے بدعت ہونے کے متعلق گفتگو کرنے کے بعد شیخ نے فرمایا کہ اس معترض اور اس جیسوں نے قبور انبیار کی طرف سفر کو ایک قسم کی قربت قرار دیا ہے۔

جب ان لوگوں نے دیکھا کہ علمارِ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارکہ کی زیارت کو مستحب قرار دیا ہے تو وہ لوگ دیگر قبور کی طرف بھی سفر کو مستحب گمان کرنے لگے جیساکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنا مستحب ہے۔ تو کئی طریقوں سے اس معاملہ میں وہ گمراہ ہو گئے

اوّل - قبر شریف کی طرف سفر کرنا مسجدِ نبوی ہی کی طرف سفر کرنا ہے اور یہ مستحب بالنص والاجماع ہے۔

دوم - یہ سفر تو مسجد ہی کے لئے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور بعد الموت حجرہ شریفہ کے مسجد میں شامل کئے جانے سے پہلے ہو یا بعد میں اور یہ سفر تو مسجد ہی کے لئے ہوگا۔ خواہ

قبر شریف وہاں ہو یا نہو۔ اس سفر کو صرف قبر شریف کے لئے سفر کے ساتھ تشبیہہ دینا جائز نہیں ہے۔

پھر شیخ نے فرمایا کہ مسجد کی طرف سفر کو جس کا نام زیارتِ قبر کے لئے سفر نام رکھ دیا گیا ہے۔ اس پر مسلمانوں کی جماعتوں کا اجماع ہے۔ اور باقی قبور کی زیارت کے لئے سفر کرنا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین لہم باحسان اور تبع تابعین میں سے کسی سے بھی معروف نہیں ہے۔

پھر شیخ نے فرمایا کہ مقصود یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ مسجدِ نبوی کی طرف سفر کرتے رہیں اور دیگر انبیار کرام کی قبور کی طرف سفر نہ کریں۔ جیساکہ حضرت موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کی قبور اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے معروف نہیں کہ کسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر کے لئے سفر کیا ہو باوجودیکہ وہ حضرات شام اور بیت المقدس بکثرت آتے تھے۔ اب مسجدِ نبوی کے لئے سفر کو جس کا بعض لوگوں نے زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم نام رکھ دیا ہے دیگر انبیار کی قبور کے لئے سفر کے مثل کیسے ہو سکتا ہے۔؟

پس شیخ کے کلام سے ایک بہت ہی اہم فائدہ حاصل ہوا۔ وہ یہ ہے اس بات کا تصور تو کبھی بھی نہیں کیا جا سکتا کہ زائر صرف قبر شریف کی زیارت کا ارادہ کرکے سفر کرے اور نہ تو مسجد میں داخل ہو اور نہ مسجد میں نماز پڑھے تاکہ آنے والے کو مسجد کی برکات اور نماز کے اجر و ثواب کی زیادتی اور ریاض الجنۃ کی برکات حاصل ہو جائیں۔ اس کے بالمقابل یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ زائر صرف مسجد کا ارادہ کرکے سفر کرے اور زیارت کا خیال تک نہ کرے۔ اور مواجہہ شریفہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کو سلام کرنے کے لئے کھڑا تک نہ ہو۔

آپ نے دیکھ ہی لیا کہ شیخ نے اپنی عبارت میں اس طرف اشارہ بھی کیا ہے اور فرمایا ہے (مسجد نبوی کے لئے سفر جس کا نام بعض لوگوں نے زیارت رکھا ہے الخ) اور (سفر قبر شریف کے لئے کرنا وہ تو مسجد ہی کے لئے سفر ہے) (مسجد کے لئے سفر کرنے پر تو مسلمانوں کا اجماع ہے)

یہ بہت ہی نفیس رائے ہے جس سے بہت بڑی مشکل حل ہو گئی اور ہمارے مسلمانوں کی جماعت میں فرق ہو گیا۔ اور اس وجہ سے بعض لوگ دوسرے بعض پر کفر کا فتوٰی لگا کر دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔ امام السلف شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کے مسلک کے اتباع کا ہر دعویدار ان کے مسلک پر چلے اور لوگوں کے ساتھ حسنِ ظن کا معاملہ رکھے اور عوام الناس کے لئے کوئی عذر تلاش کرے۔

تو ایک بہت بڑی جماعت دخولِ نار سے محفوظ ہو جائے گی اور دار القرار جنت میں داخل ہو جائے گی۔

عند اللہ ہم اسی کو حق سمجھتے ہیں اور ہم نے اس کی تصریح کی ہو یا نہ کی ہو، ہمارا عقیدہ یہی ہے اگر ہم میں سے کوئی کہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت یا قبر شریف کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہوں تو وہ فی الجملہ مسجد نبوی ہی کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور اگر کوئی کہے میں مسجد کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہوں تو وہ بھی فی الجملہ قبر شریف کی زیارت کا ارادہ رکھتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سفر کرنے والا مسجد یا قبر شریف کی تصریح نہیں کرتا۔ کیونکہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ کیونکہ زیارتِ قبر کے لئے سفر کرنے والا درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہے۔ حقیقۃً نہ کوئی قبر کا ارادہ کرتا ہے اور نہ کوئی اس کی طرف رُخ کرتا ہے اور ہم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ اور آپ کی زیارتِ مقدسہ کے لئے سفر کرتے ہیں۔ اور اس زیارت کے ذریعہ و وسیلہ سے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ لہذا تمام زائرین پر واجب ہے کہ اپنے الفاظ کو شبہ سے پاک کریں اور کہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں اور آپ کی زیارتِ مقدسہ کے لئے سفر کرتے ہیں۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے قبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔

حضرات علماءِ مالکیہ نے اس قول کی یہ تفسیر کی ہے کہ الفاظ کو بیان کرنے اور تعبیر میں ادب مقصود ہے۔ اور اگر زیارت قبر شریف کے لئے سفر کرنیوالے کا مقصد صرف زیارتِ قبر ہی ہوتا تو میں ریاض الجنۃ میں شدید ازدحام نہ دیکھتا اور مسجدِ نبوی کا دروازہ کھلنے کے وقت لوگوں کا ایک دوسرے سے آگے بڑھنا اور ایک دوسرے کو پیچھے کرنا اور ایک دوسرے کو مارنا نہ دیکھتا۔ حالانکہ یہ سب لوگ مسجد میں نماز پڑھنے اور ریاض الجنۃ کی طرف سبقت پر حریص ہوتے ہیں۔ اور یہ سب وہی لوگ ہیں جو محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ مقدسہ کے لئے آئے ہیں، اسی کے لئے سفر کیا ہے۔

تحقیقِ مفید

شیخ عطیہ محمد سالم قاضی مدینہ منورہ، تفسیر اضواء البیان مؤلفہ شیخ محمد امین الشنقیطی کے تکملہ میں فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ اگر شیخ الاسلام کا ان کے معاصرین کے ساتھ دوسرے مسائل میں نزاع نہ ہوتا تو اس مسئلہ کو چھیڑنے کا کوئی موقع نہ تھا لیکن چونکہ یہ مسئلہ بہت حساس تھا، اس کا تعلق محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اس لئے ان کے کلام سے نتیجہ نکال کر اس مسئلہ کو چھیڑا گیا۔ شیخ الاسلام کا کلام یہ ہے کہ سفر محض زیارت کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ سفر مسجد کے لئے ہوگا زیارت کی وجہ سے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے لیکن لوگوں نے ان کی طرف ایسی بات منسوب کر دی جو انہوں نے صراحۃً نہیں فرمائی اور اگر ان کا کلام، نہی کے بجائے نفی پر محمول کرتے تو یہ بات سب کے موافق ہو جاتی۔ کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور سلام سے منع نہیں فرمایا، بلکہ اس کو تو فضائل و قربات میں شمار کرتے ہیں۔ بس وہ اس کا التزام کرتے ہیں کہ چونکہ حدیث میں سفر مسجد کے واسطے وارد ہے تو سفر مسجد ہی کے لئے کیا جائے۔ اس میں تمام کام کئے جائیں زیارت و سلام وغیرہ جیسا کہ انہوں نے اپنی بہت سی کتب میں اس کی تصریح کی ہے۔

(شیخ عطیہ کا کلام اضواء البیان میں ج ۸ ص ۵۸۶)

اس کے بعد علامہ عطیہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے کلام کی ہماری نقل کردہ نصوص کو ذکر کیا ہے۔ اور یہ فرمایا کہ شیخ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کا کلام اس بات کی دلیل ہے کہ زیارت قبر اور مسجد میں نماز میں ربط و تعلق ہے۔ جو شخص بھی ان دونوں کے علیحدہ ہونے کا دعویٰ کرے گا وہ خلاف واقعہ کا ارتکاب کرے گا۔ جب دونوں میں ربط ثابت ہو گیا تو اختلاف ختم ہو گیا۔ اور سبب نزاع زائل ہو گیا۔

الحمد للہ رب العالمین، شیخ نے دوسرے مقام پر ص ۳۴۶ میں اس کی تصریح بھی کی ہے۔ کہ قبورِ صالحین کی زیارت کے لئے سفر کے وقت نماز کے قصر کے متعلق امام احمد کے اصحاب سے چار قول منقول ہیں منجملہ اقوال اربعہ کے تیسرا قول یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنے والا

نماز قصر کرے گا۔ (اضواء البیان ج ۸ صفحہ ۵۹)

اس کے بعد شیخ عطیہ فرماتے ہیں کہ یہ تو شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف سے غایت درجہ کی تصریح ہے۔ عام علماءِ کرام کے نزدیک زیارت اور مسجد میں واقعۃً کوئی فرق نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ جو جاہل اس کو نہ سمجھے وہ قبر شریف ہی کی طرف سفر کا ارادہ کرلے تو وہ یقیناً مسجد نبوی میں نماز بھی پڑھے گا، اس پر اس کو اجر و ثواب بھی ملے گا۔ اور منہی عنہ سے لاعلمی کی صورت میں، فعلِ منہی عنہ کے ارتکاب پر اس کو عقاب و گناہ نہ ہوگا۔ بلکہ اجر و ثواب ہی ہوگا۔ (ایضاً)

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ قبر شریف کے ارادہ سے جانے والا کسی بھی حال میں اجر و ثواب سے محروم نہیں ہے۔ پھر اس کے بارے میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ بتدع ہے یا گمراہ یا مشرک ہے۔ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور زیارت نبویّہ

حضرت امام مالک رحمہ اللہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیحد تعظیم کرنیوالے تھے۔ مدینہ منورہ میں جوتا پہن کر یا سوار ہوکر نہ چلتے تھے اور جس مٹی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے اس کی غایت تعظیم و احترام کی وجہ سے مدینہ منورہ میں قضاءِ حاجت نہ کرتے تھے۔ جب امیر المومنین المہدی مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے ہی ان کو خطاب کرکے فرمایا کہ تم اب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ہو اور دائیں بائیں ایسی قوم کے پاس سے گذر رہے ہو جو انصار و مہاجرین کی اولادیں ہیں، ان کو سلام کرو۔ کیونکہ روئے زمین پر اس وقت اہل مدینہ سے افضل کوئی قوم ہے اور نہ ہی مدینہ منورہ سے افضل کوئی جگہ ہے۔ اس نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے عرض کیا اے ابو عبداللہ! آپنے یہ بات کہاں سے فرمائی؟ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آج کے دن روئے زمین پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے علاوہ کسی اور نبی کی قبر معروف و مشہور نہیں ہے۔ اور حضرت نبی عربی محمد بن عبداللہ خاتم النبیین کی قبر مبارک ان لوگوں کے یہاں ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کی فضیلت معلوم ہوگئی۔ (کذا فی المدارک للقاضی عیاض)

مدینہ منورہ کی غایت تعظیم کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ "زُرْنَا قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کو ناپسند فرماتے تھے، اور "زُرْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کو پسند کرتے تھے کہ میں نے یا ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، بدون لفظ قبر کے استعمال کے۔ کیونکہ لفظ قبر تو مہجور ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو اور ان کو قبور مت بناؤ۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ ادب کی وجہ سے اس لفظ کو ناپسند کرتے تھے نہ کہ اصل زیارت کی وجہ سے کیونکہ زیارت تو افضل الاعمال ہے اور بہت بڑی نیکی ہے جو کہ اللہ جل شانہ تک پہنچانے والی ہے اور مشروعیت زیارت بلا اختلاف و نزاع باجماع امت ثابت ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۶۶)

علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ طواف زیارت اور زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ اس لفظ کو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا اس لفظ کے ذریعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے برابر کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ اور یہ پسند کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص الفاظ استعمال ہوں اور کہا جائے "سَلَّمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا) اور یہ بھی ہے کہ زیارت کرنا آپس میں مباح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے لئے سفر کرنا واجب ہے اور اس جگہ وجوب سے مراد مندوب و ترغیب والا وجوب ہے نہ کہ وجوب فرض۔ اور میرے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا اس لفظ کو مکروہ سمجھنا اس وجہ سے ہے کہ اس لفظ کی اضافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی طرف ہے۔ اگر کہنے والا یہ کہے کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ اس کو مکروہ خیال نہ کرتے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ بَعْدِيْ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِهِمْ مَسَاجِدَ (مشکوٰۃ …)

اے اللہ! میرے بعد میری قبر کو بت نہ بنالیا جائے کہ اسکی عبادت کی جائے۔ اللہ کا غضب ہو اس قوم پر جس نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا۔

مؤلف کہتا ہے کہ اگر مقصود کراہت زیارت ہوتی تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے کہ مرد کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ لیکن یہ فرمانا کہ "أَكْرَهُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَقُولَ" (مرد کے لئے یہ کہنے کو ناپسند کرتا ہوں) سے بہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے تعبیر کو صرف اور صرف ناپسند فرماتے تھے۔

حضرات حنابلہ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا استحباب

زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مشروع ہے۔ اور امت کے بے شمار علماء کرام، ائمہ سلف نے اس کو ذکر کیا ہے۔ خاص طور سے حنابلہ کا تذکرہ اس وجہ سے کیا ہے کہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو حنابلہ رحمہم اللہ کی طرف زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم جواز کو منسوب کرتے ہیں ورنہ تمام مذاہبِ اسلامیہ کی کتب فقہ اس مسئلہ سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر تم چاہو تو فقہ حنفی اور فقہِ مالکی کی کتب دیکھ لو۔ اور چاہو تو فقہِ شافعی و فقہِ حنبلی کی کتب دیکھ لو حتی کہ زیدی، اور جعفری کی کتب دیکھ لو۔ ان تمام کتب میں ابواب المناسک کے بعد زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا باب پاؤ گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قبر شریف کی طرف سفر

کی مشروعیت کے متعلق ائمہ سلف کا کلام

۱۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا وہ کلام جو انہوں نے مسلم شریف کی شرح کرتے ہوئے زیارت نبویہ کی سلف کے نزدیک مشروعیت کے متعلق کیا ہے، ہم اس کو ذکر کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ وَهُوَ يَأْرِزُ بَيْنَ الْمَسْجِدَيْنِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا۔ (رواہ مسلم)	اسلام ظاہر ہوا تو اجنبی تھا اور عنقریب یہ پھر اجنبی ہو جائے گا جیسا کہ بوقت ظہور تھا اور دو مسجدوں کے درمیان سمٹ جائیگا جیسا کہ سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان اول و آخر اس صفت سے متصف ہو گا۔ کیونکہ ابتداء اسلام میں ہر مخلص ایمان والا اور صحیح الاسلام شخص مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو وطن بنانے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے شوق میں اور آپ سے دین کی تعلیم حاصل کرنے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کی غرض اور نیت کر کے آ گیا۔ پھر اس کے بعد حضرات خلفاء کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں لوگ انصاف کی زندگی سیکھنے اور تمام صحابہ کرام کو مقتداء بنانے کے لئے مدینہ منورہ آئے۔ پھر ان کے بعد وقت کے روشن چراغ، ہدایت کے امام علماء کرام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں سیکھنے مدینہ منورہ آئے۔ لہٰذا ہر مومن شرح صدر کے ساتھ مدینہ منورہ کا سفر کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد ہر وقت اور ہر زمانہ میں حتی کہ ہمارے زمانہ تک کیا بلکہ قیامت تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کرنے اور مشاہد نبویہ و آثارِ صحابہ سے برکت حاصل کرنے کے لئے مومن آتے ہی رہیں گے

(ھذا کلام القاضی عیاض۔ واللہ اعلم بالصواب اھ شرح صحیح مسلم للنووی ص۱۷۷)

۲۔ **الامام الحافظ شرف الدین نووی** شارح صحیح مسلم نے اپنی کتاب (جو مناسک میں الایضاح کے نام سے مشہور و معروف ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے متعلق ایک خاص فصل قائم کی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں کہ جب حاجی یا عمرہ کرنے والا مکہ مکرمہ سے لوٹے تو اس کو مدینہ منورہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربتِ مبارکہ کی زیارت کے لئے جانا چاہیئے۔ کیونکہ زیارتِ نبویہ اہم ترین نیکی اور مشکلات کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ (انظر کلامہ ایضاً فی شرح صحیح مسلم عند الکلام علی حدیث لَا تُشَدُّ الرحال ج ۹ ص۱۰۶)

۳۔ الامام ابن حجر الہیثمی

علامہ نووی کی الایضاح کے حاشیہ میں اسی حدیث کے ذیل میں کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بزار و دارقطنی نے اپنی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔
مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا تَحْمِلُہٗ حَاجَۃٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔	جو شخص میرے پاس زیارت کے لئے آئے اور صرف میری زیارت ہی کی وجہ سے آئے کوئی دوسری غرض نہ ہو، تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ پر اس کا حق ہے کہ قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں۔ "لَا تَحْمِلُہٗ حَاجَۃٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ" کا مطلب یہ ہے کہ ان باتوں سے بچے جن کا تعلق زیارتِ نبویہ سے نہیں ہے۔ اور ان افعال کا کرنا جن کا تعلق زیارتِ نبویہ سے ہے جیسے کہ مسجدِ نبوی میں اعتکاف اور مسجدِ نبوی میں کثرتِ عبادت، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت اور اس کے علاوہ دیگر مستحبات کا اہتمام کرنا، ان کی نیت کرنا حصولِ شفاعت میں مضر نہیں ہیں۔

ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ زیارت سے تقرب الی اللہ حاصل کرنے کے ساتھ مسجد نبوی کی طرف

سفر کرنے اور مسجد میں نماز ادا کرنے کے ساتھ بھی تقرب الی اللہ کی نیت کرے۔ یہ حدیث پاک حیات اور بعد وفات بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو شامل ہے۔ اور مرد و عورت، قریب و بعید سے آنے والے کو بھی شامل ہے۔ اس حدیثِ پاک سے مسجد کے لئے سفر اور زیارت کے لئے سفر کے استحباب پر استدلال کیا گیا ہے۔ کیونکہ وسائل و اسباب بھی مقاصد ہی کا حکم رکھتے ہیں۔ ابوداؤد میں بسندِ صحیح مروی ہے کہ "جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے اور سلام کرتا ہے تو اللہ پاک میری روح مجھ پر لوٹا دیتے ہیں حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس فضیلت عظیمہ میں غور کرنا چاہیئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیاء کی طرح اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ جیسا کہ حدیث مرفوع ہے۔ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ۔ الحدیث۔ اور روحِ مبارکہ کے عَود کا مطلب یہ ہے کہ قوتِ ناطقہ اس وقت جواب کے لئے لوٹ آتی ہے۔ (الایضاح ص۴۵۵)

۴۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں حدیث شدِّ رحال کے تحت فرمایا کہ "اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ" میں مستثنیٰ منہ محذوف ہے۔ اور وہ یا تو لفظ عام مقدر مانا جائے گا تو معنی ہوں گے "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی مَکَانٍ فِیْ اَیِّ اَمْرٍ کَانَ اِلَّا لِثَلَاثَۃٍ یا مستثنیٰ منہ اس سے خاص ہوگا۔ صورتِ اُولیٰ تو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عملی صورت میں تو تجارت، صلہ رحمی اور طلب علم وغیرہ کے لئے سفر کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ لہٰذا دوسری صورت متعین ہے کہ مستثنیٰ منہ لفظ خاص ہو اور اولیٰ یہ ہے کہ وہ لفظ مقدر ہونا چاہیئے جو مستثنیٰ کے مناسب ہو اور وہ "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی مَسْجِدٍ لِلصَّلٰوۃِ فِیْہِ اِلَّا اِلَی الثَّلَاثَۃِ" ہے۔ اس سے ان لوگوں کا قول بھی باطل ہو گیا ہے جو قبر شریف و دیگر صالحین کی قبور کی زیارت کے لئے سفر کو ناجائز کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

علامہ السبکی الکبیر نے فرمایا کہ بعض لوگوں کو یہ اشتباہ ہو گیا کہ ان تین مواقع کے علاوہ جو بھی ہے اس کی زیارت کے لئے سفر بھی نہی میں داخل ہے، یہ غلطی ہے کیونکہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس ایک ہوتی ہے۔ لہٰذا حدیثِ پاک کے معنیٰ ہوئے، اس جگہ کی وجہ سے مذکورہ تین مقامات کے علاوہ ہر جگہ اور ہر مسجد کے لئے سفر ناجائز ہے۔ زیارت اور طلبِ علم وغیرہ کے لئے سفر کرنا کسی مکان کی طرف سفر کرنا

نہیں ہے بلکہ اس چیز اور ذات کے لئے سفر کرنا ہے جو اس میں داخل ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۶۶)

۵۔ علامہ کرمانی شارح بخاری رحمہ اللہ

علامہ کرمانی نے لفظ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ الخ کے تحت فرمایا ہے کہ استثنا مفرغ ہے۔ اگر تو کہے کہ تقدیر کلام "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی مَوْضِعٍ اَوْ مَکَانٍ" ہو تو پھر مستثنیٰ کے علاوہ ہر جگہ کے لئے سفر کا ناجائز ہونا لازم آئے گا۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کی زیارت کے لئے بھی سفر ناجائز ہو گا۔ کیونکہ استثناء مفرغ میں مستثنیٰ اعم العام ہوتا ہے۔

قُلْتُ۔ میں جواب میں کہوں گا کہ اعم العام سے مراد وہ ہے جو مستثنیٰ کے وصف وقوع میں مناسب ہو۔ جیسا کہ تو کہے "مَا رَاَیْتُ اِلَّا زَیْدًا"۔ اس کی تقدیر ہوگی "مَا رَاَیْتُ اَحَدًا اَوْ رَجُلًا اِلَّا زَیْدًا" نہ کہ مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اَوْ حَیَوَانًا اِلَّا زَیْدًا۔ تو یہاں پر تقدیر ہوگی لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی مَسْجِدٍ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ الخ اور اس مسئلہ پر ہمارے زمانہ میں شام میں بہت سے مناظرے ہوئے دونوں طرف سے رسائل لکھے گئے۔ اختصار کے پیش نظر ہم بیان نہیں کرتے (شرح البخاری للکرمانی ج ۷ ص ۱۲)

۶۔ الشیخ علامہ بدر الدین العینی رحمہ اللہ

علامہ عینی نے شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ قاضی ابن کج نے رافعی سے روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کی نذر مان لے تو میرے نزدیک اس نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے علاوہ کسی دوسری قبر کی زیارت کی نذر مان لے تو میرے نزدیک اس میں دونوں قول ہیں۔ قاضی عیاض اور شافعیہ میں سے ابو محمد الجوینی فرماتے ہیں کہ نہی کی وجہ سے مساجد ثلاثہ کے علاوہ کے لئے سفر کرنا حرام ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے بلکہ ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ نہ تو یہ حرام ہے اور نہ یہ مکروہ۔ اسی کو امام الحرمین اور دیگر محققین نے اختیار کیا ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ لفظ "لَا تُشَدُّ" خبر ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں کہ کسی متبرک جگہ نماز پڑھنے کی نذر مان لے تو واجب ہو جائے گا یعنی اگر مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی اور مسجد یا مقام متبرک کی نذر مان لی تو اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہے۔

جب ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی جگہ نماز پڑھنے کی نذر مان لی تو اختیار ہے کہ اس جگہ نماز پڑھ کر نذر پوری کرے یا اپنی جگہ پر نماز پڑھ لے اور اس مقام کا سفر نہ کرے۔

ہمارے شیخ زین الدین فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا صحیح محمل یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد فقط مساجد کا حکم ہے، کسی اور مسجد کے لئے سفر کرنا صحیح نہیں ہے۔ بطلب علم، تجارت، سیر و سیاحت زیارت صالحین و زیارت مشاہد اور مسلمان بھائیوں کی زیارت وغیرہ کے لئے سفر کرنا، وہ اس نہی میں داخل نہیں ہے۔ اور مسند احمد میں اس حدیث کے بعض طرق میں یہ صراحت بھی وارد ہوئی ہے۔ ... جو بطریق شہر بن حوشب حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد حرام، مسجد اقصٰی اور مسجد نبوی کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے کسی بھی نماز پڑھنے والے کے لئے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ اس روایت کی سند حسن ہے اور شہر بن حوشب کی ایک جماعت نے توثیق کی ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۵۴۴-۵۴۵ ج ۷)

۷۔ الشیخ ابو محمد بن قدامہ الحنبلی صاحب کتاب المغنی۔

علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ الحنبلی نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت مستحب ہے۔ کیونکہ دارقطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بسند روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے حج کیا پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔ اس کو سعید نے پہلے الفاظ کے ساتھ روایت کیا۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ سُلَیْمَانَ عَنْ لَیْثٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ کی روایت کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص بھی میری قبر کے پاس مجھے سلام کرتا ہے تو اللہ پاک میری روح لوٹا دیتے ہیں حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"

اگر کوئی پہلی مرتبہ حج کرتا ہے اور ملک شام کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے تو مدینہ منورہ کا راستہ اختیار نہ کرے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کوئی عارض لاحق ہو جائے اور حج چھوٹ جائے لہٰذا سب سے مختصر راستہ اختیار کرے اور کسی دوسری جگہ مشغول نہ ہو۔

عتبی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک اعرابی نے آکر کہا "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" میں نے اللہ پاک کا ارشاد

سنا ہے اگر وہ لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آجائیں اور اللہ سے مغفرت طلب کریں اور آپ
بھی ان کے لئے استغفار کریں تو وہ لوگ اللہ کو بہت توبہ قبول کرنیوالا اور رحم کرنیوالا پائیں گے۔ میں
آپ کے پاس اپنے گناہوں پر استغفار کرتا ہوا، آپ کو اپنے رب کے سامنے شفیع بناتا ہوں۔ پھر
یہ اشعار پڑھے :۔

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظُمُهُ — فَطَابَ مِنْ طِيبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْأَكَمُ

اے مدفون لوگوں میں سب سے بہتر جن کی وجہ سے میدان اور ٹیلے بہتر ہو گئے۔

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ — فِيهِ الْعَفَافُ وَفِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ

میری جان قربان اس قبر پر جس میں آپ سکونت پذیر ہیں اس میں پاکدامنی اور سخاوت و شرافت و
بزرگی ہے۔

پھر وہ اعرابی واپس لوٹ گیا اور مجھے نیند آگئی، میں سو گیا۔ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے عتبی! اس اعرابی سے مل اور خوشخبری دے کہ اللہ پاک نے اس
کی مغفرت کر دی۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۳ ص ۵۵۶)

۸۔ شیخ ابو الفرج بن قدامہ الحنبلی امام الحنابلہ وصاحب الشرح الکبیر

شیخ شمس الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن قدامہ حنبلی نے اپنی کتاب شرح کبیر میں فرمایا کہ :۔

مسئلہ۔ جب حاجی حج سے فارغ ہو جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں
ساتھیوں کی قبور کی زیارت اس کے لئے مستحب ہے۔ پھر شیخ نے وہ الفاظ ذکر کئے ہیں جو نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے وقت کہے جاتے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے "اَللّٰهُمَّ
إِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا
اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا۔ میں آپ کے پاس اپنے گناہوں
پر استغفار کرتا ہوا آپ کو اپنے رب کی بارگاہ میں شفیع بنانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اے میرے
رب! میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ میرے لئے مغفرت واجب کر دیں جیسا کہ آپ نے مغفرت
اس شخص کے لئے واجب کی جس کو آپ نے حیاتِ طیبہ عطا کی ہو۔ اے اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلا
سفارشی، کامیاب سائل اور اکرم الاولین والآخرین بنا دے۔ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

پھر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی دیوار کو چومنا مستحب نہیں ہے۔
امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم نہیں۔ علامہ اثرم فرماتے ہیں کہ میں نے علماءِ مدینہ منورہ کو دیکھا
کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو ہاتھ نہیں لگاتے بلکہ ایک طرف کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے ہیں
ابو عبد اللہ نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ طریقہ تھا۔ پھر فرمایا کہ منبر شریف کے بارے
میں صحیح وہی ہے جو ابراہیم بن عبد اللہ القاری سے مروی ہے کہ انہوں نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کو
دیکھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف پر بیٹھنے کی جگہ پر رکھا ہوا ہے پھر
اس ہاتھ کو اپنے چہرے پر رکھ لیا (الشرح الکبیر ج ۳ ص ۴۹۵)

۹۔ الشیخ منصور بن یونس البہوتی الحنبلی

شیخ نے اپنی کتاب "القناع من تن الاقناع" میں فرمایا ہے۔
فصل :۔ حاجی جب حج سے فارغ ہو جائے تو اس کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور
ان کے دونوں ساتھیوں کی قبور کی زیارت دارقطنی کی روایت کی وجہ سے مستحب ہے۔ حضرت عبد اللہ
ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج کرے اور میری
وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرے تو گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اور ایک
روایت میں ہے جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔ علامہ ابن
نصر اللہ نے فرمایا کہ زیارتِ قبر نبوی اور اس کے لئے سفر کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و
سلم کی زیارت بعد حج ہی کرے گا اور زیارت بدون سفر ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
زیارت کے لئے سفر کرنا صراحۃً مذکور ہوا۔ (کشاف القناع ج ۲ ص ۵۹۸)

۱۰۔ شیخ الاسلام محمد تقی الدین الفتوحی الحنبلی

شیخ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی قبور کی زیارت مسنون
ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی طرف منہ کر کے سلام کرے۔ پھر قبلہ کی طرف منہ کر
لے اور حجرۂ شریفہ کو بائیں طرف کرے اور دعا کرے۔ قبر شریف کا طواف حرام ہے اور قبر شریف
کو ہاتھ لگانا مکروہ ہے اور آواز اونچی کرنا بھی مکروہ ہے۔

۱۱۔ **الشیخ مرعی بن یوسف الحنبلی۔**

شیخ نے اپنی کتاب دلیل الطالب میں فرمایا کہ زیارتِ قبرِ نبوی و حضرات شیخین رضی اللہ عنہما مسنون ہے اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اور یہ ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے مسجدِ حرام میں ایک لاکھ اور مسجد اقصیٰ میں پانچ صد نمازوں کے برابر اجر و ثواب ہے۔ (دلیل الطالب ۸۵)

۱۲۔ **الامام شیخ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی صاحب القاموس**

شیخ اپنی کتاب الصلوٰۃ والبشر میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب درود شریف پڑھنا مؤکّد ہے۔ اس شرفِ عظیم و منصب کریم کے ذریعہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا مستحب ہے۔

قاضی ابن کج (یہ قاضی یوسف بن کج ہیں) نے فرمایا اور اس کو رافعی نے بھی نقل کیا ہے۔ جب کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی نذر مان لے تو میرے نزدیک ایک ہی صورت ہے کہ اس کے لئے نذر کو پورا کرنا لازم ہے۔ اور اگر کسی دوسرے کی قبر کی زیارت کی نذر مانے تو اس میں دونوں پہلو ہیں۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ نذر سے صرف عبادت ہی لازم ہوتی ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے جنہوں نے زیارت کے استحباب اور مسنون ہونے کی تصریح کی ہے۔ وہ یہ حضرات ہیں۔

علامہ رافعی نے باب اعمال الحج کے اواخر میں۔ علامہ غزالی نے الاحیاء میں۔ علامہ بغوی نے التہذیب میں۔ شیخ عز الدین بن عبد السلام نے اپنی مناسک میں۔ ابو عمرو بن الصلاح اور ابو زکریا النووی نے صراحت فرمائی ہے۔

حنابلہ میں سے علامہ موفق بن قدامہ۔ امام ابو الفرج البغدادی وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے۔ کہ زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستحب ہے۔

احناف میں سے صاحب المختار نے شرح المختار میں ایک مستقل فصل قائم کی اور زیارت کو افضل المندوبات والمستحبات میں شمار کیا ہے۔

مالکیہ میں سے قاضی عیاض نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ شیخ عبد الحق الصقلی کی کتاب تہذیب المطالب میں شیخ ابی عمران المالکی سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت واجب ہے۔ شیخ عبد الحق نے فرمایا کہ سنن واجبہ میں سے ہے۔ شرح الرسالہ میں العبدی المالکی

کے کلام میں ہے کہ زیارت قبر نبوی کے لئے پیدل سفر کرنا کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی طرف جانے سے افضل ہے۔ اصحاب مذاہب فقہاء کی بہت سی عبارات زیارت کے لئے سفر کی متقاضی ہیں۔ کیونکہ حضرات فقہاء کرام نے حاجی کے لئے حج سے فراغت کے بعد زیارتِ نبوی کو مستحب قرار دیا ہے اور زیارت کے لئے سفر کا ہونا ضروری ہے۔ نفسِ زیارت کے لئے تو بہت سی دلیلیں ہیں۔ جن میں سب سے اول اللہ پاک کا قول ہے۔ "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ" اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ آپ کی امت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ پھر شیخ نے بہت سی احادیثِ زیارت ذکر کی ہیں۔

(کتاب الصلوٰۃ والبشر فی الصلوٰۃ علی خیر البشر۔ ص ۱۴۷)

۱۳۔ **الامام الشیخ محمد بن علان الصدیقی الشافعی شارح الاذکار**

شیخ نے علامہ نووی کے قول "فَاِنَّ زِیَادَتَه اَفْضَلُ الْقُرُبَاتِ وَاَنْجَحُ الْمَسَاعِیْ" پر حاشیہ میں فرمایا کہ زیارت النبوی افضل القربات کیوں نہ ہو جب کہ زائر کے لئے وجوبِ شفاعت کا وعدہ ہے اور یہ وجوبِ شفاعت صرف اہلِ ایمان ہی کے لئے ہے۔ اس زیارت اور وجوب شفاعت میں ایمان پر خاتمہ کی بشارت ہے (زائر کا خاتمہ ایمان پر ہوگا) اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلا واسطہ زائر کا سلام سنتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے، میں اس کو سنتا ہوں اور دور سے درود پڑھنے والے کی مجھے اطلاع دی جاتی ہے قال الحافظ بینظر فی سندہ

ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ پاک میری روح مجھ پر لوٹا دیتے ہیں۔ پھر اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (حافظ نے فرمایا حدیث حسن ہے۔ امام احمد و بیہقی وغیرہ نے اس کی تخریج کی ہے)

مجھے معلوم ہوا ہے کہ شیخ سبکی نے شفاء السقام میں فرمایا کہ ائمہ کرام کی ایک جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے استحباب کے لئے اس حدیثِ پاک پر اعتماد کیا ہے۔ اور یہ اعتماد بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ زائر جب قریب سے سلام پیش کرتا ہے تو اس کو جواب دیا جاتا ہے اور یہی فضیلت مقصود و مطلوب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بنفسِ نفیس سلام کا جواب مرحمت فرمانا بہت بڑی

فضیلت ہے۔ اگر زائر کو اس خطاب کے علاوہ کوئی اور ثواب نہ ملے تو یہ بھی کافی ہے۔ چہ جائیکہ شفاعتِ عظمیٰ۔ ہزار گنا نماز کے ثواب کی زیادتی وغیرہ۔

علامہ تقی الدین السبکی نے شفاء السقام، ابن حجر الہیثمی نے الدر المنظم میں اور ان کے شاگرد الفاکہی نے حسن الاستشارة فی آداب الزیارة میں بہت سی احادیث اس موضوع پر ذکر کی ہیں۔

(الفتوحات الربّانیة علی الاذکار النوویة ج۵ ص۳۱)

سَلَف کے طریقہ کے مطابق زیارتِ نبویّہ

یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ زیارت سے مقصود وہ زیارت ہے جس کے آداب سنتِ نبویّہ نے بیان کر دئے ہیں اور زائر کو ان کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

شیخ ابن تیمیہؒ نے اہلِ توحید و اہلِ شرک کی زیارتِ نبویہ کے درمیان فرق بیان کیا ہے۔ اہلِ توحید کی زیارت میں قبورِ مسلمین کی زیارت اور میت کو سلام اور اہلِ مقابر کے لئے دعا وغیرہ ہوتی ہے نمازِ جنازہ کی طرح۔ اہلِ شرک کی زیارت میں مخلوق کو خالق کا مقام دینا اور تشبیہ دینا، اہلِ قبور کے لئے نذریں ماننا اور میت کو سجدہ کرنا، اس کو پکارنا، خالق کی طرح میت سے محبت کرنا وغیرہ ہوتا ہے اہلِ شرک نے میت کو اللہ کا شریک بنا دیا۔ رب العالمین کے برابر کر دیا ہے۔ اللہ پاک نے سورۂ آلِ عمران میں ملائکہ و انبیاء کرام کو اللہ کا شریک بنانے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ (سورۂ آلِ عمران پ۳)

کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ اللہ اسے کتاب و حکمت و نبوت سے سرفراز کرے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم میرے بندے بن جاؤ اللہ کو چھوڑ کر بلکہ وہ یوں کہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب اور جیسے کہ تم خود بھی پڑھتے تھے اُسے۔

اور سورۃ الاسراء میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ:-

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ

آپ کہہ دیجئے پکارو جن کو تم سمجھتے ہو سوائے

اللّٰهِ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا الی قوله اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝

خدا کے سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ دور کر دیں تکلیف کو تم سے یا بدل دیں۔ الی قولہ بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

(سورۃ الاسراء پ۱۵)

سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ کچھ قومیں انبیاء کو پکارتی ہیں جیسے حضرت مسیح و عزیر علیہما السلام کو اور فرشتوں کو پکارتی ہیں۔ اللہ پاک نے بتا دیا کہ یہ سب کے سب اللہ کے بندے اور مخلوق ہیں اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرنے والے اور اعمال کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے والے ہیں۔ (الجواب الباہر لشیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ ص۲۱)

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی اسی طریقہ اور سیدھے راستہ و صراطِ مستقیم کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، عرش کو اٹھانیوالے، آسمانوں اور زمین والے اس پر شاہد و گواہ ہیں کہ اپنے سردار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ وہ ایک بشر ہیں جن کی طرف وحی الٰہی کا نزول ہوا۔ اللہ کے بندوں میں سب سے افضل، اللہ کی رحمت کے امیدوار، عذاب سے ڈرنے والے، اعمال کے ذریعہ اللہ کا تقرب ڈھونڈنے والے دوسروں سے زیادہ اس پر حریص۔ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے، ہم سب سے زیادہ متقی، ہم سب سے زیادہ اللہ کی ذات کا علم و معرفت رکھنے والے ہیں۔ ہم نہ تو ان کو خالق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں، نہ ان کے لئے نذر مانتے ہیں اور نہ ان کو پکارتے ہیں اور نہ ہم ان کو اللہ کا شریک بناتے ہیں اور نہ رب العالمین کے برابر کرتے ہیں۔ اور اپنی جان و اموال و اولاد سے زیادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب رکھتے ہیں جیسا کہ ہم کو حکم دیا گیا ہے۔

زیارتِ نبویّہ کے متعلق ابن القیم کا موقف

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنے مشہور و معروف قصیدہ نونیہ میں زیارتِ نبویّہ کا طریقہ و آدابِ مطلوبہ کو بیان کیا ہے۔ نیز یہ بھی بیان کیا ہے کہ زائر کو بوقتِ زیارت کیا احساس کرنا چاہیئے اور ابیات کے آخر میں یہ بھی بیان کیا کہ زیارت کے وقت یہ کیفیت و شعور و احساس ہونا چاہیئے اور یہ افضل الاعمال ہے۔

القصيدة النونية

١- إِذَا اَتَيْنَا الْمَسْجِدَ النَّبَوِيَّ	صَلَّيْنَا التَّحِيَّةَ اَوِالْاِثْنَانِ
٢- بِتَمَامِ اَرْكَانٍ لَّهَا وَخُشُوعِهَا	وَحُضُوْرِ قَلْبٍ فِعْلِ ذِى الْاِحْسَانِ
٣- ثُمَّ انْثَنَيْنَا لِلزِّيَارَةِ نَقْصُدُ الْـ	ـقَبْرَ الشَّرِيْفَ وَلَوْ عَلَى الْاَجْفَانِ
٤- فَنَقُوْمُ دُوْنَ الْقَبْرِ وَقْفَةَ خَاضِعٍ	مُتَذَلِّلًا فِى السِّرِّ وَ الْاِعْلَانِ
٥- فَكَاَنَّهٗ فِى الْقَبْرِ حَیٌّ نَّاطِقٌ	فَالْوَاقِفُوْنَ نَوَاكِسَ الْاَذْقَانِ
٦- مَلَكَتْهُمْ تِلْكَ الْمَهَابَةُ فَاعْتَرَتْ	تِلْكَ الْقَوَآئِمَ كَثْرَةُ الرَّجْفَانِ
٧- وَتَفَجَّرَتْ تِلْكَ الْعُيُوْنُ بِمَآئِهَا	وَلَطَالَمَا غَاضَتْ عَلَى الْاَزْمَانِ
٨- وَاَتَى الْمُسَلِّمُ بِالسَّلَامِ بِهَيْبَةٍ	وَوَقَارِ ذِىْ عِلْمٍ وَّذِىْ اِيْمَانِ
٩- لَمْ يَرْفَعِ الْاَصْوَاتَ حَوْلَ ضَرِيْحِهٖ	كَلَّا وَلَمْ يَسْجُدْ عَلَى الْاَذْقَانِ
١٠- كَلَّا وَلَمْ يُرَطَآ بِفَا بِالْقَبْرِ اُسْـ	ـبُوْعًا كَاَنَّ الْقَبْرَ بَيْتٌ ثَانِ
١١- ثُمَّ انْثَنٰى بِدُعَآئِهٖ مُتَوَجِّهًا	لِلّٰهِ نَحْوَ الْبَيْتِ ذِى الْاَرْكَانِ
١٢- هٰذِىْ زِيَارَةُ مَنْ غَدَا مُتَمَسِّكًا	بِشَرِيْعَةِ الْاِسْلَامِ وَالْاِيْمَانِ
١٣- مِنْ اَفْضَلِ الْاَعْمَالِ هَاتِيْكَ الزِّ	يَارَةُ وَهِىَ يَوْمَ الْحَشْرِ فِى الْمِيْزَانِ

ترجمہ: ۱- جب ہم مسجد نبوی میں آئیں تو سب سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیں۔

۲- تمام ارکان خشوع اور حضور قلب کے ساتھ جیسا کہ احسانی کیفیت والا آدمی پڑھتا ہے۔

۳- پھر مڑے زیارت کے لئے قبر شریف کا قصد کر کے چاہے پلکوں پر چل کر جانا پڑے۔

۴- پھر قبر شریف کے ویسے کھڑے ہوئے۔ ایسا کھڑے ہوئے جیسا کہ کوئی ظاہر و باطن میں متذلل اور یکسوئی والا کھڑا ہوتا ہے۔

۵- گویا کہ آپ قبر شریف میں زندہ ہیں بول رہے ہیں۔ لہٰذا کھڑے ہونیوالے اپنی ٹھوڑیاں نیچے کر کے کھڑے ہوں (یعنی سر جھکا کر)

۶- کھڑے ہونیوالے پر آپ کی ہیبت چھا گئی تو کھڑے ہونیوالے کے پاؤں کو تھرتھراہٹ لاحق ہو گئی۔

۷- پھر زمانہ کی خشک آنکھوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔

۸- اور پھر سلام پیش کیا ہیبت و وقار کے ساتھ جیسا کہ علم اور ایمان والوں کا شیوہ ہے۔

۹- آپ کی قبر مبارک کے پاس آوازیں نہیں بلند کی جاتیں اور نہ سجدہ کیا جاتا ہے۔

۱۰- اور نہ بیت اللہ کی طرح سے آپ کی قبر کا طواف کرتے دیکھا گیا۔

۱۱- پھر زیارت سے فارغ ہو کر بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر دعا کی۔

۱۲- یہ ہے پابندِ اسلام و ایمان کی زیارت

۱۳- یہی زیارت افضل الاعمال میں سے ہے اور یہی زیارت حشر کے دن میزان حسنات میں رکھی جائے گی۔

علامہ ابن القیم رحؒ کے قصیدۂ نونیہ میں ہم کو دیکھنا چاہیئے۔ بالخصوص علامہ کے قول "مِنْ اَفْضَلِ الْاَعْمَالِ هَاتِيْكَ الزِّيَادَةُ" میں بھی غور کرنا چاہیئے۔ اللہ پاک نے بعض لوگوں کو اس لفظ کے پڑھنے سے اندھا کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ انکار کر بیٹھے۔

قبر نبوی شریف

جو لوگ قبر نبوی کو صرف قبر ہی کے زاویہ سے دیکھتے ہیں اللہ پاک ان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دے اور ان کی اصلاح کرے۔ ان لوگوں کے ذہنوں میں جو فاسد و باطل اعتراضات پیدا ہوتے ہیں

وہ کوئی انوکھے نہیں ہیں۔ زیارت نبوی کرنے والوں، قبر نبوی کے پاس دعا کرنیوالوں اور قبر نبوی کے
لئے سفر کرنیوالوں اور مسلمانوں کے متعلق جو بھی بدگمانیاں ان کے قلوب میں پیدا ہوں وہ کوئی تعجب خیز
نہیں ہے۔ تم ان لوگوں کو کہتے سنوگے کہ قبر نبوی کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے۔ قبر شریف کے پاس
کھڑے ہو کر دعا کرنا ناجائز ہے۔ بلکہ بغض وعناد کی انتہا یہ ہے کہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ قبر شریف
کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا شرک وبدعت ہے۔ اور جو شخص قبر شریف کو کعبۃ اللہ سے بھی
افضل (پوری روئے زمین سے افضل) کہے تو یہ کہنے والا کافر وگمراہ ہے۔ یہ تکفیر وتضلیل سلف
صالحین رضی اللہ عنہم کی مخالفت کی وجہ سے بے سوچے سمجھے بلا تحقیق ہے۔ قبر شریف یا زیارت
قبر شریف یا قبر کے پاس دعا کرنے۔ قبر شریف کی زیارت کے لئے سفر، اللہ پاک سے سوال کرنے وغیرہ
مسائل کے بارے میں ہم جب بھی گفتگو کرتے ہیں تو ہمارا مقصد ومطلب وہی ہوتا ہے۔ جس کے بارے
میں علمار کرام میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے اور نہ کسی کا نزاع ہے۔ ہماری مراد ومطلب یہ ہوتا
ہے کہ صاحب القبر، ساکن القبر، سید المرسلین، النبی الاکبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نہ تو قبر کی
کوئی قیمت ہے اور نہ مسجد کی کوئی فضیلت ہے۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ کی بھی کوئی فضیلت نہیں ہے
اور نہ مسلمانوں کی کوئی قدر وقیمت ہے۔

کیونکہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ورسالت پر ایمان، محبت وگواہی کا اقرار نہ ہوتا تو
ہر شے بے اصل وبے حقیقت تھی۔ پھر نہ تو صحابہ کرام کامیاب ہوتے اور نہ انسان نجات پاتے۔

جب علامہ ابن عقیل حنبلی سے حجرہ مبارکہ اور کعبۃ اللہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ افضل کونسی
جگہ ہے؟ فرمایا کہ اگر مراد صرف حجرہ ہے تو کعبۃ اللہ افضل ہے۔ اور اگر تیری مراد یہ ہے کہ محمد عربی
صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارکہ میں ہیں تو خدا کی قسم نہ کعبہ افضل ہے نہ عرش، نہ عرش کے اٹھانے والے
نہ جنت عدن نہ آسمان۔ کیونکہ حجرہ مبارکہ میں ایسا مبارک جسم ہے کہ تمام جہانوں کے مقابلہ میں وزن
کیا جائے تو حجرہ مبارکہ جھک جائے گا۔ (بدائع الفوائد لابن القیم)

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

چونکہ قبر اور اس کی فضیلت، زیارت، سفر وغیرہ سے ہمارا مقصود یہی ہے، اس لئے علمار کرام
نے فرمایا کہ "زُرْتُ الْقَبْرَ" کہنا نامناسب ہے۔ بلکہ "زُرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کہنا

مناسب ہے (الشفار للقاضی عیاض)

اور حضرت امام مالکؒ کے قول "اَكْرَهُ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّقُوْلَ زُرْنَا قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ کیونکہ زائر ایسی ذات کی زیارت کرتا ہے جو سن رہی ہے اس کو
دیکھ رہی ہے، آمد کو محسوس کر رہی ہے اور پہچان رہی ہے۔ سلام کا جواب دے رہی ہے۔ لہذا
صرف قبر کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس سے بڑھا ہوا ہے کہ اس کی طرف محض قبر ہونے کی حیثیت سے
دیکھا جائے۔ جب ہم قبر شریف کی طرف دیکھتے ہیں نہ کہ صاحب القبر کی طرف تو ایسی پاک ارواح
کو پاتے ہیں کہ انہوں نے ہر جانب سے قبر کا احاطہ کیا ہوا ہے اور ملأ اعلیٰ سے قبر نبوی تک
متصل لائن ہے۔ جن کی تعداد اللہ پاک ہی کے علم میں ہے۔

سنن دارمی میں روایت ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت
میں حاضر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے اتر کر نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کا احاطہ کرکے اپنے پروں کو مارتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر
شام تک درود شریف پڑھتے رہتے ہیں اور شام کو یہ واپس اوپر چلے جاتے ہیں پھر ان کی جگہ
دیگر ستر ہزار فرشتے اتر کر یہی عمل صبح تک کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب زمین پھٹے گی تو نبی کریم ستر ہزار
فرشتوں کے گھیرے میں نکلیں گے۔ (مسند دارمی ج ۱ ص ۴۴)

جب ہم قبر شریف پر غور کرتے ہیں تو اس کے ارد گرد "روضۃ من ریاض الجنۃ" ہے اور منبر ہے
جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر ہونے کا شرف حاصل ہے اور روز قیامت میں حوض کوثر
پر یہ منبر شریف ہوگا۔ اور درخت خرما کا وہ تنا ہے جو بچے کی طرح رویا اور قیامت کے دن جنت
کے درختوں کے مابین ہوگا۔ ایک قول کے مطابق مسجد نبوی میں اسی جگہ وہ درخت کا تنا دفن کر دیا
گیا تھا۔ کسی بھی خیر کے متلاشی اور عقلمند کے بارے میں میرا تو یہ گمان نہیں کہ وہ دعا مانگنے سے رک
جائے گا اور مقامات مقدسہ پر دعا نہ کرے گا۔

حضرات علمار کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والے کے لئے دعا کے لئے کھڑا ہونا
مستحب لکھا ہے اور اللہ پاک سے جو خیر وفضل چاہے مانگے۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا لازم
نہیں ہے۔ اور یہ کھڑا ہونا گمراہی وشرک نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض علمار کرام نے اس کی تصریح کی ہے

حتیٰ کہ بعض علمارِ کرام تو استحباب کے قائل ہیں۔ اور اس باب میں اصل تو وہی ہے جو حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ ابوجعفر منصور نے حضرت امام صاحب سے مناظرہ کیا۔ تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین اس مسجد میں آپ اپنی آواز اونچی مت کریں۔ اللہ پاک نے یہی ادب تعلیم فرمایا ہے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (اپنی آوازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچا مت کرو) اور ایک قوم کی تعریف فرمائی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ (سورۂ حجرات آیت ۳)

وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں۔

اور ایک قوم کی مذمت فرمائی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ۔ (سورۂ حجرات آیت ۴)

وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر حیات طیبہ کی طرح وفات کے بعد بھی ضروری ہے ابوجعفر نے عاجزی اختیار کرلی اور عرض کیا کہ اے ابوعبداللہ! میں قبلہ کی طرف منہ کرکے دعا کروں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رُخ کرکے؟ تو امام صاحب نے فرمایا کہ آپ کی طرف سے اپنے چہرے کو کیوں پھیرتے ہو۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن تمہارے اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں۔ بلکہ ان کی طرف رُخ کرکے شفاعت کی درخواست کرو۔ اللہ پاک ان کی شفاعت قبول فرمائیں گے۔

یہ قصہ قاضی عیاض نے "کتاب الشفار بحقوق المصطفیٰ" میں ابواب الزیارت کے ایک باب میں نقل کیا ہے۔ اور بہت سے علمار نے اس کی تصریح کی ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن وہب حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کرکے فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کرتے تو کھڑے ہوتے اور چہرہ قبر شریف کی طرف ہوتا نہ کہ قبلہ کی طرف۔ سلام عرض کرتے وقت قریب ہوتے دعا کرتے اور قبر مبارک کو اپنے ہاتھ سے مس نہ کرتے تھے۔ (اقتضار الصراط المستقیم صـ۳۹۶)

علامہ خفاجی شارح الشفار نے فرمایا کہ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب و علمار کرام نے صراحۃً لکھا ہے کہ قبر شریف پر حاضری دینا اور قبر کی طرف منہ کرنا اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا مستحب ہے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ شیخین کی خدمت میں سلام پیش کرے۔ یعنی پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام عرض کرکے واپس پہلی جگہ (مواجہہ شریفہ) کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کرے۔ (شرح الشفا للخفاجی ج ۳ صـ۳۹۸)

علّامہ ابنِ تیمیّہؒ کی رائے

اس موضوع پر علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے علمار کے اقوال نقل کرکے فرمایا کہ دعا کے وقت استقبالِ قبلہ میں تو سب کا اتفاق ہے اور دعا کے وقت قبر شریف کو اپنی کمر کی طرف کرنے میں اختلاف ہے۔ قبر شریف کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کرنے اور اللہ جل شانہ، سے اس کے فضل کے سوال کی واضح دلیل علامہ ابنِ تیمیہ کا کلام ہے۔ اگر کوئی بنظر انصاف علامہ کے کلام میں غور و خوض کریگا تو اس کا دل مطمئن ہوگا اور شرح صدر نصیب ہوگا۔ اور یہ دعا کا عمل سلف صالحین، ائمۂ کرام کے قول و فعل سے مؤید ہے۔ اطمینان قلب کے ساتھ ساتھ آنکھوں کی ٹھنڈک بھی حاصل ہوگی۔ اور یہ بشارت بھی حاصل کرے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے بعد دعا کے لئے قبر شریف کے پاس کھڑے ہونے والے لوگ ہمیشہ اہلِ ایمان و اہلِ توحید ہی رہے ہیں۔ کیونکہ سلف کے مابین جو متنازع فیہ مسئلہ ہے وہ استحباب و عدم استحباب کا ہے۔ تو یہ استحباب و عدم استحباب کے متعلق کلام شرک و گمراہی تک پہنچاتا ہے۔ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

شیخ الاسلام کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقۃً منہی عنہ قبور کے پاس تحری الدعا ہے، یا دعا کے لئے قبور کا ارادہ کرنا، قبور کے پاس دعا کی قبولیت کی امید رکھنا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ دوسری جگہوں کے مقابلہ میں قبور کے پاس دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

راستہ میں دعا کرنا یا قبور کے پاس سے گذرنے کا اتفاق ہوا پھر دعا کرلی یا کسی قبر کی زیارت کی پھر صاحبِ قبر کو سلام کرنے کے بعد اسی جگہ دعا کرلی تو اس کو قبلہ کی طرف رخ کرنا لازم نہیں ہے اور نہ اس شخص کو مشرک و مبتدع کہہ سکتے ہیں۔ اور اس سلسلہ پر شیخ کے کلام کی نصوص کافی ہیں

شیخ الاسلام "اقتضاء الصراط المستقیم ص۳۳۶" میں فرماتے ہیں کہ اس منہی عنہ میں قبور کے پاس صرف دعا کے لئے جانا داخل ہے۔ کیونکہ دعا عند القبور دیگر مواقع کے اعتبار سے دو قسم پر ہے۔

قسمِ اول کسی جگہ اتفاقی طور پر دُعا کرنا، اہتمام کے ساتھ اس مقام مخصوص پر جا کے دُعا کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ جیسے راستہ میں دعا کرنیوالا من جانب اللہ اس کا گذر قبور کے پاس سے ہوجائے یا کوئی شخص قبور کی زیارت وسلام کے بعد اللہ سے اپنے اور مردہ کے لئے اللہ پاک سے عافیت مانگے۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے تو یہ اور اس جیسی دیگر صورتیں اس منہی عنہ میں داخل نہیں ہیں۔

قسمِ ثانی یہ ہے کہ اہتمام کے ساتھ قبور کے پاس جائے دعا کا ارادہ کر کے اور یہ عقیدہ ہو کہ اس جگہ دعا زیادہ قبول ہوگی۔ یہ صورت منہی عنہ ہے اور نہی تحریمی ہوگی یا تنزیہی اور تحریمی اقرب ہے۔ اور دونوں صورتوں میں فرق بھی ظاہر ہے۔

اگر کسی بُت یا گرجے یا صلیب کے پاس دعا کی قبولیت کے عقیدے کے ساتھ ارادہ و اہتمام کرے تو یہ گناہ کبیرہ ہے بلکہ اگر کسی گھر یا بازار میں کسی شرابی کی دکان یا راستہ میں دعا کا اہتمام کرے قبولیت کی امید کے ساتھ تو یہ صورت حرام ہے کیونکہ ایسی دعا کی کوئی قدر و وقعت نہیں ہے۔ لہٰذا دعا کے لئے قبور کا ارادہ و اہتمام کرنا اسی باب میں داخل ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں تو زیادہ گناہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور کو جائے سجدہ و عید منانے اور قبور کے پاس نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

پھر شیخ نے فرمایا کہ قبولیت کی امید کے ساتھ قبور کا قصد کرنا کہ دوسری جگہ دعا قبول نہ ہوگی، اللہ و رسول نے اس کو مشروع نہیں فرمایا۔ (ایضاً ص۳۳۸)

صحابۂ کرام، تابعین، ائمۃ المسلمین رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی یہ عمل نہیں کیا۔ اور علماءِ صالحین متقدمین میں سے کسی نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا۔ پھر شیخ نے فرمایا کہ سلف کے احوال اور کتبِ آثار کے دیکھنے سے قطعی طور پر یقین ہوجاتا ہے کہ سلف صالحین قبور کے پاس نہ تو استغاثہ کرتے تھے اور نہ قبور کے پاس دعا کے ارادہ سے آتے تھے۔ اور جو لوگ جہالت و نادانی سے کرتے تھے ان کو روکتے تھے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص۳۳۹)

قبر کے نزدیک دعا شیخ محمد بن عبد الوہاب کی رائے میں نہ بدعت ہے اور نہ شرک

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ استسقاء کے بارے میں جو فقہاء کہتے ہیں کہ صالحین کا وسیلہ پکڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح امام احمد کا قول ہے کہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے توسل کیا جائے۔ حالانکہ یہی فقہاء دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ کسی مخلوق سے مدد طلب نہیں کرنی چاہیئے۔

انہوں نے جواب دیا کہ فرق بالکل ظاہر ہے اور ہماری بحث سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بعض لوگ صلحاء سے توسل کو جائز بتاتے ہیں اور بعض لوگ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کو جائز کہتے ہیں اور اکثر علماء اس کو منع کرتے ہیں اور مکروہ سمجھتے ہیں (جب یہ اختلاف ہے) تو کرنیوالے پر کوئی انکار نہ کیا جائے گا۔ اور اجتہادی مسائل میں کسی پر نکیر نہیں کرنی چاہیئے۔ لیکن ہم انکار ان لوگوں پر کرتے ہیں جو مخلوق کے لئے خالق سے بھی بڑھ کر صفات کو ثابت کرتے ہیں اور قصداً قبروں کے پاس جا کر آہ و بکا کرتے ہیں، خواہ وہ شیخ عبد القادر کی قبر کے پاس ہو یا کسی اور کے پاس اور اصحابِ قبور سے دفعِ مضرت اور مطلوبات و مرغوبات کو طلب کرتے ہیں۔ اس کا کیا جوڑ اس شخص سے جو معروف کرخی یا کسی اور کی قبر کے پاس جاتا ہے اور خالص اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہے لیکن دعا میں انبیاء و مرسلین و صالحین کا وسیلہ پکڑتا ہے۔ اس کا کیا جوڑ ہے اس شخص سے جو قبر کے پاس جا کر صاحب قبر سے مانگتا ہے۔

(مجموعہ مؤلفات شیخ محمد بن عبد الوہاب۔ القسم الثالث ص۶۸ طبع کردہ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ)

قبرِ نبوی شریف و جالی شریف کو مَس کر کے اور بوسہ لیکر تبرّک؟

زائر کے لئے مناسب نہیں ہے کہ قبر شریف کو چھوئے۔ یا جالیوں اور دیوار وغیرہ سے اپنی کمر یا پیٹ لگائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں سوءِ ادبی ہونے کی وجہ سے یہ تمام اُمور مکروہ ہیں۔ تبرک کے حاصل کرنے کا ارادہ کراہت کی نفی نہیں کرتا۔ اس کا سبب لائق ادب امور سے جہالت ہے اور عوام کے فعل سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ علماءِ کرام نے جو فرمایا ہے صواب وہی ہے۔ علامہ نووی نے الایضاح میں اس کی بھی تصریح کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے المنح والجوہر میں اس کی ترجیح پر کافی کلام کیا ہے۔ اور الاحیاء میں تو یہ ہے کہ مشاہد کو مَس کرنا، بوسہ لینا یہود و نصاریٰ کی عادت ہے۔

فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ طریقِ ہدایت کا اتباع کرو، قلّت سالکین تجھ کو کوئی ضرر نہ دے گی۔ گمراہی کے راستہ سے بچو اور کثرتِ مریدین و ہالکین سے دھوکہ مت کھاؤ۔ جس شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ہاتھ ملنے سے زیادہ تبرک حاصل ہوگا تو یہ جہالت و غفلت ہے۔ برکت صرف اور صرف شریعت کی موافقت و اتباع میں ہے اور خلاف شرع عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ (المجموع ج ۸ ص۲۷۵)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی رائے

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس کے متعلق کئی روایات منقول ہیں۔ بعض سے جواز اور بعض سے حکم میں توقف معلوم ہوتا ہے۔ بعض روایات سے منبر و قبر شریف میں فرق معلوم ہوتا ہے کہ منبر شریف کی تقبیل جائز ہے اور قبر شریف کے بارے میں اباحت یا زیادہ سے زیادہ توقف معلوم ہوتا ہے۔ جب اس درجہ کا اختلاف ہو تو ان امور کے کرنیوالے پر کفر و گمراہی اور ملت اسلامیہ سے نکلنے کا حکم ہرگز نہیں لگایا جا سکتا۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ یہ عمل مختلف فیہ ہے یا مکروہ۔ اور مقصد یہ ہے کہ لوگ اس کو عادت نہ

بنائیں اور عوام دھوکہ میں آ کر اس کو زیارت کے لوازمات نہ سمجھ لیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا کلام کافی ہے۔

خلاصۃ الوفاء میں اس کی تصریح ہے کہ عبداللہ بن احمد بن حنبل کی تالیف "کتاب العلل والسؤالات" میں ہے کہ میں نے اپنے والد سے سوال کیا کہ ایک آدمی قبر نبوی کی تقبیل و مَس کرتا ہے اور حصولِ ثواب و تبرک کے لئے منبر شریف کے ساتھ بھی یہی عمل کرتا ہے تو آپ کیا فرماتے ہیں؟

حضرت امام احمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا "لَا بَأْسَ بِهٖ" (اس میں کوئی حرج نہیں) ابوبکر الاثرم نے فرمایا کہ میں نے حضرت امام احمد علیہ الرحمۃ سے عرض کیا کہ قبر نبوی کی تقبیل و مَس کرنا کیسا ہے؟ فرمایا کہ مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ منبر شریف کے بارے میں؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں منبر کے بارے میں ایک روایت ہے جس کو علماء نے ابن فدیک سے بطریق ابی ذئب عن ابن عمر رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے کہ وہ منبر شریف پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ اور فرمایا کہ رمانہ کے بارے میں سعید بن المسیب رح سے مروی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ یحییٰ بن سعید سے نقل کرتے ہیں کہ وہ جب عراق روانہ ہونے کے لئے نکلے تو منبر شریف کے قریب آ کر ہاتھ پھیرا اور دعا کی۔ میں نے ان کو دیکھا کہ انہوں نے اس کو اچھا جانا۔ پھر فرمانے لگے کہ کسی ضرورت کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ پھر حضرت ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے عرض کیا گیا کہ لوگ اپنے پیٹ کو قبر کی دیوار سے ملتے ہیں اور میں نے مدینہ منورہ کے علماءِ کرام کو دیکھا ہے وہ تو تقبیل و مَس نہ کرتے تھے، ایک طرف کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے تھے۔ حضرت امام نے فرمایا کہ ہاں اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے منبر شریف اور منبر شریف پر بیٹھنے کی جگہ اور رمانہ پر ہاتھ ملنے کی اجازت دی ہے اور قبر نبوی پر ہاتھ ملنے کی اجازت نہیں دی اور ہمارے بعض اصحاب نے قبر نبوی کے مَس کی اجازت دی ہے۔ اور ایک روایت بھی نقل کی ہے۔ اس لئے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کسی میت کی تدفین میں شرکت فرمائی اور دعا فرماتے ہوئے ہاتھ اس کی قبر پر رکھا۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص۳۶۷) (الفروع ج ۳ ص۵۲۴)

قبر نبوی شریف شرک و بت پرستی سے محفوظ ہے

اللہ پاک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کو محفوظ فرمایا ہے۔ قبر شریف پر شرک اور محض اللہ پاک کے لئے کی جانے والی عبادات میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور کسی کے ذہن تک میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ ایک بت ہے جس کی عبادت کی جائے یا قبلہ ہے کہ عبادت کے وقت اس کی طرف رُخ کیا جائے۔ اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کا اثر ہے جس کو اللہ پاک نے قبول فرمایا ہے اور آپ کے مقصود و مطلوب کو پورا کیا ہے۔ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مؤطا امام مالک میں بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ" (اے اللہ! میری قبر کو بت (صنم) نہ بنائیے گا کہ اس کی عبادت کی جائے) جن لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو جائے سجدہ بنایا ہے ان پر اللہ کا غضب شدید ہوا۔ اللہ پاک نے دعا کو قبول فرمایا۔ الحمد للہ کسی نے بھی آپ کی قبر کو بت نہ بنایا جیسا کہ دیگر انبیاء کی قبور کے ساتھ ہوا یعنی جائے سجدہ بنایا گیا۔ اب تو حجرہ مبارکہ کی تعمیر کے بعد کوئی اندر داخل نہیں ہو سکتا اور اس سے پہلے بھی حاجب لوگ کسی کو نہ جانے دیتے تھے اور نہ کوئی نماز پڑھتا تھا اور نہ وہ افعال ہوتے تھے۔ جو دیگر قبور پر ہوتے ہیں لیکن جاہل جو حجرہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں یا بآواز بلند کلام کرتے ہیں اور منہی عنہ گفتگو کرتے ہیں وہ حجرہ سے باہر ہی کرتے ہیں۔ آپ کی قبر مبارکہ کے پاس ان افعال میں سے کوئی بھی فعل و عمل ممکن نہیں ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں لوگ ان کے پاس جایا کرتے تھے۔ اور وہ ہر منہی عنہ فعل و قول سے منع فرمایا کرتی تھیں اور آپ کی حیات کے بعد مسجد میں وہ داخل ہونے تک بند رہا۔ پھر اس حجرۂ مبارکہ کی دیوار اور دروازہ بنا دیا گیا۔ یہ سب اس لئے کیا گیا کہ گھر مبارک عید بننے اور قبر نبوی بت بننے سے محفوظ ہو جائے۔ اور یہ معلوم ہے کہ تمام اہلِ مدینہ مسلمان تھے۔ اور قبر نبوی پر صرف مسلمان ہی حاضری دیتے ہیں۔ اور تمام مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم، ادب و احترام کرنیوالے ہیں۔ اور آپ کے امتیوں کی بعض قبور دیگر بعض علاقوں میں ہیں۔ اور یہ سب اس لئے کیا کہ قبر نبوی کی توہین و عبادت نہ کی جائے۔ اور آپ کے گھر مبارک کو زیارت و عید نہ بنایا جائے اور آپ کی قبر مبارکہ پر وہ اعمال نہ ہوں جو اہل کتاب نے اپنے انبیاء کی قبور پر کئے ہیں۔ قبر مبارک تو

حجرۂ شریفہ میں ہے اس پر مقدار کثیر میں مٹی ہے۔ نہ اس پر کوئی پتھر ہے اور نہ لکڑی اور نہ مٹی کی لپائی ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سدّ الذریعہ منع فرمایا ہے جیسا کہ طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ کہ اس وقت نماز پڑھنا شرک تک نہ پہنچا دے کہ لوگ چڑھتے اور ڈوبتے سورج کی پرستش کرنے لگیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جس کو اللہ پاک نے قبول فرما لیا۔ قبر نبوی ان قبور کی طرح نہیں ہے جن کو جائے سجدہ بنایا گیا ہے اور قبر نبوی تک کسی کی بھی رسائی ممکن نہیں ہے۔ انبیاء سابقین کی امتوں نے جب بدعت اختیار کی تو اللہ پاک نے اس سے منع کرنے کے لئے دیگر انبیاء کرام مبعوث فرمائے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ اللہ تعالےٰ نے امتِ محمدیہ کو گمراہی پر جمع ہونے سے محفوظ فرما دیا اور قبر نبوی کو پرستش سے محفوظ فرما دیا۔

العیاذ باللہ اگر یہ شرک و بدعت قبر نبوی پر کی جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کیسے سچا ہو گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں نہ کوئی دوسرا نبی آکر روکے اور شرک و بدعت جاری رہیں تو مبتدعین و مشرکین کی اکثریت و غلبہ ہو گا۔ حالانکہ الصادق المصدوق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی۔ کسی کی مخالفت ان کو ضرر و نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ جو ان کو ذلیل کرے وہ بھی نقصان نہ دے سکے گا۔ لہٰذا مبتدعین کے لئے قبر نبوی کے پاس مکروہ منہی عنہ اعمال جو دیگر قبور پر کئے جاتے ہیں، کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

(الجواب الباہر لابن تیمیہ ص۱۳)

آثارِ نبویہ اور مشاہدِ دینیہ پر بار بار حاضری دینے اور تبرّک حاصل کرنے کا حکم

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس موضوع پر بہت ہی نفیس و عمدہ کلام فرمایا ہے۔ ہم اس میں سے کچھ فوائد مختصراً ذکر کرتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین نے جن مقامات میں اقامت فرمائی یا اللہ تعالیٰ کی عبادت فرمائی لیکن اس کو مسجد نہیں بنایا تو مجھے اس کے متعلق علماء کرام کے دو قول معلوم ہیں۔

قول اول تو یہ ہے کہ عبادت کے لئے کسی مخصوص جگہ جانا مستحب نہیں ہے بلکہ مکروہ و منہی عنہ ہے مگر یہ کہ عبادت کے لئے کسی جگہ جانا شریعت میں آیا ہو۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ عبادت کے لئے تشریف لے گئے ہوں۔ جیسے مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھنا، مسجد نبوی کے چند ستونوں کے پاس نماز پڑھنا غیر منہی عنہ اور غیر مکروہ بلکہ مستحب و مامور بہ ہے۔ شریعت میں اس کی اجازت ہے جیسا کہ مساجد میں نماز کے لئے جانا اور اہتمام و ارادہ کرکے صف اول کے لئے آگے بڑھنا۔

قول ثانی ہے "لَا بَأْسَ بِالْيَسِيْرِ" جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق مروی ہے۔ وہ ہر اس جگہ چلنے اور پہنچنے کی کوشش کرتے تھے جس جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے ہوں خواہ اتفاقی طور پر ہی چلے ہوں۔ علامہ سندی الخواتیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت امام احمد بن حنبل سے سوال کیا کہ جو لوگ مشاہد کا قصد و ارادہ کرکے آتے ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی روایت (کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ان کے گھر میں نماز پڑھ لیں تاکہ وہ اس جگہ کو اپنی نماز کے لئے مقرر کرلیں) اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل (ابن عمر رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر نشان کا تتبع کرتے) کی وجہ سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی ان مشاہد و آثار کے پاس جائے لیکن لوگ اس میں بہت ہی افراط و تفریط کرنے لگتے ہیں۔

اسی طرح احمد بن القاسم نے نقل کیا کہ حضرت امام سے سوال کیا گیا زیارت مدینہ منورہ و مشاہد کے لئے سفر کرنا کیسا ہے؟ فرمایا کہ ابن ام مکتوم کی حدیث (جو کہ اوپر مذکور ہوئی) اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل (کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر نشان کا تتبع کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ دیکھا گیا کہ انہوں نے ایک جگہ پیشاب کیا تو اس کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جگہ پیشاب کیا تھا) کی وجہ سے کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس کی اجازت دی۔ پھر فرمایا کہ لوگ اس میں افراط و تفریط بہت کرنے لگتے ہیں۔ پھر حضرت امام نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر اور اس کے پاس کئے جانے والے اعمال کا تذکرہ کیا (رواہما الخلال فی کتاب الادب)

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے لوگوں کی دونوں جماعتوں کے درمیان تفصیل اور فرق بیان فرمایا ہے۔ یعنی ان مشاہد پر جو لوگ عرس وغیرہ نہیں کرتے اور وہ لوگ جو عرس وغیرہ کرتے ہیں۔ اور پہلی جماعت کے لوگ کم ہیں اور دوسری جماعت کے زیادہ لوگ ہیں۔ اس تفصیل کی وجہ سے صحابہ کرام کے آثار و اقوال میں تطبیق ہوگئی۔ حضرت امام بخاری نے الجامع الصحیح میں حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ راستہ میں مختلف مقامات پر سوچ بچار کرتے اور نماز پڑھتے۔ پھر کہتے کہ ان کے والد ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس جگہ نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے نافع نے بھی یہ بیان کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ان مقامات پر نماز پڑھتے تھے اور اس صورت میں حضرت امام نے رخصت دی ہے۔

اور جس صورت کو مکروہ قرار دیا ہے وہ صورت یہ ہے۔

رَوٰی سَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ فِیْ سُنَنِہٖ عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَہٗ فِیْ حَجَّۃٍ حَجَّھَا فَقَرَأَ بِنَا فِی الْفَجْرِ بِـ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ وَ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ فِی الثَّانِیَۃِ۔ فَلَمَّا رَجَعَ

سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا کہ حضرت عمرؓ کے ساتھ وہ حج کو جا رہے تھے راستہ میں نماز فجر پڑھائی۔ پہلی رکعت میں سورۃ الفیل اور دوسری رکعت میں سورۃ قریش پڑھی۔ جب واپسی ہوئی تو دیکھا کہ لوگوں نے مسجد بنا دی تھی۔ حضرت عمرؓ

مِنْ حَجَّتِهٖ رَأَى النَّاسَ ابْتَدَرُوا الْمَسْجِدَ فَقَالَ، مَا هٰذَا؟ قَالُوْا مَسْجِدٌ صَلّٰى فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هٰكَذَا هَلَكَ اَهْلُ الْكِتَابِ قَبْلَكُمْ، اِتَّخَذُوْا اٰثَارَ اَنْبِيَاءِهِمْ بِيَعًا مَنْ عَرَضَتْ لَهٗ مِنْكُمُ الصَّلٰوةُ فِيْهِ فَلْيُصَلِّ وَمَنْ لَّمْ تَعْرَضْ لَهُ الصَّلٰوةُ فَلْيَمْضِ۔

اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ مسجد ہے اس جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی تو حضرت عمر نے فرمایا کہ تم لوگوں سے پہلے بنی اسرائیل اہلِ کتاب اسی وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو بیعہ (گرجا گھر) بنالیا۔ جس کو یہاں نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھ لے اور جس کو وقت نہ آئے آگے گذر جائے اہلِ کتاب انہی جیسی باتوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ مشاہد کی زیارت کے لئے جانے میں علماءِ کرام کا اختلاف ہے۔

علامہ محمد بن وضاح نے فرمایا کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ اور دیگر علماء مدینہ منورہ مسجد قباء کے علاوہ دیگر آثار و مشاہد کی زیارت کے لئے جانے کو مکروہ فرماتے ہیں۔ سفیان ثوری بیت المقدس میں داخل ہوئے، نماز پڑھی لیکن مشاہد و آثار کی زیارت کے لئے نہ تو گئے اور نہ نماز پڑھی ان حضرات کا مستدل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کیونکہ یہ صلوٰۃ عند المقابر کے مشابہ ہے اور یہ طریقہ قبور و آثار کو تہوار بنانے کا ذریعہ ہے اور اہلِ کتاب کے ساتھ مشابہت ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی موافقت نہیں کی اور خلفاءِ راشدین و مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم سے بھی منقول نہیں کہ وہ حضرات اہتمام کے ساتھ ان مقامات پر جاتے ہوں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول فرمایا۔

پھر فرمایا کہ علماءِ متاخرین میں سے ایک جماعت نے مشاہد و آثار کی زیارت کو مستحب قرار دیا ہے۔ اور ہمارے اصحاب میں سے بھی ایک جماعت نے ان مشاہد کی زیارت کے استحباب کو ذکر کیا ہے اور مناسک میں بہت سے مواضع شمار کرائے ہیں۔

جن صورتوں میں کوئی قول صحابی وارد ہوا ہے اس میں امام احمد بن حنبل نے رخصت فرمائی ہے۔ بشرطیکہ لوگ وقتِ موعود میں جمع نہ ہوتے ہوں اور اس کو عرس نہ بنائیں۔ جیسا کہ عورتوں کو مسجد میں جماعت سے پڑھنے کی رخصت ہے اگرچہ ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں بشرطیکہ عورتیں گھروں سے بن سنور کر نہ نکلیں اور حضرت امام نے تو اس سے جمع بین الآثار کی صورت اختیار کی ہے۔ اور ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی حدیث کو مستدل بنایا ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفۃ اصحاب الجحیم ص۳۸۷)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جو آثار و مشاہد حضرات انبیاء کرام وسلف صالحین کی طرف منسوب ہیں ان کی زیارت کے لئے جانا جائز ہے اور سنتِ نبویہ میں اس کی اصل موجود ہے اور یہ بدعت و گمراہی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس کو شرک و کفر کہا جائے۔ لیکن اس میں افراط و تفریط ہونے لگتا ہے اور لوگ بے فائدہ امور میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بہر حال شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ یہ سمجھے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ نے قلیل وکثیر میں فرق بیان کیا ہے اور تفصیل ذکر کی ہے اور کثیر مکروہ ہے اور کراہت سے زیادہ نہیں کہہ سکتے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے اس مقدارِ کثیر کو جو کراہت کا سبب ہے بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ ان مقامات کو جائے عرس بنا کر وقتِ خاص میں جمع ہوں اور محافل منعقد کریں۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے کلام سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس تفصیل سے وہ مشاہد و آثار نبویہ جہاں انبیاء کرام نے مساجد قائم کیں اور نماز ادا فرمائی، خارج ہیں۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جن مقامات پر حضرات انبیاء کرام نے نماز ادا فرمائی ہے یہ مقاماتِ مقدسہ دیگر مقامات سے ممتاز ہیں اور عبادت و نماز کے لئے قصد کیا جا سکتا ہے۔ ابتداءِ کلام میں شیخ الاسلام کا قول "لٰكِنَّهُمْ لَمْ يَتَّخِذُوْهَا مَسَاجِدَ" گذر ہی چکا۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص۳۸۹)

حدیثِ پاک میں کون سے عرس سے منع کیا گیا ہے؟

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے منہی عنہ عید کے معنی کو بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ پاک "لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا" میں جس عید سے منع فرمایا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے اس زمانہ میں قبور پر جو افعال و اعمال ہوتے ہیں بعینہ اس سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اعتیاد

کے معنی ہیں خاص جگہ کا وقتِ خاص میں اہتمام وارادہ کرکے آنا جب بھی ہر سال وہ مہینہ آئے اور یہی عید کے معنیٰ ہیں۔ اور اس کے متعلق حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا انکار ما قبل میں گذر چکا ہے کہ لوگوں نے اس میں افراط کر لیا ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر پر جو اعمال ہوتے ہیں وہ ذکر فرمائے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ انبیاءِ کرام کی قبور کو جائے عرس بنانے کو اللہ و رسول نے حرام کیا ہے۔ وقت معین میں اہتمام وقصد سے آنے اور اجتماعِ عام کو ہی اعتیاد کہتے ہیں۔ اس باب میں علماءِ اسلام میں سے کسی کا اختلاف بھی میرے علم میں نہیں۔ لوگوں کی عاداتِ کثیرہ فاسدہ سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے کیونکہ یہ اہلِ کتاب کے ساتھ مشابہت ہے۔ جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس امت میں بھی ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص۳۷۷)

بحمد اللہ ہمارا عقیدہ ومسلک وہی ہے جو شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے اور اسی کی طرف ہم لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور ہر موقع ومناسبت سے ترغیب دیتے ہیں اور ابھارتے ہیں اور لوگوں کو قبر نبوی وآثار ومشاہد نبویہ کو عید بنانے سے منع کرتے ہیں اور اس سے بھی منع کرتے ہیں کہ قبور کو کسی قسم کی عبادت کے ساتھ خاص کیا جائے اور معین دن میں جمع ہو کر محافل کے انعقاد سے منع کرتے ہیں بحمد اللہ ہمارا یہی عقیدہ ہے آج اور کل سے نہیں بلکہ خَلَفٍ عن سَلَفٍ اور ہمارے آباء واجداد سے یہی منقول ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ انصاف کی آنکھ سے ان علمی دقائق میں دیکھیں اور عقلِ سلیم سے غور وخوض کریں جو حسنِ فہم پر دلالت کرتے ہیں اور ہم کو چاہیئے کہ صرف آثارِ نبویّہ کے تتبّع اور مشاہد وآثار نبویّہ وسلفیہ کا اہتمام کرنے والوں پر فوراً کفر کا حکم نہ لگائیں اور مسلمانوں کے بارے میں ہم کو حسنِ ظن سے کام لینا چاہیئے۔

اور جاننا چاہیئے کہ مقصودِ اصلی صرف اللہ جلّ شانہٗ کی ہی ذات ہے۔ یہ سب کے سب اسباب ہیں، ان سے ایمان وقبول نصیحت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اہلِ مقامات ومشاہد سے جوڑ پیدا ہوتا ہے اور تاریخ کا علم ہوتا ہے۔ یہ لوگ انسانوں کے بہترین مقتدا ہیں۔ بصورت دیگر ان مقاماتِ مقدسہ پر جو خیرات وبرکات نازل ہوتی ہیں ان سے اعراض لازم آئے گا کیونکہ وہ مقامات اہلِ خیر سے معمور تھے ہمیشہ اللہ کی رضا وخوشنودی کے نزول کے مورد ہوتے ہیں۔ اور جن مقامات پر اہلِ شر آباد ہیں وہ اللہ کے غیظ وغضب کے نزول کے مورد ہیں۔

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو دیارِ ثمود میں داخل ہونے سے منع فرمایا اور فرمایا جب داخل ہوں روتے ہوئے داخل ہوں۔ اور اس بستی کا پانی نہ پئیں۔ بلکہ صحابۂ کرام نے جو پانی پی لیا تھا اس کو قے کرنے کا حکم دیا اور جو کھانا اس پانی سے پکا لیا تھا منع فرمایا کہ کھائیں اور وادیٔ محسّر سے جلدی جلدی گذرنے کا حکم دیا۔ یہ وادی محسّر جہنم کی وادی کے ساتھ مشہور ہے اور اس کے متعلق تفصیلی کلام "التبرک بالآثار النبویّہ" کے تحت گذر بھی چکا ہے۔

آثار ومشاہدِ نبویّہ کی حفاظت کا اہتمام

آثارِ نبویہ کی حفاظت کرنا بہت ہی اہم ہے۔ بہت بڑی وراثت ہے۔ امت کی تاریخ ہے جس پر امت فخر کرتی ہے اور ان آثار ہی کی وجہ سے امت واتیوں کا شرف وبزرگی ظاہر ہوتی ہے۔ اور امت کے لئے ان ائمہ کا شرف ظاہر ہوتا ہے جنہوں نے امت کی بڑائی کو قائم کیا اور ایسی جماعت پیش کر دی جو زندگی کے ہر شعبہ میں مقتدا بنی ہے۔ اس لئے ان آثار سے لاپرواہی گویا اصلی اسلامی تہذیب کو ختم کرنا ہے اور امور طبیعیہ کو مسخ کرنا ہے اور امت کی انتہائی قیمتی چیز پر ظلم ہے۔ ایسا کرنا امت کی پیشانی پر بدنما دھبہ ہے جس کی وجہ سے ہم بہت بڑی خیر سے محروم ہو جائیں گے جن کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ اس لاپرواہی سے یہ آثار ختم ہو جائیں گے۔ نہ ان میں سے کچھ بچے گا اور نہ کوئی ان کا جاننے والا بچے گا۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ لوگ ان مقامات ومشاہد مقدسہ پر عرس کرتے ہیں اور ان مقامات پر عبادت کرکے اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، طواف کرتے ہیں، روپے لٹاتے ہیں، جانور ذبح کرتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام امور کو نہ تو ہم پسند کرتے ہیں اور نہ اس کی موافقت کرتے ہیں۔ ہم تو لوگوں کو اس سے ڈراتے ہیں، منع کرتے ہیں کہ یہ جہالت ہے جس سے محاربہ لازم ہے کیونکہ یہ لوگ اللہ پر ایمان کے ساتھ توحید کا اقرار کرنیوالے ہیں لیکن عمل میں خطاء پر ہیں اور صحیح بات سے جاہل ہیں۔ لہٰذا ان کو صحیح بات بتانا اور سیدھا راستہ دکھانا واجب ہے لیکن بدعات کی وجہ سے مقاماتِ مقدسہ کو منہدم کرکے نشان تک ختم کر دینا صحیح نہیں ہے۔ اور ان امور کو دلیل بنا کر عذر پیش کرنا کمزور

دلیل ہے اور ناقص دلیل ہے۔ علماء وعقلاء کے نزدیک غیر مقبول ہے۔ کیونکہ ان عوارضات کا زائل کرنا ممکن ہے۔ اور امر بالمعروف، نہی عن المنکر، حکمت ومصلحت، موعظہ حسنہ اور دعوت الی اللہ کے ذریعہ ان بدعات کا ازالہ ممکن ہے۔ اور اس صورت میں ہمارے آثار بھی باقی رہیں گے، ان کی حفاظت بھی ہوگی اور امت کی تاریخ بھی محفوظ ہو جائے گی۔

آج جبکہ منکرین ان قوموں کے آثار کی حفاظت کر رہے ہیں جن پر خدا کا غضب نازل ہوا اور خدا ناراض ہوا تو کیا یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ان نیک بندوں کے آثار ومشاہد کی حفاظت کا اہتمام کریں اور بقاء کی کوشش کریں جن کے ذریعہ سے اللہ پاک نے دوسرے بندوں وبلاد کو مشرف فرمایا اور اللہ پاک نے ان بندوں کے ذریعہ امت کو عزت دی۔ اس امت کو بلند مقام عطا فرمایا کہ اس مرتبہ عظیمہ تک پہنچنے کے لئے صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم حضرت محمد بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں، ان پر ایمان لائیں اور ثابت قدم رہیں۔

انبیاء سابقین کے آثار کے متعلق قرآن کا اہتمام

اللہ پاک نے قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے اس صندوق کا ذکر فرمایا ہے جس کو طالوت کی حکومت کی صحت کی نشانی فرمایا تھا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:-

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ۔

(سورۂ بقرہ پ۲)

اور ان کے نبی نے فرمایا کہ ان (طالوت) کی بادشاہت وحکومت کی علامت یہ ہے کہ وہ تمہارے پاس وہ صندوق لے آئیں گے جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے سکینہ ہوگی اور آل موسیٰ وآل ہارون کے متروکات ہوں گے اور فرشتے اس صندوق کو اٹھائے ہوئے لائیں گے۔ اس میں تمہارے لئے بہت بڑی نشانی ہے اگر تم صاحب ایمان ہو۔

یہ صندوق بڑی شان ومرتبہ والا تھا۔ اس صندوق کو جنگوں میں آگے رکھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے وسیلہ وبرکت سے مدد فرماتے جب بھی دشمن سے مقابلہ ہوتا تو اس کو اپنے ساتھ رکھتے۔ اللہ پاک نے اس کے چند خصائص بھی ذکر فرمائے ہیں (۱) اس میں سکینہ الٰہیہ ہے (۲) آثار نبویہ ہیں۔ یہ بقیہ اشیاء آلِ موسیٰ وآلِ ہارون کی تھیں۔ موسیٰ وہارون علیہما السلام کی عصائیں تھیں اور کپڑے جوتے اور تورات کی تختیاں تھیں (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۱۳) اور اس میں سونے کی ایک طشتری تھی جس میں انبیاء کرام کے سینے دھوئے گئے تھے (البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۸)

ان آثار کی اللہ کے محبوبوں کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے اللہ پاک نے ان کی قدر ومنزلت کو زیادہ فرما دیا اور اس کی حفاظت فرمائی، اس کی رعایت فرمائی۔ جب بنی اسرائیل انبیاء کرام کی مخالفت ومعاصی کی وجہ سے مغلوب ہو گئے اور حفاظت کی اہلیت نہ رہی تو اللہ پاک نے واپس لیکر سزا دی۔ اور خود حفاظت فرمائی۔ اور پھر بنی اسرائیل کو واپس دے کر طالوت کی حکومت کی صحت کی نشانی بنایا۔

اللہ پاک نے بنی اسرائیل کو اس صندوق کی واپسی عزت وتوقیر کے ساتھ فرمائی کہ فرشتے اٹھا کر لائے۔ ان آثار کا اہتمام، حفاظت واہمیت اس سے زیادہ کیا ہوگی؟ اور عقلمند کی تنبیہ کے لئے یہ کافی ہے۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا خاتم نبویہ کی حفاظت کرنا

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی تھی اور وہ آپ کے دستِ مبارک میں رہتی تھی۔ پھر آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ ان کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ ان کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ حتیٰ کہ بعد میں بئر اریس میں گر گئی۔ اس کا نقشہ محمد رسول اللہ تھا۔ (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب خاتم الفضۃ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نسائی کی روایت میں ہے کہ وہ انگوٹھی تلاش کے باوجود نہ ملی اور ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں چھ سال رہی۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۱۳)

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بئرِ اریس مسجدِ قبار کے پاس ایک باغ کا نام ہے (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱)
مؤلف کہتا ہے کہ آج وہ کنواں بئر الخاتم کے نام سے معروف ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کے دورِ خلافت میں خاتم نبویہ اس کنوئیں میں گر گئی تھی۔ اس کے نکالنے کے لئے تین دن تک ہر ممکن طریقہ
سے جد وجہد کی گئی لیکن نہ ملی۔ (المغانم المطابۃ فی معالم طابہ للفیروز آبادی ص ۲۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نیزے مبارکہ کی حفاظت کے لئے خلفاء راشدینؓ کا اہتمام

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ غزوۂ بدر میں عبیدۃ بن
سعید بن العاص سے میں ملا وہ بالکل مسلح تھا، دونوں آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی کنیت ابوذات
الکرش تھی۔ وہ کہنے لگا کہ میں ابوذات الکرش ہوں۔ میں نے نیزے سے اس پر حملہ کیا اور اس کی آنکھ میں
مارا جس سے وہ مر گیا۔ ہشام کہتے ہیں کہ میرے علم میں ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنا
پاؤں اس پر رکھا نیزہ نکالنے کے لئے، اس پر کودا۔ اس نیزے کا ایک کونہ ٹیڑھا ہو چکا تھا۔ عروہ کہتے
ہیں کہ وہ نیزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے مانگ لیا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو دیدیا تھا۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو زبیر رضی اللہ عنہ نے وہ نیزہ لے لیا پھر حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ نے طلب کیا تو ان کو دے دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد وہ واپس
لے لیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مانگا تو ان کو دے دیا ان کے وصال کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ
نے واپس لے لیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مانگا تو ان کو دے دیا۔ حضرت عثمان رضی
اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آلِ علی رضی اللہ عنہ کے پاس آگیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے واپس مانگا
تو مل گیا اور شہادت تک انہی کے پاس رہا۔ (صحیح البخاری۔ کتاب المغازی۔ باب شہود الملائکۃ بدرًا)

حاصل قصہ یہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یوم بدر میں عبیدہ بن سعید بن العاص کو قتل کیا
اس کی آنکھوں میں نیزہ مارا وہ مر گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نیزہ عاریۃً طلب فرمایا تو ان کو دیدیا
آپ کے وصال کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے واپس لے لیا اور یہ سلسلہ حضرات خلفاء راشدین
مہدیین رضی اللہ عنہم کے ساتھ چلتا رہا۔ بعد میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس شہادت تک
رہا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۴۔ عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۰۱)

اب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ آخر اس نیزے کی اتنی چاہت وحرص کیوں تھی جبکہ نیزے تو اس سے
عمدہ عمدہ بہت تھے؟ یہ حرص وچاہت کرنے والے کون تھے؟ یہ حضرات، حضرات خلفاء راشدین مہدیین
دین کے امام وتوحید کے ارکان اور امت کے مقتدار تھے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پرنالہ کی حفاظت کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اہتمام کیونکہ یہ پرنالہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے راستہ میں حضرت
عباس رضی اللہ عنہ کا ایک پرنالہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن صاف کپڑے پہنے
ہوئے تھے۔ ادھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں دو پرندے ذبح کئے گئے۔ حضرت عمر رضی
اللہ عنہ کا جب پرنالہ کے قریب سے گذر ہوا تو اچانک پرنالہ میں خون بہا دیا گیا۔ جس سے حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑے خراب ہو گئے تو آپ نے اس کو اکھیڑنے کا حکم دیا۔ واپس تشریف لے گئے اور
کپڑے بدل کر نماز پڑھائی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ پرنالہ تو اس جگہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا
کہ تم میری کمر پر چڑھ کر اس پرنالہ کو اسی جگہ رکھ دو جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔
چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔ (کنز العمال ج ۷ ص ۶۶)

ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ نے فرمایا کہ شارعِ عام کی طرف پرنالہ کا نکالنا جائز نہیں
ہے۔ گلی کے دروازے کی طرف بھی بدوں اجازت کے نکالنا جائز نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ
وشافعی ومالک رحمہم اللہ نے فرمایا کہ شارع عام کی طرف پرنالہ وغیرہ کا نکالنا جائز ہے۔ کیونکہ حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا پرنالہ اکھڑوایا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا
کہ اس جگہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم
اس کو میری کمر پر چڑھ کر لگا دینا اور وہ جھک گئے حتی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی کمر پر
چڑھ کر وہ پرنالہ لگا دیا (المغنی لابن قدامۃ ج ۴ ص ۵۵۴)

ابن عمر رضی اللہ عنہ آثار کے اہتمام میں تنہا نہیں ہیں

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ آثارِ نبویہ کے تتبّع کے ساتھ مشہور ہو گئے تھے اور آثارِ نبویہ کی حفاظت کرتے تھے۔ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک موقع پر حضرت امام احمد بن حنبل سے سوال کیا گیا کہ زیارتِ مشاہد کے لئے سفر کرنے والے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے پھرنے کے مقامات تک کا تتبّع کرتے تھے حتیٰ کہ مروی ہے کہ آپ نے ایک جگہ پیشاب کیا۔ جب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جگہ پیشاب کیا تھا۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کو راستہ میں بہت سے مواقع میں تحری، سوچ بچار کرتے دیکھا کہ وہ ایسی جگہوں پر نماز پڑھتے ہیں اور یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے یہاں نماز پڑھی اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا۔ اور موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ نافع نے بھی مجھے ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل بیان کیا کہ وہ ایسی جگہوں پر نماز پڑھتے تھے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص۳۸۵)

لیکن ابن عمر اس عمل میں منفرد نہیں ہیں بلکہ بہت سے حضرات صحابۂ کرام اس میں شریک ہیں جیسے حضرات خلفاءِ راشدین مہدیین رضی اللہ عنہم کا عمل ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں۔ حضراتِ خلفاءِ راشدین کو ایسا طریقہ عنایت فرمایا کہ اس پر عمل سنت نبویہ ہی شمار ہوگا اور ان کی سنت وطریقہ پر عمل کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔

کیونکہ یہ حضرات حدیثِ نبوی کے سامنے نہ تو کوئی کلام کرتے ہیں اور نہ ہی اجتہاد فرماتے ہیں۔ اور تبرک بالآثار میں وہ تمام نصوص ذکر کر آئے ہیں جن کا اس بحث سے بھی پورا تعلق ہے۔ اس سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا عمل تبرک بالآثار النبویہ روزِ روشن کی طرح ثابت وظاہر وباہر ہو جاتا ہے اور آثار کی حفاظت و تبرک بالآثار دونوں کا آپس میں تعلق ہے۔ کیونکہ یہ ایک ہی اصل کی دو شاخیں ہیں جب آثارِ نبویہ کی حفاظت ہوگی تو اس سے برکت بھی حاصل کی جائے گی۔ تو گویا کہ حفاظت اصل اور تبرک

کا حصول اس کی شاخ ہے۔ پہلی بحث کا تعلق ایمان و محبت کے زیادہ مناسب ہے اور دوسری کا تاریخ و تہذیب سے مناسب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور آثارِ قدیمہ

جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبۃ اللہ کی تعمیرِ جدید کا ارادہ کیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور اس کے بارے میں مشورہ کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ رائے پیش کی کہ اس کو پورا منہدم مت کرو اور جو جگہیں قابلِ مرمت ہیں صرف ان کی ہی مرمت و اصلاح کر دو تاکہ صحیح حصہ اپنی حالت پر باقی رہے۔ اس سے ان پرانے پتھروں کی بھی حفاظت ہو جائے گی جو عہدِ اول عہدِ اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تھے۔

حضرات علماء فرماتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں بیت اللہ شریف جل گیا یعنی جب اہلِ شام نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی اور اس کے حکم سے جو بھی کچھ ہوا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ دیا تاکہ لوگ موسمِ حج پر آکر اس کو دیکھیں۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اہلِ شام کے خلاف ہو جائیں۔ پھر جب لوگ حج سے واپس چلے گئے تو ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! کعبۃ اللہ کے بارے میں مجھے مشورہ دو کہ میں اس کو از سرِ نو بناؤں یا قابلِ اصلاح حصہ کی اصلاح کر دوں۔ تو ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ قابلِ اصلاح حصہ کی اصلاح کر دو اور بیت اللہ اور پتھروں کو اسی حالت پر چھوڑ دو جس پر لوگ اسلام لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔
(صحیح مسلم، کتاب الحج - باب نقض الکعبۃ وبنائہا - شرح النووی ج ۹ - ص ۹۲-۹۴)

آثارِ نبویّہ کی حفاظت سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اہتمام

سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آثارِ نبویہ کے بارے میں بیحد غیرتمند تھے اور بہت ہی حفاظت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جب ایک درخت کے پاس اس خیال سے جمع ہوتے دیکھا کہ یہ درخت بیعت الرضوان والا درخت ہے جس کا قرآن پاک میں بھی تذکرہ ہے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بخوبی اس سے واقف تھے کہ وہ درخت غیر معروف و مشہور ہے۔ اس

کی جگہ کا بھی کسی کو علم نہیں چہ جائیکہ اس کی تعیین۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے بھی بخوبی واقف تھے کہ درخت کے نیچے بیعت الرضوان کرنیوالے بھی درخت کو نہیں پہچانتے چہ جائیکہ کوئی دوسرا جانے۔ جیساکہ صحیحین کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں بیعت الرضوان کے اگلے سال ہم لوگ آئے تو درخت کے متعلق بحث ہونے لگی اور حاضرین میں سے کسی کا بھی اس درخت کے متعلق اتفاق رائے نہ ہو سکا۔

حضرت سعید کے والد المسیب کہتے ہیں کہ میں نے وہ درخت دیکھا تھا پھر بھول گیا اور میں اس کو نہ پہچان سکا۔ طارق بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا۔ ایک قوم کے پاس سے گذرا تو لوگوں کو دیکھا ایک جگہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے کہا یہ کونسی مسجد ہے؟ لوگوں نے کہا یہ بیعت الرضوان والا درخت ہے۔ میں سعید بن المسیب کے پاس آیا اور ان کو خبر دی تو وہ فرمانے لگے۔ میرے والد بیعت الرضوان میں درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں شریک تھے اور میرے والد فرماتے ہیں کہ جب ہم اگلے سال آئے تو اس درخت کو بھول چکے تھے۔ تو کیا تم اس کو زیادہ جاننے والے ہو یا بیعت میں شریک لوگ؟ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ درخت ہی نظر نہ آیا (صحیح البخاری۔ کتاب المغازی۔ باب غزوۃ الحدیبیۃ۔ صحیح مسلم کتاب الامارۃ۔ باب استحباب متابعۃ الامام)

یعنی ایک درخت کی تعیین کے بارے میں دو آدمیوں کا اتفاق رائے نہ ہوا۔ جب کہ ایک ہی زمانہ تھا اور ایک ہی سال گذرا تھا اور بیعت الرضوان کرنے والے بکثرت حیات تھے۔ پھر اس درخت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں مدت طویلہ کے بعد پیدا ہوا اور بہت سے حاضرینِ بیعت وفات پا چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تبرک حاصل کرنے سے لوگوں کو منع کرنے کے لئے تو وہ درخت نہ کاٹا تھا۔ اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قلبِ مبارک میں اس کا خیال واقع ہوا ہو گا۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حصولِ تبرک کا عمل ثابت ہے جیساکہ ما قبل میں نیزے والی روایت اور انگوٹھی والی روایت ہم ذکر کر آئے ہیں۔ (الجامع الصحیح للبخاری۔ باب شہود الملائکۃ بدراً۔ قسطلانی کے نسخہ میں بھی ہے۔ ج ۶ صفحہ ۲۶۴)

نعال شریف کے بارے میں علمائے کرام کا اہتمام اور مباحثِ عظیمہ

جن آثارِ نبویہ کے بارے میں علمائے کرام نے بہت اہتمام کیا ہے ان میں نعلین شریفین بھی ہیں۔ بلکہ نعلین شریفین کے بارے میں بہت مفصل مباحث لکھی گئی ہیں۔ کس طرح کے تھے۔ کیا رنگ تھا۔ اس کے بارے میں بہت سی مباحث بلکہ رسالے تالیف کئے گئے ہیں لیکن تمام مباحث کا مقصود صاحب النعال ہیں۔ اور وہ نبی اعظم اور رسولِ اکرم فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اور جب ہم بڑے لوگوں کے آثار جیسے ان کے لباس اور سامان کی حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کی حفاظت میں خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتے، ان کے لئے مخصوص عجائب خانے بناتے ہیں اور اس فن کے ماہرین کو ملازم رکھتے ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار جن پر ہماری جانیں بھی قربان، ان کا تو اہتمام بہت ہی زیادہ ہونا چاہیئے۔ تو اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس راستہ میں جان و مال قربان کر دیا جائے تو یہ بہت ہی سستا سودا ہے۔

حکومتِ سعودیہ کا آثار قدیمہ کے بارے میں اہتمام

اللہ جلّ شانہ نے ہماری اس عظیم حکومت کو آثارِ قدیمہ کی حفاظت و اہتمام کے لئے توفیق بخشی تاکہ ہماری یہ عظیم میراث محفوظ رہے۔ اور اسلامی تاریخ کے یہ نشانات محفوظ ہو جائیں۔ چنانچہ حکومت نے اس کے لئے ایک مخصوص ادارہ (ادارۃ الآثار کے نام سے) قائم کیا ہے۔ اور شاہی حکمنامہ نمبر م ۲۶ مورخہ ۲۳ر ۱۳۹۲ھ[1] کے ذریعہ قوانین وضع کئے۔ اور اس سلسلہ میں خاص کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا نام (المجلس الاعلیٰ للآثار) ہے۔ وہ آثارِ قدیمہ کے بارے میں غور و فکر کرتی ہے۔ اور اس سلسلہ میں مجلس وزراء کا منشور نمبر ۲۳۵ مورخہ ۱۳۹۸/۲/۲۱ھ پاس ہو گیا ہے۔ کہ اس مجلس کا رئیس وزیر معارف ہو گا۔ اور وزارتِ داخلیۃ، وزارت مالیۃ، وزارت حج واوقاف

(۱) اس کے لئے وزارت مالیہ واقتصاد دی وطنی کا روزنامچہ متعلقہ قوانین آثار قدیمہ سنہ ۱۳۹۹ھ ملاحظہ فرمائیں۔ علوی

اور وزارۃ الاعلام اور وزارۃ الآثار کے آدمی ممبران ہوں گے۔

اس نظام میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس مجلس کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ماہرین جمع کئے جاسکیں جن کی مدد سے ادارہ آثار اپنی ذمہ داری کو کما حقہ ادا کرسکے۔

آثار کی حفاظت

نظام کی شق ۶ میں ہے کہ دائرۃ الآثار حکومت کے دوسرے اداروں کے تعاون سے آثار اور اثری جگہوں کی حفاظت کرے جیساکہ یہ بیان بھی تیار کرے گی۔ نیز اثری اشیاء اور تاریخی عمارتیں اور تاریخی مواقع اور آثار کی رجسٹریشن کے بیانات بھی تیار کرے گی۔ نیز حکومت کے نزدیک جن چیزوں کی تاریخی یا فنی حیثیت سے اہمیت ہے ان کی رجسٹریشن، ان کی حفاظت نیز ان کے بارے میں تحقیق اور ان کو عوام کے سامنے اچھے طریقہ سے پیش کرنے کا اس کے تحت اس ادارہ کو اہتمام کرنا ہے۔

مساجد و عبادت کی جگہیں مہتم بالشان آثار میں سے ہیں

قانون کی شق ۷ میں ہے کہ آثارِ قدیمہ دو طرح کے ہیں (الف) ثابتہ (ب) منقولہ۔

(الف) آثارِ ثابتہ تو وہ ہیں جو زمین سے متصل ہیں۔ جیسے قدرتی غار یا وہ غار جو پچھلے لوگوں نے اپنی حاجات کے لئے کھودے تھے اور وہ پتھر جن پر کسی نقش کی کھدائی کی گئی ہو یا انسان نے اس پر تصاویر یا نقوش بنائے ہوں یا کچھ باتیں لکھی ہوں۔ اور اسی طرح سے کھنڈرات اور ٹیلوں میں دبی ہوئی چیزیں اور وہ تاریخی عمارتیں جو مختلف اغراض کے لئے بنائی گئی ہوں جیسے مساجد اور دیگر عبادت گاہیں اور محلات و شفاخانے، قلعے، شہر کی حفاظتی دیواریں، کھیل کے میدان، حمامات قبرستان و مقابر اور مضبوط پل اور ان کے کھنڈرات اور ان عمارتوں سے متعلق اشیاء جیسے دروازے کھڑکیاں، ستون، بالاخانے، سیڑھیاں، چھت اور تاج وغیرہ۔

(ب) آثارِ منقولہ وہ ہیں جو اصلاً اس لئے بنائی گئی ہوں کہ وہ زمین یا تاریخی عمارات سے الگ ہوں اور ان کا ادھر اُدھر کرنا ممکن ہو جیسے متفرق اشیاء سے بنائی ہوئی چیزیں، ڈھالی ہوئی اشیاء منقوش، مخطوطات، بُنی ہوئی اشیاء اور ہاتھ سے بنائی ہوئی چیزیں، کسی بھی چیز سے کسی بھی غرض کے لئے بنائی گئی ہوں۔

آثار کے بارے میں بلدیہ کا موقف

قانون میں یہ بھی ہے کہ آثار میں کوئی تغیر و تبدل نہ کیا جائے خواہ عوام کی طرف سے ہو، یا بلدیہ کی طرف سے۔ شق ۱۱ میں ہے کہ خبردار کیا جاتا ہے کہ آثارِ منقولہ یا ثابتہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ یا اس میں سے کچھ کمی نہ کی جائے اور نہ کوئی نقصان پہنچایا جائے۔ اور نہ اس پر لکھ کر یا نقش و نگار بنا کر اس کا منظر خراب کیا جائے اور نہ کسی قسم کا تغیر کیا جائے۔ اسی طرح سے عوام کو خبردار کیا جاتا ہے کہ پرانی جگہوں اور رجسٹرڈ تاریخی عمارتوں پر اشتہارات اور بورڈ نہ لگائے جائیں۔ شق ۱۲ میں ہے بلدیہ کی طرف سے شہروں اور گاؤں کی خوبصورتی کے سلسلہ میں بلدیہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ آثارِ قدیمہ کا مکمل تحفظ کرے۔ اور جن علاقوں میں آثار قدیمہ ہیں وہاں ہر قسم کی پلاننگ ممنوع ہے جب تک کہ ادارہ آثارِ قدیمہ سے اجازت نامہ حاصل نہ کرلے۔ اور ادارہ آثارِ قدیمہ والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس جگہ آثارِ قدیمہ پائے جاتے ہوں ان کی حد بندی کرے اور اس کی اطلاع بلدیہ والوں کو کردے۔

اور یہ معلوم ہے کہ وہ آثار جن کے بارے میں قوانین ہیں یہ تصریح ہے کہ ان آثار میں مساجد اور عبادتگاہیں ہیں۔ اس میں بدرجۂ اولیٰ وہ آثار دینیہ داخل ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ہیں بلکہ یہی تکریم و تقدیم کے زیادہ مستحق ہیں۔ انہی پر مؤمنین کو فخر کرنا چاہیئے۔ یہی چیزیں ہیں جو بیٹوں کو باپ کی اور پچھلوں کو اگلوں کی یاد دلاتی ہیں۔

بعض فتنہ پرور لوگوں نے چاہا تھا کہ قبر شریف مسجد نبوی سے نکال کر حجرۂ نبویہ کی ہیئت بدل دیں۔ جب اس کی خبر مرحوم ملک خالد بن عبد العزیز کو ہوئی تو بہت شدید غضبناک ہوئے۔ اور بڑی

سخت دینی غیرت ان میں اُبھر آئی اور اس ناپاک رائے والے کو سخت سست کہا۔ جو لوگ اس مجلس میں موجود تھے یہ ساری باتیں سنی تھیں۔ بلکہ شاید ان میں سے بعض لوگ زندہ بھی ہوں۔

حجرۂ نبویہؐ کے متعلق شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کا فتوٰی

بعض فتنہ پردازوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب کر دیا کہ شیخ حجرۂ نبویہ کو مسجد سے نکالنے کے قائل ہیں تو شیخ نے انکار کرتے ہوئے اس سے برارت بھی کی ہے۔ چنانچہ شیخ نے اہلِ مجمعہ کے نام خط میں فرمایا ہے:۔

"اس بات کے واضح ہو جانے کے بعد جن مسائل کی وجہ سے بدنام کیا جا رہا ہے وہ تو ظاہری بہتان ہے۔ وہ مسائل یہ ہیں کہ میں مذاہبِ اربعہ کی کتب کو باطل کہتا ہوں۔ اور یہ کہ لوگ چھ سو سال سے میرے نزدیک صحیح نہج پر نہیں ہیں۔ اور یہ کہ میں مجتہد ہونے کا دعویدار ہوں، میں خارج از تقلید ہوں، علمار کے اختلاف کو میں وبال کہتا ہوں، اور متوسل بالصالحین کو کافر قرار دیتا ہوں۔ علامہ بوصیری کو میں "یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ" کہنے کی وجہ سے کافر کہتا ہوں، اور یہ کہ میں کہتا ہوں کہ اگر مجھے قبۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گرانے کی قدرت ہوتی تو میں اس کو گرا دیتا، اور مجھے کعبۃ اللہ پر قدرت ہوتی تو اس کے موجودہ میزاب کو نکال کر اس کے لئے لکڑی کا پرنالہ بنا دیتا۔ اور یہ کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کو حرام کہتا ہوں اور میں والدین کی قبور کی زیارت کا منکر ہوں، اور میں غیر اللہ کی قسم کھانیوالوں کو کافر کہتا ہوں۔ یہ بارہ مسائل ہیں۔ ان کے بارے میں میرا جواب۔
"سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ" ہے۔ فقط"

رسائل شخصیہ۔ القسم الخامس
ص ۶۳، الدرالسنیۃ ج ۱ ص ۵۲

گنبدِ خضرار کے بارے میں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی رائے

بعض لوگوں نے گنبدِ خضرار کو منہدم کرنے کا قول بھی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب کیا ہے لیکن شیخ نے پوری قوت سے نفی کرتے ہوئے برارت فرمائی ہے اور اپنے رسائل میں بہت سی جگہوں پر اس قول کی نسبت کا سختی سے انکار کیا ہے۔

سب سے پہلے تو اہلِ قصیم کو جو خط بھیجا ہے اس میں شیخ فرماتے ہیں کہ میں یہ عقیدہ مختصراً اس حال میں لکھ رہا ہوں کہ میں مشغول البال ہوں، اور میری رائے پر تم مطلع ہو جاؤ۔ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ پھر تم سے یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلیمان بن سحیم کا خط تم کو ملا ہے۔ اور بعض علم کے دعویداروں نے اس کی تصدیق بھی کی ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس شخص نے ایسے امور کا الزام لگایا ہے جو میں نے نہیں کہیں بلکہ ان میں سے اکثر کا تو مجھے خیال بھی نہ آیا۔

منجملہ ان اعتراضات کے یہ ہے کہ میں مذاہبِ اربعہ کی کتب کو باطل قرار دیتا ہوں۔ اور یہ کہ یہ لوگ میرے نزدیک چھ سو سال سے صحیح نہج پر نہیں ہیں اور یہ کہ میں مجتہد ہونے کا دعویدار ہوں۔ اختلافِ علمارِ کرام کو وبال کہتا ہوں۔ متوسل بالصالحین کی تکفیر کرتا ہوں۔ علامہ بوصیری کی "یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ" کہنے کی وجہ سے تکفیر کرتا ہوں، اگر مجھے قبۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منہدم کرنے کی قدرت ہوتی تو منہدم کر دیتا۔ کعبۃ اللہ پر مجھے قدرت ہوتی تو اس کے موجودہ میزاب کو نکال کر اس کے لئے لکڑی کا میزاب (پرنالہ) لگاتا، زیارتِ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حرام کہتا ہوں، والدین کی قبر کی زیارت کا منکر ہوں، غیر اللہ کی قسم کھانے والے کی تکفیر کرتا ہوں، ابن الفارض اور ابن العربی کی میں نے تکفیر کی ہے، دلائل الخیرات کو میں نے جلایا ہے، اور روض الریاحین کا نام میں نے روض الشیاطین رکھا ہے۔

ان تمام مسائل میں میرا ایک ہی جواب ہے۔ "سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ"۔[1]

دوسری جگہ اہلِ عراق کے نام خط ہے۔ یہ وہ خط ہے جو شیخ نے عراق کے ایک عالم شیخ سویدی کو بھیجا تھا۔ اس سے پہلے سویدی نے ان کو ایک خط بھیج کر ان کی طرف منسوب شدہ امور کی وضاحت

---

(۱) مجموعہ مؤلفات الشیخ۔ قسم خامس رسائل شخصیہ۔ ص ۱۲، الدرالسنیۃ ج ۱ ص ۲۵

دریافت کی تھی تو شیخ نے اس خط کا جواب دیا اور ان تمام الزامات کی تردید و تکذیب کی۔ اور فرمایا کہ عقلمند آدمی تو جھوٹے الزامات نقل کرنے سے شرماتا ہے چہ جائیکہ وہ خود الزام تراشی کرے۔ جیسے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ میں اپنے متبعین کے سوا سب کی تکفیر کرتا ہوں اور میرا دعویٰ ہے کہ ان سب کے نکاح غیر صحیح ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ کیا یہ بات کسی عقلمند کی عقل میں آسکتی ہے۔ اور کیا ایک مسلمان یا کافر یا عارف یا مجنون بھی یہ بات کہہ سکتا ہے۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ میں قبۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منہدم کرنے کی قدرت رکھتا تو منہدم کر دیتا۔ اور دلائل الخیرات کا مسئلہ یہ ہے کہ میری نصیحت قبول کرنے والے میرے ساتھیوں کے دل میں کتاب اللہ سے زیادہ اس کی تعظیم نہیں ہونی چاہیئے۔ اور تلاوتِ قرآن سے زیادہ اس کی تلاوت کے ثواب کا خیال نہ آنا چاہیئے اور دلائل الخیرات کو نذرِ آتش کرنا اور نبی کریم فداہ روحی، ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف سے منع کرنا وغیرہ یہ تمام بہتان عظیم ہیں۔ (مجموعۃ المؤلفات للشیخ۔ القسم الخامس رسائل شخصیہ ص۳۷، الدرالسنیہ الجزء الاول ص۵۴)

شیخ کا یہ موقف بالکل صحیح اور حکمت سے پُر ہے۔ اور یہ ایسا شرعی طریقہ ہے جس سے ان علماء کرام و مرشدین و مشائخ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر و وعظ و تلقین میں مزین ہونا چاہیئے۔ الزام تراشی کرنیوالوں کے دعوؤں اور فتنہ پردازوں کے اقوال کی نفی اور تردید کا شیخ کو بہت اہتمام تھا۔ ان فتنہ پردازوں نے ان قابلِ اعتراض اقوال اور رسوا کرنیوالی آراء کو شیخ کی طرف منسوب کیا ہے۔ بس تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ مسئلہ کے خطرناک ہونے کی وجہ سے بہت سے مواضع پر شیخ نے انکار کیا ہے۔ کیونکہ اس سے بہت سے شرور و فتن پھیلتے ہیں جن سے ہم مستغنی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں وہ لوگ کہاں ہیں جو تنگی ... کے شکار ہیں۔ ان کو گنبدِ خضراء کے مسئلہ کے سوا کوئی دوسرا مسئلہ نہیں ملتا کہ بحث کریں۔ کتنا کم عقل ہے وہ شخص جس کا منتہائے علم یہی بحث ہے اور کتنا جاہل ہے۔

جلالۃ الملک فہد بن عبد العزیز کے عہد میں آثارِ نبویّہ کی حفاظت کا اہتمام

اللہ پاک اس ملک صالح پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ اور ان کے اس موقف کو اللہ پاک اپنے پاس آخرت میں ذخیرہ بنائے۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس کام کو آسان بنائے جس کی وجہ

سے قیامت کے میدان میں ان کی شفاعت نصیب ہو اور اللہ پاک ان کے خلیفہ ملک فہد کی عمر میں برکت دے اور دین کو مدد پہنچائے اور ان کے ذریعہ سے اس دیار و آثار اور ان کی رعایا کو محفوظ رکھے۔

آمین یارب العالمین بجاہ النبی الکریم۔

آثارِ نبویّہ کی حفاظت کے بارے میں ملک فہد بن عبد العزیز کا موقف

یہ موقف اس قابل ہے کہ تاریخ میں اس کو محفوظ کیا جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسجد قباء کی توسیع کا نقشہ ملک فہد نے دیکھا تو دیکھا کہ اس کی وجہ سے پرانے آثارِ مسجد ختم ہو جائیں گے تو انہوں نے حکم دیدیا کہ اس نقشہ کو ختم کر دیا جائے اور نئے سرے سے اس طرح نقشہ بنایا جائے کہ منبر و محراب کے پرانے آثار باقی رہیں بایں طور کہ مسجد کے دونوں جانب اور پچھلے حصہ کی طرف توسیع ہو تاکہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کو مسجد کی اصلی جگہ اور آثار نبویہ شریفہ معلوم رہیں۔ اور ملک نے یہ بھی فرمایا کہ خیر یہ ہے کہ مسجد میں زیادتی کی جائے اور اس کو زائل نہ کیا جائے۔

ملک کے اس عظیم موقف کا ہمارے دلوں پر بڑا اثر ہے۔ کیونکہ اس میں آثار اسلامیہ قدیمہ کی محافظت کی طرف اشارہ ہے۔ اس قصہ کو سعودی اخبارات مثلاً المدینہ، الندوہ نے بروز ہفتہ مورخہ ۱۷ صفر ۱۴۰۵ھ میں مفصل شائع کیا ہے۔

اجتماع کا مفہوم

ہم اہلِ عرب کی عادت یہ ہے کہ بعض مناسباتِ تاریخیہ کی یادگار کو باقی رکھنے کے لئے اجتماع کرتے ہیں مثلاً مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسراء اور معراج کا ذکر اور ۱۵ شعبان کی رات اور ہجرت نبویہ، نزولِ قرآن و غزوۂ بدر وغیرہ کا ذکر۔ اور ہمارے ذہنوں میں یہ ہے کہ یہ ایک عام چیز ہے اور دین سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہے لہٰذا اس کو مشروع یا سنت نہیں کہہ سکتے۔ اور اصول دین میں سے کسی اصل کے معارض بھی نہیں ہے۔ کیونکہ خطرہ تو اس میں ہے کسی امر غیر مشروع کو مشروع سمجھ لیا جائے۔

اور میرے نزدیک اس جیسے رواجی امور کو اس سے زیادہ نہیں کہا جاسکتا کہ شارع کے نزدیک مبغوض ہے یا محبوب۔ اور یہ چیز سب کے نزدیک میری رائے میں متفق علیہ ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ اجتماعات متفق علیہا تاریخ میں تو ہوتے نہیں کیونکہ لوگوں کی عادت یہ ہے کہ اسراء اور معراج کی یادگار ۲۷ رجب کو مناتے ہیں۔ اور مولد النبی ۱۲ ربیع الاول کی رات کو مناتے ہیں۔ حالانکہ ان تاریخوں میں علماء کا اختلاف ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ تعیینِ وقت پر اتفاق یا عدم اتفاق اس معاملہ میں کچھ مؤثر نہیں کیونکہ ان چیزوں کے کسی مخصوص وقت میں مشروعیت کے تو قائل ہی نہیں بلکہ ہم نے جیسے کہ پہلے بھی ذکر کیا یہ تو ایک عادی چیز ہے۔ اور اصل چیز تو ہم اجتماع کو غنیمت سمجھتے ہیں تاکہ اس میں لوگوں کو دین کی بات بتائی جائے تو اس رات میں لوگ خوب جمع ہوتے ہیں۔ اس سے بحث نہیں کہ صحیح تاریخ میں جمع ہوں یا غلط تاریخ میں محض اللہ کی یاد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں جمع ہونا ہی اللہ جل شانہٗ کی رحمت اور فضل کے استحقاق کے لئے کافی ہے۔

اور میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ لوگوں کا اس طرح سے خالصاً لوجہ اللہ جمع ہونا اللہ کے نزدیک مقبول ہے خواہ متفق علیہ تاریخ میں نہ ہو۔ ذہن سے قریب کرنے کے لئے ہم ایک مثال آپ کو بتاتے ہیں۔ ایک آدمی دعوتِ ولیمہ کے لئے ایک معین وقت پر لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ کچھ لوگ تو وقتِ معین پر آجاتے ہیں اور کچھ لوگ دوسرے وقت پر آتے ہیں تو آپ کا کیا خیال ہے کہ صاحبِ ولیمہ ایسے لوگوں کو واپس کردے گا اور یہ کہے گا کہ میں نے تو اس وقت نہیں بلایا۔ فوراً واپس چلے جاؤ یا ان کا شکریہ ادا کرکے بٹھائے گا۔ اور اگر وقت معین سے قبل آگئے ہیں تو ان سے درخواست کرے گا کہ فلاں وقت ہے اس وقت تشریف لائیے؟ میرے ذہن میں تو یہی ہے کہ ایسا ہی کرے گا اور اللہ جلّ شانہٗ کے فضل وکرم کے لائق بھی یہی ہے۔

اور ہم بھی جب معراج یا مولد نبوی یا اور کسی یادگار کے لئے جمع ہوتے ہیں تو ہم تعیین وقت کے پیچھے نہیں پڑتے کیونکہ اگر واقعۃً اور نفس الامر میں اس تاریخ کے موافق ہوا تو الحمد للہ اور اگر موافق نہ ہوا تو اللہ جلّ شانہٗ اپنے فضل سے ہم کو مردود نہیں کریں گے۔ اور ہم پر اپنی رحمت کے دروازے بند نہیں کریں گے۔

لہذا اس اجتماع کی فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس کو دعا وتوجہ الی اللہ میں مشغول کرنا اور اللہ جل شانہٗ کی خیرات وبرکات کا امیدوار ہونا میرے نزدیک نفسِ یادگار منانے سے بڑا فائدہ ہے اور اس اجتماع کو غنیمت سمجھ کر لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنا ان کو خیر کی طرف دعوت دینا روکنے سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ مشاہدہ یہ ہے کہ اس روکنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ روکنے سے لوگوں کی توجہ اور زیادہ ہوجاتی ہے۔ اور گویا روکنے والا بے خبری میں ان چیزوں کی طرف داعی بن جاتا ہے عقلمند دعوت وفکر والے تو تمنا کرتے ہیں کہ اس طرح کے اجتماع کا ان کو موقع ملے تو اس میں اپنی دعوت اور افکار کو رائج کریں اور لوگوں کو اپنا بنائیں۔ اسی وجہ سے یہ لوگ ایسے باغات و مجالس اور عام جگہوں کے قرب وجوار میں منڈلاتے رہتے ہیں تاکہ ان کو اپنی طرف کریں۔ ہم بھی دیکھتے ہیں کہ امت بہت سے یادگار مواقع پر جمع ہوتی ہے تو بڑی رغبت سے جمع ہوتی ہے تو اس میں ہماری ذمہ داری کیا ہے؟

اس قسم کے اجتماع کے حکم کے بارے میں مناظرہ ومجادلہ وانکار میں مشغول ہونا وقت ضائع کرنا ہے بلکہ حماقت وجہالت ہے۔ کیونکہ ہم بہت بڑا خزانہ ضائع کررہے ہیں اور ایسی فرصت کھو رہے ہیں جو اس جیسے اجتماعات کے علاوہ کہیں اور نہیں مل سکتی۔ لہذا ہم کو اس طرح کے بڑے اجتماعات کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔

مولد النبوی کا مفہوم

جس مولد نبوی کی طرف ہم لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور اس کے انعقاد پر لوگوں کو ابھارتے ہیں اس کی حقیقت سمجھنے میں بہت سے لوگ خطا کرتے ہیں اور اس کے غلط تصورات اپنے ذہنوں میں قائم کرکے لمبے چوڑے مسائل اور مباحث کی بنیاد رکھتے ہیں جس سے اپنے اوقات کو بھی ضائع کرتے ہیں اور مخاطبین کے اوقات کو بھی ضائع کرتے ہیں۔ حالانکہ ان مسائل کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ان کی بنیاد ہی غلط ہوتی ہے۔
مولد نبوی کے بارے میں ہم بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور ریڈیو سے اور عام اجتماعات میں بھی اس کو

بار بار بیان کر چکے ہیں جس سے ہمارے نزدیک مولد نبوی کا مفہوم خوب واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ ہم اب بھی کہتے ہیں اور پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ مولد نبوی کے لئے اجتماع یہ عادی امر ہے۔ یہ عبادت نہیں ہے۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی جو بھی تصور کرتا ہے تو وہ کرتا رہے کیونکہ ہر انسان اپنے عقیدہ اور اپنے حال کو زیادہ جانتا ہے دوسرے کو اس کی خبر نہیں

اور ہم ہر محفل و اجتماع اور مناسبت سے کہتے رہتے ہیں کہ یہ اجتماع عادی چیز ہے عبادت نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی کسی کے اعتراض و انکار کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے لیکن بڑی مصیبت ناسمجھی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے "کہ جب میں نے کسی عالم سے مناظرہ کیا تو غالب میں آیا اور جب کسی جاہل سے کیا تو وہ مجھ پر غالب آگیا "

ایک ادنیٰ طالب علم بھی عادت و عبادت میں فرق کو جانتا ہے اور دونوں کی حقیقتوں کو پہچانتا ہے۔ اگر کوئی یوں کہے کہ یہ تو عبادت ہے تو ہم کہیں گے کہ دلیل لاؤ۔ اور اگر یوں کہے کہ عادت ہے تو پھر ہم کہیں گے کہ جو چاہے کرتے رہو۔ کیونکہ خطرہ و مصیبت جس سے ہم ڈرتے ہیں وہ تو یہ ہے کہ غیر مشروع مبتدع فعل کو عبادت کا جامہ پہنا دیا جائے اور ہم اس کو پسند نہیں کرتے بلکہ اس کے خلاف تو ہم جنگ کرتے ہیں اور اس سے لوگوں کو ڈراتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ مولد نبوی کے لئے جمع ہونا ایک عادی چیز ہے لیکن اچھی اور نیک عادات میں سے ہے۔ جس میں لوگوں کے لئے بہت سے منافع اور فوائد ہیں۔ جن میں سے ہر ایک شرعاً مطلوب ہے۔ انہی فاسد خیالات میں سے جو بعض لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم عام دنوں کو چھوڑ کر خاص اوقات میں محفل میلاد منعقد کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

حالانکہ اس مغفل کو یہ بھی علم نہیں کہ مولد نبوی کے اجتماعات تو مکہ مدینہ میں پورے سال منعقد ہوتے رہتے ہیں اور ہر خوشی کے موقع پر منعقد کرتے ہیں۔ بلکہ کوئی دن اور کوئی رات مکہ و مدینہ میں ایسی نہیں گذرتی کہ جس میں محفل میلاد نہ منعقد ہوتی ہو خواہ کوئی جان لے یا جاہل رہے۔ تو اگر کوئی یہ کہے کہ ہم صرف ایک رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں اور ۳۵۹ راتیں غافل رہتے ہیں تو یہ پکا افترا پردازا اور صریح جھوٹا ہے۔ تو مولد نبوی کی یہ مجالس بفضل اللہ تعالیٰ سال کی تمام

راتوں میں منعقد ہوتی ہیں۔ کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہیں ہوتی کہ کبھی یہاں اور کبھی وہاں مجالس نہ ہوتی ہوں۔ اور ہم تو لوگوں کو کہتے ہیں کہ اس اجتماع کے واسطے صرف ایک رات مقرر کرنا اور بقیہ راتیں ترک کر دینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے وفائی ہے۔ اور لوگ ہماری اس بات کو پوری رغبت و توجہ سے مانتے ہیں۔ اور جو کوئی یہ کہے کہ محفل میلاد کے لئے صرف مدینہ منورہ کو مخصوص کرتے ہیں، یہ شخص یا تو واقعی جاہل ہے یا جاہل بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے لئے ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے کہ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ پاک اس کو نور بصیرت دے اور اس سے جہل کے پردے کو ہٹا دے تاکہ یہ دیکھے کہ یہ مجالس مدینہ منورہ کے ساتھ یا کسی مخصوص شب کے ساتھ اور مخصوص مہینے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر زمانہ و مکان میں عام ہے۔

وَكَيْفَ يَصِحُّ فِي الْأَذْهَانِ شَيْءٌ إِذَا احْتَاجَ النَّهَارُ إِلَى دَلِيلٍ

(ترجمہ) جب دن ہی دلیل کا محتاج ہو تو ذہن کی کوئی بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم کسی خاص رات میں محفل میلاد کے مسنون ہونے کو نہیں کہتے۔ بلکہ جو ایسا عقیدہ رکھے وہ مبتدع ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک اور آپ کے ساتھ تعلق ہر وقت اور ہر شخص کے " واجب ہے۔ البتہ آپ کی ولادت کے مہینہ میں داعیہ زیادہ قوی ہوتا ہے کہ لوگ متوجہ ہوں اور اجتماع کریں اور اس شعور کو اپنے اوپر طاری کریں کہ ہر زمانہ دوسرے کے ساتھ مرتبط ہوتا ہے تو موجودہ سے ماضی کو یاد کرتے ہیں اور حاضر سے غائب کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔

اجتماعات دعوت الی اللہ کا بہت بڑا ذریعہ ہیں اور بہت سنہری قیمتی مواقع ہیں، ان کو ضائع نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ علماء و دعاۃ پر واجب ہے کہ امت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات و سیرت و معاملات و عبادات کی یاد دلائیں اور ان کو وعظ و نصیحت کریں اور شر و فتن و ابتداع و بلاء سے ڈرائیں۔ اور ہم اللہ کے فضل سے ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور ان اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ ان اجتماعات سے مقصود جمع ہونا اور دکھاوا نہیں بلکہ یہ تو فلاں فلاں مقاصد حسنہ کے لئے بہترین وسائل ہیں۔ اور جو ان اجتماعات سے کوئی دینی نفع حاصل نہیں کرتا وہ مولد نبوی کی خیر سے محروم ہے۔ اور ہم اس جگہ ان دلائل و مناسبات

کو ذکر کرکے جن سے یہ مضمون مستنبط کیا ہے طوالتِ مضمون میں نہیں پڑتے۔ کیونکہ اس موضوع پر علیحدہ ہمارا ایک رسالہ ہے۔ جس کا نام "حول الاحتفال بمولد النبوی الشریف" ہے۔ ہاں، خاص طور سے ہم حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کئے جانے کا قصہ ذکر کرتے ہیں کیونکہ اس سلسلہ میں بہت کلام کیا گیا ہے۔

ثویبہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کا قصہ

حضرات علمارکرام نے کتب احادیث وسیرت میں ابولہب کی باندی ثویبہ کا قصہ ذکر کیا ہے جب ثویبہ نے ابولہب کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر دی تو اس نے خوشی میں آزاد کیا۔ حضرت عباس رض بن عبدالمطلب نے خواب میں ابولہب کو دیکھا۔ اس سے اس کی حالت کے متعلق سوال کیا کہ تیرے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ وہ کہنے لگا کہ مجھے تمہارے بعد کوئی چیز نہیں ملی سوائے اس کے کہ ثویبہ کی آزادی کی وجہ سے پانی پلا دیا جاتا ہے۔ اور ہر پیر کو مجھ پر عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔

عبد ضعیف (مؤلف) کہتا ہے کہ اس کو بہت سے علمارِ سیر وحدیث نے روایت کیا ہے مثلاً امام عبدالرزاق صنعانی، امام بخاری، ابن حجر، ابن کثیر، بیہقی، ابن ہشام، سہیلی، حافظ البغوی، ابن الدبیع، الاشخر اور العامری رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اب میں اس کو تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔

عبدالرزاق نے المصنف ج ۷ ص۴۷۸ میں روایت کیا اور امام بخاری نے کتاب النکاح باب "وَ اُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِيٓ اَرْضَعْنَكُمْ" میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تک مرسلا اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں روایت کیا۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ بطریق ذہلی ابوالیمان سے الاسماعیلی نے روایت کیا اور اس کو عبدالرزاق نے معمر سے روایت کرکے فرمایا کہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ کافر کو اس کا عملِ صالح آخرت میں نفع دیتا ہے لیکن یہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:-

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۔ الآیۃ (فرقان: ۲۳)

پھر پہنچے ہم ان کے کاموں پر جو انہوں نے کئے تھے پھر کر دیا ہم نے ان کو خاک اڑتی ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خبر مرسل ہے جس کو عروہ نے روایت کیا ہے اور جس نے عروہ کو بیان کیا اس کا نام عروہ نے ذکر نہیں کیا۔ اور موصول ہونے کی صورت میں خبر میں خواب کا ذکر ہے

اور خواب حجۃ نہیں ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خواب دیکھنے والے اس وقت تک مسلمان ہی نہ ہوئے ہوں۔ لہٰذا اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ اور قبول کرنے کی صورت میں اس میں یہ احتمال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق امور اس سے مخصوص ہوں۔ اس پر ابوطالب کا قصہ دلیل ہے جو کہ گذر چکا

امام بیہقی نے فرمایا کہ کفار کے متعلق بطلانِ خیر کے بارے میں جو بھی وارد ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو آگ سے خلاصی اور دخول جنت حاصل نہ ہوگا۔ اور یہ ممکن ہے کہ کفر کے علاوہ جن جرائم کے ارتکاب کی وجہ سے اپنے اوپر عذاب واجب کیا ہے اس میں تخفیف ہو جائے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ کفار کو ان کے اعمالِ صالحہ کا کوئی نفع نہیں ہوتا۔ اور کوئی نعمت یا تخفیفِ عذاب بطورِ جزا نہیں ہوتا۔ اگرچہ بعض کفار دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ عذاب میں ہوتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ بیہقی نے جس احتمال کو ذکر کیا ہے، اس کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ جو جو سزائیں اور عذاب وارد ہوئے ہیں ان سب کا تعلق کفر کے گناہ سے ہے۔ اور غیر کفر کے گناہ کے عذاب کی تخفیف میں کوئی مانع نہیں ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ تخفیف صرف منصوص ہی کے ساتھ خاص ہے۔ اس کے حاشیہ میں علامہ ابن المنیر فرماتے ہیں کہ اس جگہ دو اُمور ہیں۔ ایک تو محال ہے کہ حالتِ کفر میں کافر کے حق میں طاعت کا اعتبار کیا جائے۔ کیونکہ طاعت کی شرط یہ ہے کہ قصدِ صحیح سے عمل کیا جائے اور یہ شرط کافر کے حق میں نہیں پائی جا سکتی۔ دوسرا امر یہ ہے کہ کافر کو اللہ کے فضل سے بعض اعمال کا بدلہ ملے۔ اور یہ عقلاً محال نہیں ہے۔ تو یہ قبول کی صورت میں ہے۔ اس میں یہ احتمال ہے کہ جس عمل کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو وہ محال نہ ہو۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو ابولہب کا ثویبہ کو آزاد کرنا قربتِ معتبرہ نہیں ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ نے اپنی مشیت سے اس پر فضل فرما دیا ہو۔ جیسا کہ ابوطالب پر اللہ نے فضل فرمایا۔ جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا کہ ابوطالب پر عذاب میں تخفیف کر دی گئی کہ جہنم کی وادئ غمرات سے وادی ضحضاح کی طرف منتقل کر دیا گیا۔

صحیح اس میں توقف ہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ کا تتمہ و تکملہ یہ ہے کہ کافر کو اس فضیلت کا حصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۵)

حافظ ابنِ کثیر نے اس روایت کو بیان کر کے تعلیقاً فرمایا کہ جب ثویبہ نے ابولہب کو اس کے بھتیجے محمد بن عبد اللہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کی خبر دی تو ابولہب نے اسی وقت اس کو آزاد کر دیا۔ بس اس آزاد کرنے کی وجہ سے اس کو یہ بدلہ دیا گیا۔ (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۴)

حافظ عبد الرحمن بن الدبیع الشیبانی صاحب تیسیر جامع الاصول نے اپنی سیرت میں اس واقعہ کو ذکر کر کے تعلیقاً فرمایا کہ ابولہب سے تخفیفِ عذاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت و شرافت کی وجہ سے ہوئی۔ جیسا کہ ابوطالب سے عذاب میں تخفیف کر دی گئی، نہ کہ آزاد کرنے کی وجہ سے اللہ پاک کا ارشاد ہے:-

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ	دنیا میں جو کچھ انہوں (کافروں) نے کیا سب برباد
مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (ہود: آیت ۱۶)	ہو گیا اور باطل ہے جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں۔

(حدائق الانوار فی السیرۃ ج ۱ ص ۱۳۴، شرح السنۃ ج ۹ ص ۷۶)

امام العامری نے بہجۃ المحافل میں اس کو روایت کیا ہے۔ اور اس کے شارح الاشخر نے کہا کہ ایک قول یہ ہے کہ تخفیف عذاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کی وجہ سے ابولہب کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ ابوطالب سے تخفیف کر دی گئی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ کافر سے تخفیفِ عذاب کے لئے کوئی عملِ خیر مانع نہیں ہے۔ (شرح البہجہ ج ۱ ص ۱۴۱)

علامہ سہیلی صاحب روض الانف شارح سیرت ابن ہشام نے روایت کیا اور نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس آزاد کرنے کا ابولہب کو نفع یہ ہے وہ آگ میں بہت ہی ہلکے عذاب میں ہے جیسا کہ اس کے بھائی ابوطالب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت نے نفع دیا جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا کہ یہ تخفیفِ عذاب کا نفع ہے ورنہ باجماعِ امت کافر کا ہر عمل ضائع و بیکار ہے۔ یعنی کافر اس عمل خیر کو میزان میں نہ پائے گا اور جنت میں داخل نہ ہوگا (الروض الانف ج ۵ ص ۱۹۲)

خلاصۂ بحث

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ قصہ کتب احادیث و سیرت میں معروف و مشہور و مذکور ہے اور معتبر حفاظ حدیث نے نقل کیا ہے۔ اور اس کی توثیق میں الشیخ الامام البخاری کا اپنی صحیح میں نقل کرنا ہی کافی

وشافی ہے جن کی جلالت وعالی مرتبہ پرسب کا اتفاق ہے۔ بلاکسی اعتراض وکلام کے سب کچھ صحیح ہے حتیٰ کہ معلقات ومراسیل دائرۂ قبول سے خارج نہیں ہیں اور مردود تک نہیں پہنچتیں۔ یہ علم حدیث سے شغف رکھنے اور اصطلاحیں قائم کرنے والے جانتے ہیں۔ اور جب یہ مراسیل وتعلیقات صحیح میں آئیں تو وہ علمار کرام اس کا حکم بھی جانتے ہیں اور اس کے لئے کتب مصطلحہ دیکھی جاسکتی ہیں۔ جیسا کہ الفیہ سیوطی وعراقی اس کی شرح تدریب الراوی۔ ان حضرات نے اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ اور صحیح میں حَسَن ومرسل کا درجہ بھی بیان کیا ہے۔ اور یہ سب محققین کے نزدیک مقبول ہے۔ پھر اس مسئلہ کا تعلق فضائل ومناقب وکرامات سے ہے جس کو سب علمارِ کرام خصائص وسِیَر کی کتب میں بیان کرتے ہیں اور اس کی نقل میں تساہل بھی کر لیتے ہیں اور صحیح کے معنیٰ اصطلاحی کی شرط بھی نہیں لگاتے۔ اور اگر یہ شرط لگادی جائے تو بعثتِ نبویہ سے پہلے اور بعد کے واقعات کا بیان کرنا ناممکن ہوجائے گا حالانکہ ان حفاظِ حدیث کی کتب مراسیل ومقطوعات سے بھری ہوئی ہیں۔ اور ان علمار وحفاظِ حدیث کی کتب پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ان کے قول وفعل کو دلیل بنایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مراسیل اور کاہنوں سے اخذ شدہ باتیں جن کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ان سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی احادیث کا ذکر کرنا اس مقام میں صحیح ہے۔

علمارِ کرام کے ارشادات کے بعد آیتِ مذکورہ (وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ الخ) کو معارض کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کفار کے اعمال کی طرف دیکھا نہ جائے گا یہ کہاں ہے کہ تمام کفار عذاب میں برابر ہیں اور عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ علمارِ کرام نے تو فرمایا ہے کہ تخفیف عذاب کے باوجود ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔

جس اجماع کا قاضی عیاض نے تذکرہ کیا ہے وہ عام کفار کے بارے میں ہے۔ اور اس میں بھی یہ نہیں کہ اللہ پاک بعض کفار سے ان کے عمل کی وجہ سے تخفیفِ عذاب نہ فرمائیں گے۔ اسی وجہ سے اللہ پاک نے جہنم کے درجات بنائے ہیں اور منافق دَرکِ اسفل (سب سے نچلے طبقہ) میں ہوں گے۔ پھر اس اجماع کو نص صحیح نے رَد کر دیا ہے۔ اور مخالفتِ نص کے وقت اجماع صحیح نہیں ہے جیسا کہ طلبۂ کرام کو معلوم ہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ابوطالب کو آپ نے کیا نفع دیا جب کہ وہ آپ کی حمایت ومدافعت کرتے تھے۔؟ آپ نے فرمایا ان کو غمرات النار سے

نکال کر ہلکی آگ کی طرف منتقل کر دیا۔ الحدیث

یہی وہ ابوطالب ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت ومدافعت نے فائدہ دیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سخت عذاب سے نکال دیا۔ لعین ابولہب کے حق میں تخفیف عذاب بھی اسی کے مثل ہے۔ اس میں کوئی انکار واستبعاد نہیں ہے۔ اور حدیثِ پاک تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ آیت کا تعلق ان لوگوں کے ساتھ ہے جن کے پاس تخفیف عذاب کا کوئی سبب وعمل نہ ہو۔ اور اسی طرح پر اجماع ہے۔

حدیثِ ابوطالب میں کہاں اس پر دلالت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن سے پہلے ہی امورِ آخرت میں تصرف فرمایا ہے اور اپنے متعلق کی شفاعت فرمائی اور مدافعت کی۔

اور یہ اعتراض کرنا کہ یہ حدیث تو خواب سے متعلق ہے جو کہ حجت نہیں کہ حکم ثابت کیا جائے اللہ پاک ہی اس معترض کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائیں کہ احکامِ شرعیہ وغیر احکامِ شرعیہ کے فرق ہی سے ناواقف ہے۔

احکامِ شرعیہ کے بارے میں فقہار کا اختلاف ہے۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب سے احکام کو اخذ کرنا اور خواب کی خبروں کو صحیح قرار دینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز احکام شرعیہ میں اس پر اعتماد کرنے میں تو کوئی اشکال ہے ہی نہیں۔ اس پر حفاظِ حدیث نے اعتماد کیا ہے۔ اور انہوں نے بعثتِ نبویہ سے قبل اہل جاہلیت کے وہ خواب جن کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے ہے، کو ذکر کیا ہے۔ اہلِ جاہلیت کا یہ کلام بھی ذکر کیا ہے کہ وہ فساد وخرابی پر غالب آئیں گے۔ کتب السنۃ اس سے بھری ہوئی ہیں۔

معترض کا حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کے خواب کو غیر حجت قرار دینا اور یہ کہ اس سے حکم ثابت نہیں ہوتا اور حفاظ حدیث کے عمل کے خلاف ہے، صرف اور صرف گھبراہٹ ہے۔ حق کے متعلق بحث کرنے والے کی یہ شان وکیفیت نہیں ہوتی۔

جو شخص یہ اعتراض کرے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خواب حالتِ کفر کا ہے اور اخبار یعنی خواب کی خبر دینا بھی حالتِ کفر میں ہے۔ اور کفار کی شہادت ناقابلِ سماع ہے اور غیر مقبول ہے، یہ بھی ناقابلِ التفات اور واہی اعتراض ہے۔ اس معترض میں بھی علم نبوی کی کوئی خوشبو نہیں ہے۔

کیونکہ علمار کرام میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ خواب شہادت کے قبیل سے ہے ۔ اور یہ تو ایک بشارت ہے اس میں دین و ایمان کی شرط نہیں ہے ۔

مصر کے بت پرست دینِ سماوی سے جاہل بادشاہ کے خواب کی تعبیر کو اللہ پاک نے یوسف علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر ذکر فرمایا اور نبوت کی دلیل بنائی اور ان کی فضیلت ارشاد فرمائی بت پرست مشرک کے خواب کو اللہ پاک نے کیوں ذکر فرمایا جب یہ بے فائدہ و بے مقصد ہے تو اللہ پاک نے بھی کیوں ذکر فرمایا ۔

اسی وجہ سے علمار کرام نے فرمایا کہ کافر خواب میں اللہ پاک کو بھی دیکھ سکتا ہے ۔ اور اس میں جو کچھ بھی دیکھے وہ اس کے لئے توبیخ و تنبیہہ ہے ۔ سب سے زیادہ تعجب تو اس پر ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خواب کو حالت کفر کا قرار دے کر نا قابلِ سماع و غیر مقبول کہنا کس قدر جہالت ہے ۔ معترض کو علمِ حدیث سے کوئی تعلق و مناسبت ہی نہیں ہے ۔

کیونکہ محدثین کا مسلمہ اصول ہے کہ حالتِ کفر میں حدیث سننے کے بعد حالتِ اسلام میں بیان کی جائے تو وہ مقبول ہے اور قابلِ عمل ہے ۔ اور کتبِ اصولِ حدیث میں اس کی مثالیں بے شمار ہیں ، ان کو دیکھ لیں تاکہ اس معترض کی علم سے دوری و نا آشنائی تم پر واضح ہو جائے ۔ اور یہ محض خواہش پرستی ہی ہے کہ معترض ان امور پر اعتراض کرنے لگا جن سے جاہل و نابلد ہے ۔

خاتمہ از مؤلف

حمد و صلوٰۃ کے بعد اللہ جلّ شانہٗ و عمّ نوالہٗ نے ہی ہمارے لئے ان مسائل کو لکھنا آسان کیا جن کے بارے میں ہم اپنی رائے و عقیدہ کو بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں ۔ اگر یہ صواب و صحیح ہے تو الحمد لِلّٰہ ، اور اگر اس کے علاوہ ہے تو بندہ بشر ہے ، صحیح و خطا دونوں کا مرتکب ہوتا ہے ۔ صرف سیّد معصوم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم خواہشِ نفسانی سے کلام نہیں فرماتے ۔ ان کا ہر کلام وحی ہوتا ہے ہر کلام مقبول ہے ۔ اور ہم میں سے ہر ایک کا کلام مقبول و مردود دونوں کا احتمال رکھتا ہے ۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمِرَآءِ وَالْجِدَالِ وَالْخِصَامِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَدُعَآءٍ لَّا یُسْمَعُ وَقَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَّ شَرٍّ وَّبَلَآءٍ وَّشِرْکٍ وَّبِدْعَۃٍ اَبْرَأُ مِمَّا تَبَرَّأَ مِنْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاُقِرُّ بِمَا اَقَرَّ بِہٖ ۔

میں اللہ پاک ہی سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے حالت اسلام و توحید و ایمان باللہ پر بلاد اللہ میں مومنین موحدین لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے والوں کے درمیان موت دے ۔ اور مجھے تا حیات اسی پر ثابت قدم رکھے ۔ اور ہمارے قابلِ احترام حکام کو اللہ پاک حق کی تائید و مدد کرنے کی توفیق عطا فرمائیں ۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ،

محمد بن علوی بن عباس مذھبًا مالکی عقیدۃً سلفی نسبًا حسنی وطنًا مکّی

نے اپنے قلم سے اس کو لکھا اور اپنے منہ سے اس کو بولا

خادم العلم بالحرمین الشریفین مکۃ المکرمۃ

ربیع الاول سنہ ۱۴۰۴ھ

خاتمہ از مترجم

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ
اَللّٰهُمَّ قِنِیْ شَرَّ نَفْسِیْ وَاعْزِمْ لِیْ عَلٰی اَرْشَدِ اَمْرِیْ

اللہ پاک نے محض اپنے لطف وکرم سے اس عاجز کے لئے فضیلۃ الشیخ استاذ محترم خادم العلم بالحرمین الشریفین سید محمد بن علوی الحسنی المکی المالکی کی عظیم کتاب "مَفَاهِیْم" کے ترجمہ کو آسان فرمایا اور مدد فرمائی۔ اسی کریم ذات سے استدعا ہے کہ میری گندگیوں وآلائشوں سے پاک فرما کر اپنی بارگاہِ عالیہ میں قبول فرمائے۔ میرے لئے اور میرے چھوٹوں کے لئے کفارۂ سیّئات بنائے۔ میرے پیرومرشد، تمام اکابر، حضرات اساتذۂ کرام کے لئے دارین میں رفع درجات کا ذریعہ فرمائے۔ جن کی محنتوں، دعاؤں اور توجہات سے کریم مالک نے مجھے یہ سعادت مرحمت فرما کر آسان فرمایا۔ بحمد اللہ اس کتاب کا ترجمہ عبدِ ضعیف نے خود اپنے قلم سے کیا اور مسودہ کی تبییض بھی اپنے ہی قلم سے خود کی۔

اللہ پاک سے ملتجی ہوں کہ اس کریم مالک نے اپنے جس فضل وکرم سے سید حسنی محمد بن علوی سید زادے سے اس دنیا میں شاگردی کا رشتہ قائم فرمایا خصوصاً ایسے سید جو مکی ومدنی ہوں اس کو مجھ گنہگار کے حق میں نیک فال بنائے۔ اور اسی فضل وکرم ولطف واحسان سے مجھے بھی اپنے حبیب ومحبوب شفیع المذنبین، خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شہر مدینہ منورہ میں ایمان ورضا وقبولیت والی موت نصیب فرمائے۔ اور ہم کو انہوں کے ساتھ اپنے حبیب ومحبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت الفردوس میں پڑوس نصیب فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتَنَا بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ۔
وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

انیس احمد المظاہری

مصادقة كبار علماء العالم الإسلامي

هذا . وقد اطلع بعض كبار علماء العالم الإسلامي على ما كتبه سماحة الإمام شيخ الإسلام الشيخ محمد مخلوف ، مفتي مصر سابقا وعضو هيئة كبار العلماء بالأزهر الشريف ، وعضو المجلس التاسيسي لرابطة العالم الإسلامي في مقدمة كتاب المفاهيم فأيدوا ذلك وواقفوا عليه وكتبوا المصادقة عليه ، وهم :

(١) العلامة المؤرخ الفقيه الشيخ محمد بن أحمد بن حسن الخزرجي وزير العدل والشئون الإسلامية والأوقاف .

(٢) فضيلة العلامة الكبير الداعي الى الله الشيخ الأستاذ الدكتور محمد الطيب النجار ، [رئيس جامعة الأزهر سابقاً والرئيس الحالي لمركز السنة والسيرة ، وعضو لجنة جائزة الملك فيصل العالمية] .

(٣) سماحة فضيلة الأستاذ الدكتور الشيخ أبو الوفا التفتازاني [وكيل جامعة القاهرة] .

(٤) سماحة فضيلة الفقيه المفتي الشيخ محمد بن عبد الرحمن آل الشيخ ابي بكر ابن سالم . [مفتي جمهورية جزر القمر الإسلامية] .

(٥) فضيلة الأستاذ الفقيه المستشار السيد علي بن عبد الرحمن الهاشمي الحسني .
[مستشار سمو رئيس دولة الإمارات العربية المتحدة] .

(٦) فضيلة الشيخ امام موسى ضيف الله . [عضو الرابطة الإسلامية ، وامام مسلمي تشاد] .

تقريظ

العلامة المؤرخ الفقيه الشيخ محمد الخزرجي

وزير العدل والشؤون الاسلامية والاوقاف بدولة الامارات العربية المتحدة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله ذى المحامد والآلاء المنعم على عباده بما شاء وأصلي وأسلم على أفضل الأنبياء وعلى آله وصحبه النجباء .

أما بعد : فقد تصفحت الكتاب الذى جمعه وألفه العالم الجليل المحقق النبيل السيد محمد بن علوي المالكي الحسنى فرع الشجرة النبوية وسليل العترة الهاشمية المسمى (مفاهيم يجب أن تصحح) .

ففي كتابه هذا وضع الأمور في مجاريها وحاد عن الشطط في مراميها وجنبها الافراط والتفريط وصحح الأوهام والتخليط ، وبذل النصيحة لإخوانه المسلمين بالأدلة القاطعة والبراهين ليسلكوا مسالك السلف ويقلدوا أهل الفضل من الخلف .

والكتاب يتعلق بأمور ثلاثة : مباحث في العقيدة ، مباحث نبوية ، مباحث مختلفة تتعلق بالحياة البرزخية ، ومشروعية الزيارة والمناسبات الدينية .

ومعشر المسلمين اليوم أشد حاجة إلى علم هذه الحقائق المشتملة عليها هذه المباحث ، وقد اختلط عليهم الحابل بالنابل وتصدر للفتوى كل جاهل ممن يقصر إدراكه عن فهم كتاب الله عز وجل ، ومقاصد السنة النبوية .

فحاء بالإيضاح والتدقيق ليبتعدوا عن مواقع الضلال ويكونوا خير مثال موفقين في الأفعال والأقوال .

والله أسأل أن يمن على مؤلفه بلطفه وعنايته ويشمله بحفظه ورعايته .

وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين وسلم على المرسلين والحمد لله رب العالمين .

حرره محمد بن الشيخ أحمد بن الشيخ حسن الخزرجي
وزير العدل والشؤون الاسلامية والاوقاف
ورئيس لجنة التراث والتاريخ
وقاضي امارات ابوظبي سابقاً
في دولة الامارات العربية المتحدة

تقريظ العلامة الشيخ محمد الطيب النجار
رئيس مركز السنة والسيرة الدولي ورئيس جامعة الأزهر سابقاً

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين سيدنا محمد ابن عبدالله وعلى آله وأصحابه ومن دعا بدعوته إلى يوم الدين .

وبعد : فإن حياة العالم الجليل السيد محمد علوي المالكي المكي الحسني كحياة الشجرة الطيبة التي نمت في أرض طيبة وترعرعت في بيئة صالحة وتهيأت لها العناية والرعاية حتى انبسطت ظلالها وأينعت ثمارها وفاض على الناس خيرها وبرها .

ولا غرو ولا عجب فلقد كان والده الجليل السيد علوي المالكي طيب الله ثراه وأكرم مثواه من العلماء الأعلام الذين وهبوا أنفسهم للعلم فعاشوا في محرابه سَدَنة راهبين وكراماً كاتبين وعلماء عاملين ، وكان بيته في مكة المكرمة وإلى جوار الكعبة المشرفة هو الندى الحافل الذي يضم الصفوة المختارة من علماء المسلمين يستمعون إلى آي الذكر الكريم وإلى السنة النبوية الشريفة ويتدارسونهما في وعي عميق ، وتمحيص وتدقيق . ثم تنتهي جلساتهم بالاستماع إلى المدائح النبوية من شعر العارف بالله صاحب الدار حيث يلقيها فضيلته بلسان عربي وقلب تقي وإيمان نقي فليس بغريب إذاً أن يكون الشيخ الجليل والابن الصالح السيد محمد علوي المالكي صورة صادقة لوالده الجليل وأن يسير في حياته على نهج أبيه علماً وأدباً وديناً [ومن يشابه أبه فماظلم] .

وهذا الكتاب الذي بين أيدينا الآن إنما هو كتاب واحد من بين عشرات الكتب الدينية والعلمية التي أخرجها السيد محمد وكلها والحمد لله مليئة بالعلم النافع والرأى السليم والفكر الناضج وقد نفع الله بها الملايين من المسلمين ، وذلك فضل الله والله ذو الفضل العظيم .

أما هذا الكتاب الذي سماه مؤلفه الفاضل [مفاهيم يجب أن تصحح]

فهو بحق بيان واضح لبعض المفاهيم التي آمن بها بعض الناس وظنوا أن إنكارها باطل من القول وزور .

وكان من حق العلم على المؤلف الفاضل أن يصحح تلك المفاهيم الخاطئة وأن يدلى فيها بكلمة الحق خالصة لوجه الله وحده وهو بهذا العمل الشجاع يتعرض لوخز الإبر ويمشى على الشوك ولكن من أجل الوصول إلى أنبل الغايات وخير القربات .

فجزاه الله عن العلم والدين خير الجزاء .

هذا : ومن الله العون وبه التوفيق

ا . د / محمد الطيب النجار

وكيل الأزهر الأسبق ورئيس جامعة الأزهر سابقاً

وعضو مجمع البحوث الإسلامية بمصر - وعضو مجمع اللغة العربية بمصر - وعضو المجالس القومية المتخصصة وعضو لجنة جائزة الملك فيصل العالمية

تقـريظ

علامة المغرب المحدث المحقق الأستاذ السيد عبد الله كنون الحسني
رئيس رابطة علماء المغرب وعضو رابطة العالم الإسلامي
بمكـة المكـرمة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله والصلاة والسلام على مولانا رسول الله وآله وصحبه ومن والاه .

وبعد : فقد أطلعني الأخ في الله العلامة الجليل السيد محمد علوي المالكي على هذا الكتاب الذى سماه (مفاهيم يجب أن تصحح) ، وجعله ثلاثة أبواب :

الباب الأول في العقيدة .

والباب الثاني في النبوة .

والباب الثالث في الزيارة .

ولا يعنى بهذه المطالب أصولها وحقائقها المبنية في مظانها ، ولكنه يريد ما يتعلق بها من مباحث اختلفت الأقوال فيها بين العلماء من السلف والخلف كما اختلفوا في المسائل الفقهية الفرعية ، والتى لم يرد فيها نص صريح ، فذهب اجتهاد كل منهم إلى ما اطمأنت إليه نفسه ، ولكن أحدا منهم لم يعب على غيره ولا أنكر ما أداه إليه إجتهاده ، وكان الاجتهاد ولا يزال يؤدى إلى نفس النتائج ، ولن يؤدى حتما إلى نتيجة واحدة ، ولذا كان المجتهدون كلهم مأجورين ، والأجر إنما يكون على عمل صالح ، لا على عمل مذموم .

وكنا نقول إن الخلاف في مثل هذه المطالب قد انتهى كما انتهى الخلاف في الفروع الفقهية بصلاة المسلمين في المؤتمر الإسلامى المنعقد بالقدس سنة ١٩٣١م خلف الإمام الطباطبائى الشيعى على اختلاف مذاهبهم ، وبعدما أغلقت المحاريب المتعددة التى كانت في المسجد الأموى والأزهر وغيرهما ، وصار المسلمون يصلون

وراء إمام المسجد الواحد في المحراب الواحد ، ولا يسألون عن مذهبه ولا عن عقيدته كما كان الصحابة يصلون خلف الحجاج بن يوسف في البصرة وغيره في غيرها ، ولكن أبى الشيطان إلا أن يبعثها جذعة بين المسلمين في الوقت الذي هم فيه أحوج ما يكونون إلى الوفاق ونبذ الخلاف والتصدي لعدو دينهم كما أمرهم الله سبحانه وتعالى في قوله : ﴿ وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة ﴾ فعادت فتنة الأشعرية والسلفية في العقيدة ، وفرقت المسلمين وجعلت بعضهم يبدع بعضا أو يكفره .

والأشعرية إنما قامت لما طغى التجسيم على الناس أعنى العامة ، وصاروا لا يحققون مفهوم التنزيه ، فجنحوا إلى التأويل إنقاذا للعقيدة .

والتأويل منحى شرعيٌّ لا جدال فيه بنص القرآن ﴿ هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هنّ أم الكتاب وأخر متشابهات فأما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تأويله وما يعلم تأويله إلا الله والراسخون في العلم ﴾

وقد كان الأشعرى من الراسخين في العلم وكذا أبو المعالى الجوينى إمام الحرمين وأبو حامد الغزالى حجة الإسلام وغيرهم من أعلام الأشاعرة — وهي ثلاثة أقوال في المتشابه :

ما يعزى إلى السلف ، وهو إعتقاد مدلول اللفظ مع التنزيه ونفى التشبيه .

والتأويل بما تحتمله اللغة وطرق المجاز وهو مذهب الخلف ، ومذهب الأشعري الذي صار إليه بعد التأويل ، وهو أن هذه المتشابهات صفات لله عز وجل لا نعرف كنهها ، ولكننا نؤمن بها كما جاءت ، على أن المؤولين كما قلنا إنما أرادوا بذلك إنقاذ العامة من شبه المتشابهات ، ولذلك قل منهم من لم يكن يرجع إلى التفويض حتى أن بعضهم كان يقول : اللهم إيمانا كإيمان العجائز .

والمهم أنهم كلهم أهل سنة وجماعة مؤمنون بما جاء به عن الله ورسوله الكريم كما أمر — فكيف يصح أن يكفر أو يبدّع هذا ذاك ؟

ما هو إلا التعصب وضيق العطن إن لم يكن للسياسة في ذلك مدخل ، وقد وقع فعلا في المغرب أن المهدى بن تومرت بعد أن رجع من رحلته لطلب العلم في المشرق ولقى أقطاب المذهب الأشعرى مثل الكيا الهراسى وتلك الطبقة قام بنشر هذا المذهب في المغرب ولما ادعى المهدوية وأسس دولة الموحدين ألزم الناس به ، وحارب مذهب السلف ونبذ المرابطين أصحاب الدولة قبله بالمجسمين ، وكانوا على مذهب السلف في العقيدة ، وسمى أصحابه بالموحدين ، كما حارب المذهب المالكى ورجاله من فقهاء المغرب والأندلس ، وهكذا نشأت العداوة بين الطرفين ، وكان السبب سياسيا قبل كل شيء .

وما قيل في هذه المسألة مما اشتمل عليه الباب الأول من الكتاب يقال في مسألة المولد النبوي من مسائل الباب الثاني ، ومسألة الزيارة من مسائل الباب الثالث .

فالاحتفال بمولده ﷺ إن لم يفعله من سبق ، فكثير مما لم نفعله لم يفعله وهى حجة لم يقبلها الفاروق من الصديق لما طلب جمع المصحف ، فكان أن رجع إلى كلامه وجمعه

ونظيرها : أمر عمر بن عبدالعزيز علماء الأمصار بكتابة الحديث ، وكان من قبلهم يتحرجون من ذلك ، فوافقوه جميعهم ولم يقولوا له : أتفعل ما لم يفعله الأولون — وكذا يقال في نقط المصحف وشكله وإحداث المحاريب في المساجد وبناء المآذن بحيث صار الأمر إلى ألا يبنى مسجد بدون محراب ولا مأذنة ، ولم يكن ذلك في عهده عليه الصلاة والسلام .

والقائمة طويلة ، والمقصود أن من غلبت عليه محبة المصطفى نبى الرحمة وشفيع الأمة ﷺ وشرف وكرم ومجد وعظم فاحتفل بمولده فهو أحرى أن نقول له حسنا ، لا أن ننكر عليه ونقيم الدنيا ونقعدها لأمر أقل ما يحكم به عليه أنه جائز .

والعجب العجيب أن يعترض مؤمن على زيارة قبر النبي ، وقد أمرنا بزيارة القبور مطلق القبور لنتعظ بها ونعتبر ، وبزيارة قبور آبائنا وأمهاتنا وقرابتنا صلة للرحم وتعهد لهم بالدعاء الصالح ، وقد ورد أنه ﷺ إستأذن ربه في زيارة قبر أمه فأذن له ،

فكيف لا نزور قبر أشرف المرسلين الذى هدانا الله به إلى الصراط المستقيم ، وهو أمنُ الناس علينا وأحبهم إلينا بل وأحب إلينا من آبائنا وأبنائنا ومن أنفسنا التى هي بين جنبينا ؟ لا جرم أن ذلك أى ترك زيارة قبره ، وخصوصا لمن حج وأصبح من المدينة على غلوة أو غلوتين لمن أعظم الجفاء ، ولو لم يصح حديث من حج ولم يزرنى فقد جفانى ، فاتركوا الناس وإيمانهم أيها المنكرون ، وإذا لم تتحرك مشاعركم لهذه المشاهد فعليكم وأنفسكم ، ولا تحرموا عباد الله من التعرض لنفحاته التى يمن بها على من يشاء فالأمر كما قال الصادق المصدوق : «إنما أنا قاسم والله المعطى» ، وشكراً للسيد السند محمد علوي لتحريره هذه المباحث وتحقيقه لمفاهيمها وأعتقد أنه قد بلغ بها المنتهى فلا يشغل نفسه بعد بالجدال فيها والمراء عليها ، ففي الحديث : «من ترك المراء وهو محق بنى الله له قصرا في أعلى الجنة ، ومن تركه وهو مبطل بنى الله له قصرا في ربض الجنة» .

ذلك لأن مهمة العلماء في عصرنا هذا هي إيقاظ الشعور والغيرة في نفوس المسلمين وحمل رؤسائهم وقادتهم على الوقوف في وجه أعداء الإسلام المستعبدين للمستضعفين من المؤمنين في فلسطين وأرتيريا وأفغانستان والفلبين ، ومن يشغل نفسه بهذه المسائل ويفرق بها صفوف المسلمين إنما يغطى على تقصيره وإنحرافه عما هو واجب عليه مما لا يعذر فيه ولا يجزيه من الله شيء — فالإسلام لا أرض له اليوم والمسلمون يسامون الهوان في كل مكان ، ولن تقوم قائمة ولن ترفع عنهم عصا الذل حتى يجندوا أنفسهم للدفاع عن كيان الإسلام وحماية بيضته مع من بيده الحل والعقد من أولى الأمر ﴿ والله غالب على أمره ولكن أكثر الناس لا يعلمون ﴾ .

كتبه بفاس في ٢ شعبان ١٤٠٥هـ

عبد الله كنون الحسنى
الأمين العام لرابطة العلماء بالمغرب
وعضو مجمع البحوث الإسلامية بالقاهرة
وعضو الجامعة العربية
وعضو أكاديمية المملكة المغربية
وعضو المجلس التأسيسى لرابطة العالم الإسلامى
وعضو مجلس الوصاية على العرش بالمغرب

تقريظ المرحوم
فضيلة الدكتور الحسينى هاشم
وكيل الأزهر الشريف وأمين عام مجمع البحوث الإسلامية

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف المرسلين سيدنا محمد المبعوث رحمة للعالمين ..

وبعد : فأقدم للعالم الإسلامى كتاب مفاهيم يجب أن تصحح لمؤلفه فضيلة الأستاذ الكبير والداعية الإسلامى المحب لله تعالى ولرسوله صلى الله عليه وسلم السيد محمد علوى المالكى المكى الحسنى خادم العلم وأهله بالحرمين الشريفين ..

وفضيلة الأستاذ محمد علوى المالكى سليل بيت النبوة ، شرفه الله وشرف بيته بالإنتساب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم .

وقد اتسم بيت المالكى بالعلم والهداية ، وكل من له صلة بالحرمين الشريفين المباركين يعرف أصالة بيت المالكى فى الهداية والإرشاد والدعوة إلى الله تبارك وتعالى بالحكمة والموعظة الحسنة ، وربط الدارسين فى حلقاتهم بأهم وسائل التربية وأنجحها بحب الله تبارك وتعالى وحب رسوله ﷺ ، وما قامت دولة الدعوة الإسلامية ونجحت هذا النجاح الباهر إلا بالحب الذى غرسه رسول الله ﷺ فى قلوب المهاجرين والأنصار .

حبٌ لله ورسوله و حبٌ للمسلمين يتمثل فى المؤاخاة بين الأوس والخزرج وبين المهاجرين والأنصار .

امتن الله بمنهج الحبِّ على المسلمين وبين لهم بأنه نعمة من عند الله تعالى ، فقال تعالى : ﴿واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا﴾ الآية .

وأشاد بمنهج الحب فقال تعالى : ﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعونى يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم﴾ الآية .

وبيت المالكى اتخذ هذا المنهج الإسلامى وركَّز عليه ، فقد رأيت والد السيد محمد علوى فى دروسه بالمسجد الحرام يدرِّس التفسير والحديث ، والفقه ، ويربط كل ذلك بحب الله ورســوله .

وسار على منهجه نجله السيد محمد يدرس التفسير والحديث واللغة ويربط ذلك بحب الله ورسوله .

من أجل ذلك التفت القلوب حول بيت المالكى وتوافد عليه طلاب العلم من أرجاء العالم الإسلامى ليتعلموا العلم والعمل وحب الله ورسوله .

ووضع الله القبول لهذا البيت المبارك ..

وإن القارىء لهذا الكتاب الذى نقدمه يجد فيه المنهج العلمى الذى يدل على الأصالة فى الدراسة العلمية والتحقيق الجيد .

كما يدل على الدعوة الصادقة إلى حب الله وحب رسوله صلى الله عليه وسلم ؛ فالكتاب يتعرض لعدة قضايا هامة مجملة فيما يلى :

الباب الأول : مباحث فى العقيدة وفيها بيان فساد مقاييس التكفير والتضليل اليوم .

الباب الثانى : وفيه مباحث نبوية منها الخصائص النبوية وحقيقة النبوة والبشرية ، ومفهوم التبرك بالنبى وآثاره .

الباب الثالث : مباحث مختلفة عن الحياة البرزخية ومشروعية الزيارة النبوية ، وما يتعلق بها .

وإن هذا الكتاب يوفر على المسلمين الخلافات التى تمزق وحدتهم ، وذلك ببيان المنهج السليم والقول الحق ، حتى يجتمع المسلمون على الخير والحق ..

وفى الختام نسأل الله العلىَّ القدير أن ينفع الله المسلمين بهذا الكتاب القيم ، وأن يكتب الخير والفلاح لمؤلفه ولكل قارىء له ..

والله ولى التوفيق ..

الدكتور الحسينى عبد المجيد هاشم
وكيل الأزهر الشريف
والأمين العام لمجمع البحوث الاسلامية سابقا
فى ٣ - ٦ - ١٤٠٥ هـ .

تقريظ

فضيلة الأستاذ الدكتور رؤف شلبي وكيل الأزهر الشريف

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله والصلاة على سيدنا ومولانا رسول الله سيدنا محمد بن عبدالله صلى الله عليه وعلى آله وصحبه ومن اتبع هداه بإحسان إلى يوم الدين .

أما بعد :

فإن الشيخ الفاضل الدكتور /محمد علوى المالكى المكى الحسنى من خيرة علماء الإسلام وأحسنهم سلوكا ، وأفضلهم خلقا ، وقد عرفناه منذ كان طالبا بالدراسات العليا بجامعة الأزهر الشريف ، والأزهر حصن الضاد وعرين الدعوة وموئل الشريعة .

به صان الله أمة العرب من الشرك فى الدين ، ومن اللحن فى اللغة ومن الصد عن سبيل الله ، وقد رفع لواء التوحيد النقى ، ودافع عن الإسلام ونشر لواءه فى ربوع الدنيا كلها ، لا نجد فى قرية صغيرة ولا مدينة كبيرة فى شتى أنحاء العالم إلا وهناك عالم من علماء الأزهر ، تخرج فى أروقته ، وسمع من شيوخه وحمل إجازته .

والشيخ محمد علوى من هؤلاء العلماء الافذاذ الذين ترعرعوا فى جنبات الأزهر ، وحمل مع علمائه لواء الدفاع عن التوحيد الحقّ ، والسلوك الفاضل ، وتصدى بخلق فاضل وأسلوب مهذب غير عياب ولا شتام وسباب لمن انحرفوا عن الجادة مدعين الإسلام .

والذين يجاهدون فى سبيل الله عليهم أن يتأدبوا بأدب الإسلام : —

يحافظون على سمو مكارم الأخلاق التى جاء سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم ليتممها .

ويترفعون عن المراء والجدل وكثرة القيل والقال ، وفرط السؤال ، فقد نهانا حبيبنا ﷺ عن : القيل والقال وكثرة السؤال ، وإضاعة المال .

وأن يتلمسوا كل أمر يوحد بين المسلمين ويجمعهم ، ولا يفرقوا أو يشتتوا .

فإن الجهاد تبعة ثقيلة من تصدى لها عليه أن يتحلى بأخلاق أصحاب مولانا وسيدنا رسول الله ﷺ .

وكتاب الشيخ /محمد علوى (**مفاهيم يجب أن تصحح**) من الكتب العاقلة المهذبة التى ترد كيد الذين يحاولون وضع الغبش فى عيون المسلمين باسم الإسلام لدافع أنانى وفكرة سياسية مريضة عرفها المسلمون فى مشارق الأرض ومغاربها ورفضوها وقصمها الله عند من له ذوق إسلامى يحب الله ورسوله وجماعة المسلمين .

والشيخ الجليل الموقر ، ولا أزكيه على الله ، فهو حسبه وحسيبه من العلماء القلة الذين يجاهدون فى سبيل الحقّ على بصيرة وهدى ، وهو غنى عن التعريف .

وإنى لأسأل الله أن يحفظه بأدبه الجم وجهاده المخلص ، وأن يحرسه وأن يرفع عنه السوء والبلاء ، وأن ينشر به كلمة الحق والدين القويم .

وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين .

د / رؤف شلبي

وكيل الأزهر الشريف

تقريظ

العلامة الداعى إلى الله

السيد يوسف هاشم الرفاعى عضو مجلس الأمة

ووزير الدولة لشؤون مجلس الوزراء الكويتى سابقا

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله والصلاة والسلام على سيدنا وشفيعنا واسوتنا وإمامنا رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وصحبه ومحبيه ومن والاه .

وبعد : فى خضم الصحوة الإسلامية التى تعم العالم الإسلامى اليوم وفى معمعة المناقشات والمجادلات والمحاورات العارمة التى تشهدها المساجد والمعاهد والجامعات والمدارس فى بلاد المسلمين اليوم حول حقيقة وجوهر مذهب السواد الأعظم من أهل السنة كانت المكتبة الإسلامية والشباب المسلم فى أمس الحاجة إلى كتاب (**مفاهيم يجب أن تصحح**) الذى وفق الله تعالى سماحة أخينا الكريم السيد الدكتور العلامة الشريف محمد علوى المالكى حفظه الله تعالى لتأليفه ، فخرج إلى النور مشكاة يستضئ بها كل الطلاب .

ولا شك أن كل طالب حق سوف يسر بهذا السفر القيّم ، وكل معاند سوف تنهار حجته وتبطل لجاجته بعد أن بين السيد محمد علوى ما بين ، وأوضح ما أوضح مستندا بذلك كله إلى كتاب الله وسنة رسوله سيدنا رسول الله ﷺ ، وإلى أقوال وآثار السلف الصالح من هذه الأمة المحمدية الكريمة .

والله تعالى أسأل أن يكون الرجوع من الجميع بعد مطالعة هذا الكتاب القيم إلى الحق لأنه ديدن المؤمن ، كما ورد فى الأثر : الحكمة ضالة المؤمن أنى وجدها التقطها .

ولا شك أنه فى مواجهة أعداء الإسلام وأعداء أهل السنة اليوم المتكالبين علينا من كل مكان يقتضينا الصدع بأوامر الشرع الشريف ، والحزم والحكمة والعقل أن نتعاون ونتآلف ونتحابب ونحسن الظن ببعضنا بعضا ، ويكون شعارنا أن نتعاون فيما اتفقنا عليه ، وأن يعذر بعضنا بعضا فيما اختلفنا فيه ، حتى نسير بسفينة الإسلام إلى شاطئ العزة والكرامة والسلامة ، وبالله التوفيق .

وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم .

السيد يوسف هاشم الرفاعى
عضو مجلس الأمة ووزير الدولة
لشؤون مجلس الوزراء الكويتى سابقا
ورئيس لجنة الأقليات الإسلامية
فى العالم بالمؤتمر الإسلامى

تقـــريظ

فضيلة العلامة الدكتور عبدالفتاح بركة

الأمين العام لمجمع البحوث الإسلامية بالقاهرة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله القاهر فوق عباده وهو الحكيم الخبير ، والصلاة والسلام على الشاهد البشير النذير ، وعلى آله وأصحابه ذوى المقام الخطير ، ومن تبعهم ووالاهم إلى يوم الدين .. **وبعـد** :

فقد اطلعت على كتاب « مفاهيم يجب أن تصحح » للعالم العلامة المحقق الجليل السيد محمد علوى المالكى ، وهو ابن أستاذى وشيخى السيد علوى المالكى رحمه الله وأجزل فى العلماء العاملين مثوبته جزاءا ما قدم للعلم وأهله وللدعوة ورجالها .

وأعلم أننى لن أنهض فى بيان فضائل هذا الكتاب ، ولا فى بيان فضائل مؤلفه ، مما بذله من الجهد فى تحليل المشاكل ، وتقريب المسائل ، والتدقيق فى الفروع وربطها بالأصول ، أكثر مما أفاضت فيه هذه النخبة الفاضلة من العلماء الأجلاء ، وإنما يحدونى إلى الكتابة أن أنتسب إلى هذه الزمرة الخيرة ، وأضم صوتى إلى ندائهم العلوى بهذا الحق الصراح ، فأرفع من صوتهم وأكثر من سوادهم ، وأشرف بنصرة الحق والتواصى به معهم .

ومن الحق أن نقول : إن لدى الأمة الإسلامية من هموم العداوات الخارجية ما يكفيها ، وأعداؤها يتربصون بها ويكيدون لها ، ولا يملون ليلا ولا نهارا من تدبير المؤامرات ، واختلاق الذرائع والمبررات للإيقاع بالأمة الإسلامية ، ونبذها فى حالك الظلمات .

ولو اقتصر الأمر على ذلك فربما هان الأمر ، ووجدنا فى أنفسنا من المقومات ما يجعلنا نتصدى لهذه المؤامرات والمخططات ، ونرد سهامها إلى صدور أصحابها ، ولكن الأمر أوسع من ذلك ، فقد كان من تدبير هؤلاء الأعداء أن يشغلوا المسلمين بأنفسهم ، وأن يشعلوا بينهم نيران العداوة والبغضاء ، والتنابز والتدابر ، وقد نجحوا – أو كادوا – فى جميع الميادين ، ودب دبيب سمومهم إلى الفكر الذى يقوم عليه كيان الأمة ، وكل فرقة تقع فى غير ميدان الفكر الدينى فعلاجها قريب ، وتجاوزها يسير ، أما إذا اعتمدت الفرقة على قواعد نظرية ، وأصول فكرية ، فمن الصعب أن تجد لها علاجا شافيا ، أو دواء ناجعا ، خاصة إذا تسربت الخلافات إلى الأصول وتناولت العقائد ، فعندئذ تحار العقول وتثور الفتن ويضيع الرشاد .

وكل مخلص لدينه ، غيور على أمته ، عليه أن يبتعد عن هذه المزالق وينجو بنفسه من نيرانها ، ويحمى الأمة مما يحمله من شررها ، أو أن يكون عالما ثبتا ، بصيرا فى أمر نفسه ، وفى أمر الدعوة إلى الله بالحكمة والموعظة الحسنة فيعمل على إزالة الشبهات ، وإبطال أسباب الخلافات ، ويرد المسائل إلى أصلها النقى مبرأة من عوامل الفرقة ، وأسباب الشقاق ، حتى يمكن أن يعيد للأمة صحتها ، ويحفظ عليها وحدتها ، ويهىء لها أسباب عزتها وكرامتها .

وفى هذا الكتاب النفيس جهد كبير من عالم مدقق محقق يعمل به على جمع كلمة المسلمين ، ومحو آثار العصبية عند الاختلاف فى المسائل الفرعية والاجتهادية ، خاصة فيما يتعلق بتنابز بعض طوائف المسلمين فيما بينهم بالكفر أو بالشرك ، وما يتعلق ببعض الفرق الإسلامية كالأشاعرة والسلفية الحديثة ، وباستعمال المجاز العقلى وضرورة ملاحظته عند تطبيق المقاييس على ما يكون به الكفر والإيمان ، وكذلك بالنسبة لمعنى الشفاعة ، وزيارة قبر الرسول صلى الله عليه وسلم ، وغير ذلك من الموضوعات الحساسة .

وذلك من خلال محاور ثلاثة :

مباحث حول العقيدة ومقاييسها ، ومباحث نبوية ، ومباحث تتعلق بالحياة البرزخية ومشروعية الزيارة والمناسبات الدينية .

والمسلمون أحوج ما يكونون اليوم إلى رأب الصدع فيما بينهم ، والاجتماع على كلمة سواء يعذر فيها المسلم أخاه فيما يسعه الدين من اختلاف فى الرأى والاجتهاد والتواصى بالحق والتواصى بالصبر على مواجهة أعدائنا الحقيقيين الذين يكيدون للإسلام ليُطفئوا نور الله بأفواههم ، والله متم نوره ولو كره الكافرون .

وعسى أن يكون هذا الكتاب القيم إسهاما مباركا فى إزالة أسباب الخلف والاختلاف ، وتحقيق أسباب الألفة ، والائتلاف بين المسلمين .

والله من وراء القصد ، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين ، وعلى آله وصحبه أجمعين.

الأمين العام

لمجمع البحوث الإسلامية

(أ . د /عبدالفتاح عبدالله بركة)

تقريظ

رئيس قسم الحديث الشريف وبعض علماء الأزهر الشريف

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف المرسلين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين .

أما بعد :

فهذا بيان من علماء مجلس قسم الحديث النبوى بجامعة الأزهر الشريف بالقاهرة بشأن ما وصل إلى أيدينا وأيدى المسلمين من كتاب **(حوار مع المالكى)**

لقد عهدنا المملكة العربية السعودية مهد العلم ، ومهبط الوحى ، وعهدنا حكومتها الرشيدة وأسرة آل سعود أهل إيمان وإخلاص وأصحاب دعوة صادقة للوحدة والتضامن الإسلامى ، وما زالوا كذلك والحمد لله وسيظلون رافعين راية الحق والوحدة والتضامن حامين البقاع المقدسة ، وخادمين للحرمين الشريفين .

كما عهدنا وعهد الكثير منا ممن عمل أستاذا بكليات المملكة وممن ذهب إلى الحرم المكى ، عند ما يدخل من باب السلام حيث يشاهد أكبر حلقة علمية كبرى للحديث النبوى كان يفيض فيها سماحة الشيخ الوقور فضيلة الدكتور السيد محمد علوى المالكى ، وكنا نحن العلماء الذين عملنا بالتدريس هناك وذهبنا إلى الحرم المكى كنا نشاهد هذا المحدث الكبير الذى قيّضه الله تعالى لخدمة الحديث النبوى الشريف كما قيض والده من قبله ، فكان لهذا البيت فضل وأثر ، ومجد لا ينازع ، وأختص هذا البيت الكريم بالرواية الشفاهية لبعض الأحاديث النبوية التى يصل فيها السند الصحيح المتصل من هذا العالم الجليل فضيلة السيد /محمد علوى المالكى عن والده ،وعن شيخه وشيخ شيخه ، وهكذا إلى رسول الله ﷺ،

هذا إلى جانب مؤلفاته المتدفقة وعلمه الغزير وتلاميذه الكثيرين ومحبيه في شتى أنحاء العالم الإسلامى .

وهذا العالم الجليل مثله يعتبر ثروة علمية وروحية ورائدا من رواد الثقافة الإسلامية وإماما من أئمة الحديث الذين جمعوا إلى جانب علمهم عملهم وإخلاصهم نحسبه كذلك ولا نزكى على الله أحدا ، وما شهدنا إلا بما علمنا .

ولكن مما يؤسف له أن بعض الذين جرحوا هذا العالم الإمام المحدث الكبير لم يكونوا على صواب ، بل إنهم وقعوا في خطأ فاحش حيث وصل بالمعترضين على آرائه أنهم حاولوا أن يخرجوه عن حظيرة الإسلام مع أن جميع آرائه والتى قال بها من قبله أئمة كبار لهم قدرهم أمثال الإمام السيوطى وابن حجر والسبكى وغيرهم .

ولو أن المعترضين رجعوا إلى المراجع التى استقى منها فضيلته آراءه لوجدوا أنها صحيحة وأن له سندا من السنة ، وقال بها كثيرون من الأئمة والعلماء .

وأما بعض الآراء الغريبة التى نسبوها إليه وهو منها براء ، فإن فيها تدليسا وليست بآرائه وإنما حاولوا أن يحرفوا الكلم عن مواضعه ، فكيف يحكمون عليه بالكفر ؟ هلّا شقّوا عن قلبه ؟ .

لقد قرأنا كتبه ومؤلفاته فما وجدنا فيها شيئا مما أثاره الأستاذ الذى ألف كتاب (**حوار مع المالكى**) إلا العلم النافع والهدى الناجع ، وفضيلة الشيخ محمد علوى المالكى عالم متخصص فى الحديث النبوى ، وقد حصل على أعلى الشهادات العلمية من أقدم وأعرق الجامعات الإسلامية ، وهى : جامعة الأزهر ، وله مؤلفاته فى السنة ، وفى التشريع ، وفى حياة الرسول ﷺ ؛ وله أبناؤه وتلاميذه فى كل مكان ، وقد قرأنا له كتبه ، واستمعنا إلى أحاديثه وشاهدنا سلوكه وصلواته ومجالسه العلمية ، فوجدناه رجلا (أُمّةً) يقود أبناءه إلى العلم والعمل ، ويصنف كتبه بتوثيق علمى وأمانة .

إنه من أعظم العلماء الذين تفخر بهم المملكة العربية السعودية ، بل يفخر به كل إنسان مسلم وكل عالم مسلم .

إننا نناشد صاحب كتاب (حوار مع المالكى) وأمثاله أن يتوبوا إلى الله تعالى ، فقد باءوا بذنب كبير فى رميهم وتجريحهم لهذا الإمام الكبير والمحدث العظيم واتهامهم وبهتانهم ، لأن الإسلام نهى عن تكفير المسلم لأخيه ، لأن الإيمان محله القلب ، والكفر أيضا كذلك فى القلب ، ولا يطلع على ما فى القلوب إلا علام الغيوب ، ولقد نعى الرسول ﷺ على أسامة بن زيد قتله لرجل ألقى إليه السلام ، وأمر الإسلام بالتبين ، قال الله تعالى :

﴿يا أيها الذين آمنوا إذا ضربتم فى سبيل الله فتبينوا ولا تقولوا لمن ألقى إليكم السلام لست مؤمنا تبتغون عرض الحياة الدنيا﴾ سورة النساء : (٩٤) .

ولم يقبل الرسول عليه الصلاة والسلام اعتذار أسامة ، وقال له : «هلا شققت عن قلبه» .

ويقول الرسول ﷺ . «أيما امرىء قال لأخيه : ياكافر ، باء بها أحدهما» ، وفى رواية : «من دعا رجلا بالكفر أو قال عدو الله ، وليس كذلك إلا حار عليه» أى رجع . رواه مسلم .

ويقول أيضا : «ثلاثة من أصل الإيمان : الكف عمن قال : لا إله إلا الله لا نكفره بذنب ولا نخرجه من الإسلام بعمل» . رواه أبو داود وسعيد بن منصور وله شواهد .

هذا هو حكم الإسلام بنص القرآن والسنة ، فكيف ساغ لمؤلف كتاب الحوار وأمثاله أن يقعوا فى هذا البهتان والعدوان ، ﴿إن الله لا يحب المعتدين﴾ .

وكيف حدث منهم هذا التكفير مع عالم طبقت شهرته الآفاق وسارت كتبه الموثقة ، ومصنفاته المحققة فى العالم الإسلامى سير الضوء فى الآفاق ؟ .

سبحانك هذا إفك عظيم ! إننا نناشد هؤلاء الذين وقعوا فى هذا الخطأ الفاحش ، والجريمة الكبرى أن يثوبوا إلى رشدهم وأن يتوبوا إلى الله تعالى ، وأن يرددوا شهادة التوحيد والتوبة النصوح مما اقترفوه .

فقد اشتمل كتاب ابن منيع على اعتداء وبهتان على شخص فضيلة السيد محمد علوى المالكى واعتداء على علمه وعلى نسبه الشريف ، ووقع هذا المؤلف فى سباب ، والرسول ﷺ يقول : «سباب المسلم فسوق وقتاله كفر» .

«كتاب الحوار عون للصهيونية وأعداء الإسلام»

وفى رأينا – نحن علماء الأزهر – أن كتاب (حوار مع المالكى) ، وأمثاله يجب أن يصادر ولا يقرأه مسلم ، لأنه يفرق كلمة المسلمين ، فآراء الشيخ المالكى التى حاول صاحب هذا الكتاب تسفيهها أراء علمية ومحترمة ، ولها فى القرآن والسنة أصل ، وقال بها :أئمة وعلماء لهم وزنهم .

ومثل هذا الكتاب ، أكبر عامل من عوامل تفريق المسلمين ومساعدة للصهيونية والشيوعية العالمية وأعداء الإسلام .

إن كتاب (حوار مع المالكى) أكبر معول هدم لضرب وحدة علماء المسلمين وتمزيق كلمتهم ، وفى هذا خطر على الدعوة الإسلامية ، وعلى التضامن الإسلامى ووحدة الكلمة ، فكم فى كتب الفقه والمذاهب ، وفى التفسير وشروح السنة آراء متعددة ، ولكل مذهب منهجه ودليله ، ومع هذا فلم يسفه أحدٌ أحدا ولم يحكم أحد على أحد بالكفر لأنه لا يطلع على القلوب إلا علام الغيوب .

إن هذا الكتاب وإن موقف مؤلفه ومن لف لفه من العالم الداعية الشيخ محمد علوى المالكى ، إنما هو عون لتحقيق المخططات الصهيونية العالمية والشيوعية والالحاد وسائر أعداء الإسلام الذين يسعون بكل حيلة وبكل وسيلة لتفرقة المسلمين ، وتمزيق شملهم .

وإذا كان التفرق من علماء الإسلام أنفسهم ومن تكفير بعضهم لبعض ، فهذا منتهى ما يصبوا إليه أعداء الإسلام ويسعون إليه بكل حيلة .

إن هدف الاستعمار قديما (فرق تسد) ، وإن هدف الاستعمار الثقافى والغزو الفكرى حديثا هو ضرب الثقافة الإسلامية فى شخص العلماء والدعاة ، ومثل هذا الكتاب ضربة فى الصميم لطعن وحدة المسلمين وعلمائهم .

كتاب «حوار مع المالكى» وأمثاله طعنة للإسلام فى مقتل

إن مؤلف هذا الكتاب ومن يقول بقوله قام بمهمة تمزيق الكلمة ، وعمّق الخلاف بين المسلمين .

فإذا كانت الصهيونية العالمية والشيوعية الملحدة والاستعمار يبذل هؤلاء جهودا لتفريق كلمة المسلمين ، وبعض المسلمين يجاهدونهم ، فماذا يصنع المسلمون حين يرون بعض العلماء يجهّل بعضا ويكفر بعضا ؟ .

إن مخطط العلمانية الحديثة بالتعاون مع الشيوعية أن يفصلوا الدين عن الحياة ، بحجة أن الإسلام ما عاد ينفع المسلمين ، وإن الطريق إلى هذا – كما يرى كبار الشيوعيين – الطريق إلى فصل الدين عن الدولة هو التشكيك فى الإسلام نفسه ، ولا يتأتى التشكيك فى الإسلام إلا عن طريق التشكيك فى علماء الإسلام وكبار دُعاته الذين يقتنع الناس بهم ويلتفون حولهم فإذا فقد الناس الثقة بهؤلاء العلماء فقدوا الثقة بما يقولون ، وحينئذ يكونون قد نجحوا فيما أرادوا .

كتاب الحوار وأمثاله يمثل هذا الدور فى زعزعة الثقة بالعالم الكبير والمحدث الثقة الذى يجاهد فى سبيل نشر العلم بالقدوة قبل القول

هل تساعد يا ابن منيع أعداء الإسلام فى طعن علماء الإسلام ؟ أولى بك وبأمثالك أن يجاهدوا أعداء الإسلام الذين حاربوا العقيدة ، وأن تجاهد الملاحدة والصهيونية والماسونية والبهائية والقاديانية والشيوعية وغيرها ، لا أن تقف حجر عثرة

فى طريق عالم طبقت شهرته الآفاق وخدم الإسلام بسلوكه وعلمه ومؤلفاته
إن وحدة المسلمين واجب مقدس ، وإن من حاول ضربها وجب على المسلمين أن يوقفوه لأنه يريد تفريق الأمة وتمزيق وحدتها .

وقد اشتمل كتاب الحوار ، على سب وقذف ، لو طبّق حكم الشريعة الإسلامية فى صاحبه لوجب أن يجلد ثمانين جلدة وألا تقبل له شهادة .

وإننا نهيب بعلماء الإسلام فى شتى أنحاء المعمورة وبعلماء المملكة بصفة خاصة أن يوقفوا مثل هذا التفسخ والتمزق ، فقد عهدنا المملكة العربية السعودية بلد التضامن الإسلامى ، ومهد العلم ومهبط الوحى ، وملتقى الفكر الاسلامى الذى يوحد ولا يفرق.

وكلنا نحن – علماء الإسلام – نعلق كبير الآمال على جلالة الملك المفدى وحكومته الرشيدة أن يضربوا على أيدى العابثين بوحدة الأمة الإسلامية ، والمفرقين لكلمة العلماء .

ونناشدهم أن يجمعوا بين العالم الكبير المحدث الداعية فضيلة السيد محمد علوى المالكى وبين علماء المسلمين وطلابه ومحبيه فى الحرم المكى ، حتى يزيد النفع به وبعلمه . وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم .

توقيعات عن علماء مجلس قسم الحديث بجامعة الأزهر بالقاهرة

وبعض كبار علماء الأزهر .

د . أحمد عمر هاشم	**فضيلة الشيخ محمد السنراوى**
رئيس مجلس قسم الحديث سابقا	**المفتش الأول بالأزهر**
وعميد كلية أصول الدين بالزقازيق	**والمستشار الدينى بمحافظة الفيوم**

د . عبدالغنى الراجحى

أستاذ الدراسات العليا بجامعة الأزهر

تقريظ مفتى السودان

سماحة الفقيه العلامة الشيخ سيد أحمد العوض

رئيس مجلس الإفتاء الشرعى

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين ، مولى النعم ومنشىء الخلق من العدم ، والصلاة والسلام على أكرم خلق الله على الله سيدنا محمد بن عبدالله – أرسله ربه رحمة للعالمين – وعلى آله وأصحابه أجمعين .

أما بعد : فقد هيئت لى الفرصة – والحمد لله رب العالمين – للإطلاع على الكتاب الذى ألفه العالم المحقق والشريف السيد / محمد بن علوى المالكى المكى الحسنى – خادم العلم بالحرمين الشريفين – والذى سماه : – «**مفاهيم يجب أن تصحح**» ، تعلقت هذه المفاهيم بأمور ثلاثة ضمنها مؤلفه فى أبواب ثلاثة : –

إشتمل الباب الأول منها على المباحث المتعلقة بالعقيدة – بين الأدلة والبراهين فى هذا الباب فساد مقاييس التكفير والتضليل اليوم .

وفى الباب الثانى بيّن كذلك المباحث النبوية المشتملة على خصائص النبى ﷺ وحقيقة النبوة وحقيقة البشرية ، ومفهوم التبرك بالنبى صلى الله عليه وسلم وبآثاره ، وجاء فيه بالأدلة والبراهين القاطعة الواردة عن الصحابة ومن بعدهم من علماء الأمة الأجلاء .

وتعرض فى الباب الثالث لمباحث تكلم فيها على الحياة البرزخية ، ومشروعية الزيارة النبوية ، وما يتعلق بها من الآثار والمشاهد والمناسبات الدينية ، وغير ذلك مما له تعلق بهذا المقام ، فحقق ودقق وأصلح الأفهام .

إن الذين يتعرضون اليوم لنصح المسلمين بالأمر والنهي ، اختلطت عليهم مقاييس التكفير والتضليل ، فسارعوا إلى تكفير المسلمين ووصفهم بالشرك المبين اعتمادا على أن من قارف أمرا من هذه الأمور المذكورة في الأبواب الثلاثة على خلاف فهمهم المبني على مذهبهم ، فقد خرج عن الدين ، إن الأستاذ الكبير والعالم النحرير السيد العلوي خادم العلم والدين بالحرمين الشريفين ، قد صحح في كتابه : **«مفاهيم يجب أن تصحح»**

قد صحح هذه المفاهيم ، وأجلى عنها الغموض ، وفسرها تفسيرا واضحا مبنيا على النصوص الواردة في الكتاب والسنة ، وشرح علماء الملة لها بالتفصيل والتدليل .

فعلى الذين يتعرضون لنصح المسلمين وتبصيرهم بأمور الدين أن يطلعوا على هذا الكتاب النفيس ، ليكونوا على عمل تام بهذه الحقائق ، ولا يسارعوا بوصف الكفر والضلال على أهل الملة السمحة والحجة البيضاء – جزاه الله خير الجزاء – فقد أحسن ، ﴿للذين أحسنوا الحسنى وزيادة﴾ .

وصلى الله وسلم على سيدنا محمد النبي الأعظم ، وعلى آله وصحبه ذوي الفضل والكرم .

حرره في ١٥ ربيع ثاني سنة ١٤٠٧هـ

الموافق ١٧ ديسمبر سنة ١٩٨٦م

سيد أحمد العوض مدني

قاضي المحكمة العليا – جمهورية السودان

ورئيس مجلس الافتاء الشرعي

تقريظ

الأستاذ الدكتور حسن الفاتح قريب الله

مدير الجامعة الإسلامية

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على أشرف المرسلين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه ، ومن اهتدى بهديه ، واتبع نهجه وتأسى به إلى يوم الدين .

أما بعد :

فلبيت السيد محمد علوي المالكي شهرة كبيرة ، ومكانة عالية ، تصدرها أهلوه بالعلم والخلق والالتزام الجاد بالدعوة إلى الله على منهج القرآن الكريم والسنة المطهرة ، يزينهم نسب عال يجمعهم بالمصطفى ﷺ ويميزهم حب عميق للبلاد المقدسة واحترام واكبار للمسئولين عنها ، وعلى رأسهم خادم الحرمين الشريفين .

لقد تسنم أهل البيت ذرا المجد ووهبوا حياتهم للدين يذودون عن حياضه ، وللمملكة يذبون عنها أذى المعتدين – وما أهونهم – وجهالة الأصدقاء من متلفعي ثوب العلم والدين ، وما أحمقهم ، وما هذا البحث الذي أشرف بالكتابة عنه الآن إلا دليل على صدق ما أقول ، فقد انبرى لتأليفه علم بارز من هيئة كبار علماء الإسلام صحح فيه مفاهيم كاد يطمسها الجهلاء ، وأبان فيه حقائق كاد يضفي عليها الغير ضبابا كثيفا ، على أنه بالاضافة إلى هذا وذاك ربط المملكة بمركب العلماء وأبعدها – موفقا – عن العزلة التى كان يسعى البعض – مدحورا – لفرضها عليها .

لقد أبان الكاتب في مؤلفه فساد مقاييس التكفير والتضليل التي ينفثها أدعياء العلم ليباهوا بتقليل المسلمين لا بكثرتهم ؛ وليبذروا الفتنة بين صفوفهم متشبثين تارة بمسائل شكلية ، وأخرى بمواضيع اختلف حولها العلماء مما جعل صوتهم بين الأصوات نشازا وفكرهم بين الأفكار .

لقد ظلم التصوف من بعض أولئك الأدعياء ، فألصقوا به وبأهله تهما هم منها براء ، وشانئوهم بها أحق و أولى ، فكان ولا بد إذن من أن يدخل حلبة الصراع عالم يعرف كيف يجادل ، وخبير يدرك كيف يقاتل ، إذ الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر لا يكون في المسائل الخلافية على أنه إن كان للقلة سبب للتعصب فللكثرة الغالبة من المسلمين سبب أقوى لتأصيل المفاهيم الصحيحة القائمة على الفهم الواعي لكتاب الله وسنة رسوله عليه أفضل الصلاة وأزكى التحية .

إننا نعرف التصوف – كما يقول المؤلف – مدارس علمية ومعارف فكرية ، وهي كلها بمناهجها وبرامجها وطرقها تمثل الأفق الأعلى للفكرة الإسلامية ، والوجه الأكمل لآدابنا ومثالياتنا ، تمثل الكمال فى الإيمان والكمال في كل شأن من شئون الحياة ، تمثل الخلاصة الزكية لكل دعوة ربانية ، إنه الصدق والأمانة والوفاء والإيثار والنجدة والكرم ونصرة الضعيف وإغاثة الملهوف ، والتعاون على البر والتقوى والتواصى بالحق والصبر ، والتسابق إلى فعل الخير ، إنه الخلق القويم الصحيح ، وهو الشخصية الإسلامية في أبهى حلة وأكمل صفة ، وأعلى وأطهر نموذج .

أما أهل التصوف كما يقول الإمام الغزالي فى كتابه المنقذ من الضلال : هم السالكون لطريق الله تعالى خاصة ، وإن سيرتهم أحسن السير وطريقهم أصوب الطرق ، وأخلاقهم أزكى الأخلاق ، بل لو جمع عقل العقلاء وحكمة الحكماء وعلم الواقفين على أسرار الشرع من العلماء ليغيروا شيئا من سيرهم وأخلاقهم بما هو خير منه لم يجدوا إليه سبيلا ، فإن جميع حركاتهم وسكناتهم في ظاهرهم وباطنهم مقتبسة من نور مشكاة النبوة ، وليس وراء النبوة على وجه الأرض نور يستضاء به .

ذلكم هو التصوف الذي عرفه السلف ، وتلك هي سيرة الصوفية كما عرفها الخلف ، لقد كانت مظاهر التصوف ، وماتزال هي حب الرسول ﷺ والتعظيم له وزيارته والتبرك بآثاره ، وآثار من تأسوا به ، أما حقيقته فهي أن يعبد الفرد الله كأنه يراه ، فإن لم يكن يراه فليعلم أن الله يراه .

على ضوء ذلك المفهوم القائم على الكتاب والسنة صاغ المؤلف كتابه ، فكان للعلماء حجة ، وللمتعلمين نورا وضياء ، لقد امتاز الكتاب بالمنهج العلمي السليم والأسلوب السهل الممتنع ، والمعلومات الثرة والبراهين الساطعة والحجج الدامغة زاد الله كاتبه توفيقا ، وقارئه هداية ، وشانئه رجسا إلى رجسه .

وآخر ما نقول هو : ﴿وما لنا لا نؤمن بالله وما جاءنا من الحق ونطمع أن يدخلنا ربنا مع القوم الصالحين﴾ .

الأستاذ الدكتور

حسن الفاتح قريب الله

مدير جامعة أم درمان الإسلامية

جمهورية السودان

تقـريـظ

العلامة الأديب الكبير الأستاذ أحمد عبدالغفور عطار

من كبار أدباء المملكة والحائز على جائزة الملك فيصل

العالمية فى الأدب العربى

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على أشرف المرسلين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين . **أما بعـد** :

فقد أهدى إلى صديق عزيز كتاب **(مفاهيم يجب أن تصحح)** ، وهو آخر ما صدر لفضيلة العلامة الجليل السيد محمد بن علوى بن عباس المالكى ، وطلب منى هذا الصديق أن أبدى رأيى فى الكتاب ، وهأنذا أجيبه فأقول :

كان فى التقريظات التى كتبها علماء ذوو مناصب دينية رفيعة ، وعلم غزير نافع وجهاد فى سبيل الحق كالأستاذ عبدالله كنون الحسنى رئيس رابطة علماء المغرب ، والشيخ محمد الخزرجى وزير الأوقاف والشئون الإسلامية بدولة الأمارات العربية ، والشيخ محمد الشاذلى النيفر عميد كلية الشريعة بتونس ، والشيخ محمد سالم عدود رئيس المحكمة العليا بجمهورية موريتانيا الإسلامية ، وفى المقدمة التى كتبها الشيخ حسنين محمد مخلوف مفتى الديار المصرية السابق وعضو جماعة كبار العلماء بالأزهر الشريف غناء أى غناء ، إلا أن الصديق رجا أن يسمع رأيى - وقد سمعه بعد قراءتى للكتاب - وأن يقرأه مكتوبا ، وأن آذن له فى أن يقدمه للمؤلف يتصرف فيه كما يريد ، وقد فعلت ، وإنى لسعيد أن يكون لرأيى هذا القدر من الاهتمام الذى تعودته كتاباتى من القراء ، فأنا لا أكتب إلا الحق الذى أدين به .

قرأت كتاب **«مفاهيم يجب أن تصحح»** فإذا مؤلفه العلامة البحاثة لا يكتب ما كتب ابتغاء الجدل مع من يخالفونه فى بعض آرائه أشد المخالفة التى تصل إلى حد التكفير ، وإنما كتب مؤلفه ابتغاء تقرير الحق متخذا أسلوب الحكمة والعفاف غير متورط فى سباب أو قذائف يقذفها على مخالفيه ، فما بكتابه كلمة نابية ولا تجريح ، وإنما به عرض لما لديه من علم أكثر مما لديه من رأى خاص به .

إن المؤلف الفاضل النزيه لم يقصد أن يفرض رأيه على القارىء ، ولهذا ابتعد فى بحثه العلمى الإسلامى عن حقل آرائه الخاصة مع سدادها وبحرية الصواب فيها ، لأن الرأى قابل لأن يكون خطأ قبوله لأن يكون صوابا .

وليضمن المؤلف لكتابه النزاهة جنبه الرأى وبناه على الحق الذى يصدر من الكتاب والسنة شريعة وعقيدة وسلوكا واجتماعا وآدابا وعلوما .

وهذا الحق فى الإسلام ليس مغلقا ولا حكرا ، ولا حجرا محجورا على أحد ، بل من حق أهل العلم بحثه ، واستنباط أحكام منه ، وطبيعى أن تختلف وجهات النظر فى فهم بعض النصوص كبعض الآيات وبعض الأحاديث .

ونجد بين الأئمة الأعلام اختلافا مثل اختلاف فى فروض الوضوء اختلافا شديدا ، فعند السادة الحنابلة - مثلا - من نواقض الوضوء : أكل لحم الجزور ، وعند غيرهم ليس بناقض بتة ، فالمسلمون - إلا الحنابلة - يكونون متوضئين ويأكلون لحم الجزور ثم يقومون إلى الصلاة يؤدونها ، والصلاة عمود الدين ، وهى أعظم أركان الإسلام بعد الشهادتين .

فصلاة المسلمين هؤلاء ووضوءهم منقوض ليست صحيحة إذا أخذنا بمذهب الحنابلة الذى أباه الأئمة الثلاثة : أبو حنيفة ، ومالك ، والشافعى رحمهم الله ، ورحم أحمد بن حنبل .

وهذا الخلاف الشديد لم يخرج إلى أن يكفر الأئمة بعضهم بعضا ، وهناك ضروب كثيرة من مثل هذا الخلاف الذى يجب ألا يحملنا على تبادل القذائف والتهم والتكفير .

ولقد أحسن العلامة الجليل السيد محمد علوى المالكى الحسنى فى كتابه القيم النفيس «**مفاهيم يجب أن تصحح**» ومن خير مزايا المؤلف القدير اتخاذه أسلوب الحكمة فنزه كتابه من السباب متوخيا أن يدعو إلى الحق والخير والجمال والفضيلة ، بأسلوبه الرائع الجميل الذى ينم عن خلق بيت النبوة وآل البيت الكرام الأبرار .

وموجز رأيى وقولى فى الكتاب : أنه تبيان للحق يوضح منهج المؤلف فى الفكر الدينى ومعدن فكره الدينى نفسه ، وإنه لمعدن نفيس ، ولقد أحسن فيما صحح من مفاهيم استقبله أكابر أهل العلم والفضل بحفاوة ورضا يتجليان فى «التقريظات» التى شهدت للكتاب ومؤلفه ، شهادة نشاطر أصحابها فيما شهدوا ، ونشاركهم فى الحفاوة التى يستحقانها ، ونشكر للعلامة الجليل الداعية الإسلامى الكبير السيد محمد علوى المالكى الحسنى جهوده المباركة فى خدمة الإسلام ورسوله سيد الأنام محمد عليه أفضل الصلاة وأزكى السلام ، كما نشكر له جهاده الصادق فى الدعوة إلى الله ، ذلك الجهاد الذى كان ثمراته تثبيت الإسلام فى شرق آسيا وجنوبها ، وإعلاء كلمة الله فى أقطار كثيرة من أقطار العروبة والإسلام ، فجزاه الله كل خير ، ونفع بخلقه العظيم وعلمه الغزير وفضله المدرار .

مكة المكرمة **أحمد عبدالغفور عطار**

تقريظ

العلامة الشيخ يوسف بن أحمد الصديقى
القاضى الوكيل لمحكمة الاستئناف العليا الشرعية بدولة البحرين
وعضو الرابطة الاسلامية بمكة المكرمة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وقائد الغرة المحجلين سيدنا محمد حبيبنا وشفيعنا وطبيب قلوبنا صلاة وسلاما دائمين ما تعاقب الليل والنهار وعلى آله الأطهار وصحابته الأخيار .

أما بعد : فقد اطلعت على كتاب عظيم بعنوان : (مفاهيم يجب أن تصحح) لمؤلف كريم سليل العترة الطاهرة النبوية ألا وهو العلامة الفاضل السيد محمد علوى المالكى ، فوجدته كتابا حاويا لمعان جليلة وأهداف سامية وأدلة واضحة لا سيما فيما أشار إليه من جواز التبرك بالآثار الشريفة والتوسل بالذات المحمدية وشد الرحل لمسجده العظيم والمثول أمام القبر الشريف الكريم ، وقد عضده بالأدلة من الكتاب والسنة ومن أقوال العلماء البارزين فى هذا المضمار سلفا وخلفا .

فجزاه الله مؤلفه خير الجزاء وأجزل له المثوبة دنيا وأخرى ورزقنا الله وإياه محبة نبيه الكريم والاقتداء على أثره القويم وأماتنا على سنته وحشرنا تحت لوائه يوم الدين .

هذا وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وأتباعه إلى يوم الدين .

كتبه :
يوسف بن أحمد الصديقى فى ١٣ شعبان ١٤٠٥هـ
القاضى الوكيل لمحكمة الاستئناف العليا الشرعية
بدولة البحرين
وعضو المجلس التأسيسى للرابطة الاسلامية

مختصر تقاريظ علماء اليمن

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على أشرف المرسلين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين .

أما بعد : فقد اطلع علماء اليمن على كتاب «**مفاهيم يجب أن تصحح**» لمؤلفه العلامة الحجة فضيلة السيد محمد علوى المالكى ، فأقروه وقرروه وقرظوه ووجدوه أحسن مؤلف وأجوده فى مواضيعه ، قرب مؤلفه فيه عقيدة السلف والخلف ، وبين فيه ما اشتبه على الناس من غوامض ، وما شرد عن أذهانهم من شوارد ، فهو عقد فريد على جيد كتب أهل السنة قديمها وحديثها نثيرها ونظيمها فريدا فى بابه وافيا ببغية طلابه موافقا لعقائد أهل السنة التى يجب اعتقادها فجزاه الله عن الإسلام والمسلمين خير الجزاء .

١ ـ مفتى الجمهورية اليمنية – السيد أحمد بن محمد زبارة .
٢ ـ مفتى لواء تعز السيد إبراهيم بن عمر بن عقيل .
٣ ـ الشيخ أسد بن حمزة بن عبدالقادر صدر علماء زبيد .
٤ ـ الشيخ أحمد داود من علماء اليمن .
٥ ـ السيد عبدالهادى عجيل رئيس الانقاذ الإسلامى اليمنى .
٦ ـ رئيس المركز الإسلامى بتعز محمد حزام المقرمى .
٧ ـ الشيخ أحمد على الوصابى عامل وصايا قضاء زبيد .
٨ ـ مفتى زبيد السيد محمد بن سليمان .
٩ ـ الشيخ عبدالكريم بن عبدالله .
١٠ ـ الشيخ حسين بن عبدالله الوصابى .
١١ ـ الشيخ السيد محمد على البطاح .
١٢ ـ مفتى لواء الحديدة محمد على مكرم .
١٣ ـ مدير المعاهد العلمية بصنعاء الشيخ محمد بن على المنصور .

تقريظ
العلامة المحدث المحقق الفقيه الشيخ محمد الشاذلى النيفر
عميد كلية الشريعة بتونس سابقا وعضو رابطة العالم الإسلامى بمكة المكرمة

بسم الله الرحمن الرحيم

يجتاز العالم الإسلامي فى عصرنا الحاضر أزمة الحملات العديدة التي يقوم بها المناوئون للإسلام ، وأشدها ما يحوكه الصهاينة من وسائل تنخر في جسم المسلمين كما ينخر السوس الخشب فهي غير ظاهرة للعيان مثله علاوة على نكايتهم في فلسطين تلك النكاية التى تخرّ إلى العظم .

وفي جانب آخر الصليبية وحملاتها القاسية في محاربة الإسلام في بقاع الأرض عاملة ليلا ونهارا لحسر الإسلام في أضيق مكان أو القضاء عليه ، ويعاون كلا من الصهاينة والصليبيين حركات أخرى فالحملات العديدة عنيفة يقاسى منها المسلمون ما يقاسون حتى أنها لبّست على البعض أفكارهم فجاروهم في أفكارهم كمن يتناول السم ويظنه الدواء الشافى ، فهؤلاء الذين ينعقون باسم الاصلاح والتقدمية لم يكفهم أنهم مسمومون حتى ارغموا المسلمين على تلك السموم إذ ساعدتهم الظروف المعوجة على الحكم ، ورفعوا عقيرتهم بالدعوة لما يسمونه بالاصلاح والتقدمية كي يغزوا العالم الاسلامى ، إنها حرب شعواء تقض المضاجع وتدر المدامع ، ونحن فى أكثريتنا ساهون مشتغلون بعضنا بعضا كما هو الواقع في الحروب الساخنة بين المسلمين أو الحروب الباردة العامة المنتشرة بين الدول والنابعة من بعض المغرورين المسمومين من تلك الحملات يدعونا الواقع المؤلم أن نلتفت إلى مقاومة تلك الحملات الشعواء حتى ندرأ عن أنفسنا خطرها المحدق عوض أن نحارب أنفسنا بأنفسنا مثل هذه الحملة على الأشعرية التى لا مبرر لها لأننا إذا نظرنا إلى الأشاعرة صح عندنا أنهم على السنة التى تركنا عليها النبى ﷺ ، والتى ليلها كنهارها ، ورحم الله تعالى الإمام ابن عساكر حين تصدى لإيضاح الأشعرية في وجهها الحقيقى في كتابه الشهير «تبيين كذب المفترى فيما نسب للإمام أبى الحسن الأشعرى» فإنه وضح أنها الوسط

وخير الأمور الوسط بين التعطيل والتشبيه ، وقد ألهم الله الأشعرى إلى نصرة السنة بحجج العقول فانتظم شمل أهلها فأثبت لله سبحانه وتعالى ما أثبته لنفسه من الأسماء والصفات ، ونفى عنه ما لا يليق بجلاله ، فالأشعرية كما قيل : —

الأشعرية قوم قد وفقوا للصواب
لم يخرجوا في اعتقاد عن سنة وكتاب

ويكفى مذهبه صحة أن النبغاء من العلماء يكادون كلهم أن يكونوا أشعرية حتى قبل ظهوره لأنهم على طريقة السنة ثم بعد ظهوره تقلدوا مذهبه ، وإن لم يكونوا كلهم فأكثريتهم .

وهذا ما أبداه ابن عساكر في (تبيين كذب المفترى) في (باب ذكر جماعة من أعيان مشاهير أصحابه) إذ كان فضل المقتدِى يدل على فضل المقتدى به ويكفيه أن من مقلديه القاضي أبابكر بن الطيب بن الباقلانى البصرى صاحب التصانيف المشتهرة في الرد على المخالفين حتى إن أبا الحسن التميمى الحنبلى كان يقول لأصحابه : تمسكوا بهذا الرجل ، فليس للسنة عنه غنى أبدا .

وكذلك من رجاله الفحول الحاكم النيسابورى صاحب المستدرك على الصحيحين وابن فورك وأبو إسحاق الاسفرايني والحافظ الأصفهانى وأبو محمد القاضى عبد الوهاب البغدادى الفقيه المالكى ، وكتبه أشهر من نار على علم وقد اعتنى بأحدها الإمام المازرى وهو كتاب التلقين . والمحدث الشهير الحافظ أبو ذر الهروى المالكى والحافظ أبوبكر البيهقى والحافظ أبوبكر الخطيب البغدادى ، والإمام أبو المعالى الجوينى وأبو الحسن الطبرى والكيا الهراسى والإمام الشهير حجة الإسلام أبو حامد الغزالى .

ومنهم من أهل المغرب الإمامان الشهيران أبو الحسن القابسى والإمام المازرى .

وتتبع هؤلاء إنما هو استيعاب علماء المسلمين فإذا كان هؤلاء على ضلال فقد اجتمعت الأمة على ضلال ، وفى ذلك تكذيب لحديث رسول الله ﷺ الذى رواه سيدنا أنس رضي الله تعالى عنه : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :

إن أمتى لن تجتمع على ضلالة فإذا رأيتم اختلافا فعليكم بالسواد الأعظم .

رواه ابن ماجه أحد أصحاب الكتب الستة .

ومثله الحملة على المولد النبوي الشريف مع أننا إذا حققنا النظر نراه ليس من البدع ، بل هو أمر مقصود منه تعظيم يوم مولد النبى ﷺ اقتداء به في تعظيم نجاة موسى عليه السلام في يوم عاشوراء .

ولتحاش زيادة عيد في أعياد المسلمين لم يسم المسلمون ميلاده ﷺ بعيد الميلاد ، بل سموه يوم المولد ولله درهم في ذلك .

وقد أزال الشبهة الإمام الجليل السيوطى في كتابه (حسن المقصد في عمل المولد) .

فهذه مفاهيم يجب تصحيحها ، وكذلك غيرها وهو ما اعتنى به فضيلة العلامة الدكتور محمد علوي المالكى في كتابه الحافل (مفاهيم يجب أن تصحح).

وقد حقق الكثير من هذه المفاهيم التي أثيرت حولها حملات وأبان فيها الوجه الصحيح فهو حرى أن تتوقف عنده الأنظار لتحرير المواقف كالقضيتين المشار إليهما .

ونأمل أن هذه الحملات تنتهى بعد اتضاح ما يجب أن يصحح ، وأن تتجه الأقلام للطعنات الموجهة إلى الإسلام حتى ننقذ الكثير من الذين أضلتهم تلك الأقوال المزخرفة ، وبذلك نكون من الذين دافعوا بأقلامهم وأفكارهم عن حوزة الدين .

نسأله سبحانه وتعالى أن يجعلنا جميعا من الذين يستمعون القول فيتبعون أحسنه .

محمد الشاذلى النيفر
عميد كلية الشريعة بتونس سابقا
وعضو مجلس الأمة التونسى
وعضو رابطة العالم الإسلامي بمكة المكرمة

تقريظ

العلامة الفقيه الشيخ محمد فال البنانى
الأمين العام للرابطة الاسلامية الموريتانية
وعضو رابطة العالم الاسلامى بمكة المكرمة

بســم اللّه الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين القائل فى كتابه المبين :
﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾.
والقائل : ﴿ولا يغتب بعضكم بعضا أيحب أحدكم أن يأكل لحم أخيه ميتا فكرهتموه﴾ .
والقائل : ﴿والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض﴾ .
والصلاة والسلام على أشرف المرسلين قائد الغر المحجلين من روى عنه :
« المؤمن بأخيه كثير » .
« المؤمن أخو المؤمن لا يظلمه ولا يسلمه لمن يظلمه » .
« مثل المؤمنين فى توادهم وتراحمهم كمثل الجسد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى » .
« المؤمنون كالبنيان المرصوص يشد بعضه بعضا » .
« لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ، وكونوا عباد الله إخوانا » . إلى غير ذلك مما يدعو إلى التآلف والتحابب والتآخى وحسن الظن باللّه وبعباد الله .

أما بعد : فقد طالعت باهتمام بالغ كتاب (مفاهيم يجب أن تصحح) للعلامة الأديب الحديثى واللغوى الأريب أبى الأعلام النجباء والسادة النقباء الشريف ابن الشرفاء السيد محمد علوى المالكى مولدا ووطنا ، فوجدته حزّ فى المفصل فى كل

المسائل التى حرر ، حيث أنه جلب عليها من النصوص والأدلة ما لم تبق معه شبهة فى قلب من له مسكة من العلم والإنصاف ، ولا غرابة إذ هو عذيقها المرجب وجذيلها المحكك وابن عذيقها وجذيلها .

فعندئذ حدا بى أسلوبه الشيق ، وترتيبه وبحثه للمواضيع ، وتحقيقه مناطها إلى أن أدليت بدلوى فى تقريظه مساهمة فى رد المناوئين له إلى صوابهم حيث أننى أرأب بهم عن تكفير مسلم بمسائل غير مجمع عليها وأجمعوا على أن المسلم إذا صدز منه قول أو فعل يحتمل الردة مع تسع وتسعين وجها وغيرها من وجه واحد يرجع إلى ذلك القول مخافة إخراج مسلم من الإيمان .

وعندى والله أعلم أنه لم يبق للمعاندين فى هذه المسائل بعد النظر فى كتاب (مفاهيم يجب أن تصحح) إلا التسليم لكل ما جاء فيه إذ أن ما جاء فيه كاد أن يكون مجمعا عليه قديما وحديثا كما بينه الأئمة الأعلام والحفاظ الموثوق بهم فى الملة الإسلامية فجزاهم الله عن الإسلام خير جزاء وجزى المؤلف هو الآخر خيرا وأبقاه ذخرا للمسلمين الذين لا يريدون إلا ظهور الحق ، وبارك فيه ورحم أسلافه الصالحين العالمين العاملين بعلمهم بما بثوا فى قلوب أبناء المسلمين من قرآن وسنة وعلوم آلة لهما تلكِ العلوم التى بثوها فى أهل دانى الأرض وقاصيها سارت بها الركبان لتبليغها بدورهم فى جميع أنحاء المعمورة وإننى لأشهد أن من أدركته من عائلة المؤلف وهو والده الشيخ السيد علوى عباس المالكى قد قام بدوره فى ميدان الدعوة والإرشاد ، وتبليغ العلوم الدينية ، وكثيرا ما حضرت وفى أعوام متتالية دروسه فى المسجد الحرام كالقرآن وتفسيره ، والحديث وفقهه ، والتوحيد وعقائده ، إلى غير ذلك مما أدى إلى تكاثر التلامذة والمستمعين فى حلقاته رحمه الله رحمة واسعة ، وأطال بقاء وارثه فى العلم وخليفته فى التدريس الشاب الصالح الموحد التقى السيد محمد علوى المالكى ابنه البار المنقذ من الضلالة والمحب للّه ولرسوله .

حرر بنواكشوط بتاريخ ٢٠ رجب ١٤٠٥هـ
الموافق ١١ أبريل ١٩٨٥م
المتبرئ من الحول والقوة محمد فال البنانى
عضو المجلس التأسيسى لرابطة العالم الاسلامى
والأمين العام للرابطة الموريتانية للدفاع عن الإسلام

تقريظ

العلامة الفقيه الأصولي الشيخ محمد سالم عدود
رئيس المحكمة العليا بموريتانية سابقاً وعضو المجمع الفقهي برابطة العالم الإسلامي بمكة المكرمة

بسم الله الرحمن الرحيم

صَحَّتْ مَفَاهِيمُ كَانَ النَّاسُ قَدْ هَامُوْا
فِيْهَا وَزَايَلَها لَبْسٌ وَإِبْهَامُ

بَحْثٌ دَقِيْقٌ عَمِيْقٌ لَا يَقُوْمُ لَهُ
خَبْطٌ وَخَلْطٌ وَتَدْلِيْسٌ وَإِيْهَامُ

أَبْدَى بِهِ الْعَلَوِيُّ الْمَالِكِيُّ لَنَا
مَا لَمْ تَنَلْهُ مِنَ الْحُذَّاقِ أَفْهَامُ

فَكَانَ مِنْهُ وَإِنْ مَارَوْا وَإِنْ جَحَدُوْا
حَشْرٌ وَشَرْحٌ وَتَوْضِيْحٌ وَ إِفْهَامُ

وسَاعَدَتْهُ عَلَى الْمَطْلُوْبِ أَرْبَعَةٌ
نَصٌّ وَقَيْسٌ وَتَفْوِيْضٌ وَإِلْهَامُ

فَرْدُّ سَبَّابَةٌ كَانَتْ تُشِيْرُ لَهُ
شَتْماً وَلَيْسَ لَهَا فِى الْكَفِّ إِبْهَامُ

فَبَانَ أَنَّ الَّذِىْ كَانَتْ تُرَوِّجُهُ
وَتَدَّعِيْهِ خُرَافَاتٌ وَأَوْهَامُ

لَوِ اسْتَحَقَّ سُجُوْداً غَيْر بَارِئِنَا
خَرَّتْ لِوَجْهِ ابْنِ عَبَّاسٍ بِنَا الْهَامُ

بِذَاكَ قَرَّظْتُ ذَاكَ الْبَحْثَ آمُلُ أَن
يَكُوْنَ مِنّى لِنَصْرِ الْحَقِّ إِسْهَامُ

محمد سالم بن محمد علي بن عبد الودود ، عدود ،
رئيس المحكمة العليا لجمهورية موريتانيا الاسلامية سابقا
وزير الثقافة والشئون الإسلامية
وعضو المجلس الفقهي برابطة العالم الإسلامي
بمكة المكرمة

تقريـــظ

فضيلة الشيخ ابو زيـد ابراهيم سـيد

موجه اللغة العربيـة بجمهورية مصـر العربيـة

كـتابك شمـس

كِتَابُكَ شَمْسٌ أُشْرِقَتْ بِالْحَقِيْقَـةِ
وَنُورٌ سَنَاهُ مِنْ ضِيَاءِ النُّبُـوَّةِ

طَلَعْتَ بِهِ صُبْحاً تَفَجَّرَ فِي الْوَرَىَ
يَشِيـعُ بِأَنْـوَارِ الْهُـدىٰ وَالْعَقِيْـدَةِ

وَضَوَّأْتَ أَفْكَاراً وَنَـارَتْ بِهَدْيِـهِ
عُقُوْلٌ تَمَادَتْ فِي عَمِيْقِ الدُّجُنَّـةِ

فَكَانَ مَنَـاراً لِلْمَفَاهِيْـمِ مُرْشِداً
يُصَحِّحُ مِنْهَا مَنْ نَأَى عَنْ شَرِيْعَةِ

بِهِ « السَّيِّدُ » الْمَعْرُوْفُ بِالعِلْمِ وَالنُّهَى
تَجَلَّى بِعِلْـمٍ مِنْ كِتَـابٍ وَسُنَّـةِ

وَمَا رَامَ إِلَّا اللهَ جَلَّ جَلَالُـهُ
وَجَمْعَ صُفُوْفِ الْمُسْلِمِيْنَ بِوِحْـدَةِ

وَقَالَ : تَعَالَـوْا لِلْإِلٰـهِ وَ شِرْعَـةٍ
وَقَالَ : كَفَانَا مِنْ عَدَاءٍ وَفُرْقَـةِ

فَإِنَّا بَنِي الْإِسْلَامِ جِسْمٌ إِذَا اشْتَكَى
مِنَ الْجِسْمِ عَضْوٌ فَالْجَمِيْعُ بِحُمَّةِ

أَجَلْ بَارَكَ الرَّحْمٰنُ شَيْخاً مُبَجَّلاً
تَسَامَى بِفَرْعِ الدَّوْحَـةِ الْعَلَوِيَّـةِ

وَيَـا رَبِّ لِلْإِسْلَامِ فَانْصُرْ حُمَاتَـهُ
وَأَيِّدْ حُمَاةَ الْحَقِّ فِي كُلِّ بُقْعَةِ

تقـريـظ

فضيلة الشيخ محمد عبدالواحد أحمد

وكيل وزارة الأوقاف بجمهورية مصر العربية

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى بصّرنا بالحق وهدانا إليه وأرشدنا إلى الصواب وأعاننا عليه ألا له الخلق والأمر تبارك الله رب العالمين ، والصلاة والسلام على أشرف خلقه وأجل رسله محمد بن عبدالله صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم ، **وبعد** :

فقد وفّق الله تبارك وتعالى طائفة من علماء الأمة المخلصين والهداة الراشدين فحافظوا على تراثهم الأصيل ، ووقفوا أنفسهم على دحض الشبهات ورد المتشابهات وإحقاق القواعد التى قامت عليها جماعات أهل السنة ذووا الهمم العالية والأفهام الزاكية برّا بنبيهم ووفاء بحقه عليهم واسترضاء لربهم ، فكانوا خير خلف للسادة ، الأماجد من حملة الأمانة التى حمّلهم إيّاها ربهم وشرّفهم بالإنتساب إليها والدفاع عنها فنهضوا بأشرف المهام بعزيمة واقتدار .

ومن هؤلاء الهداة الراشدين والعلماء المجتهدين العارف بالله والذائد عن دين الله والحب المحب لرسول الله الأمين على كلمة الله فضيلة السيد الشيخ الشريف محمد علوى المالكى الحسنى أحسن الله إليه ومكّن له فى دينه وقوّى على الحق يقينه وأعزه بالإسلام ، وأعز به الإسلام وبمن معه من أهل الرشد والإخلاص ، ممن وكل الله إليهم شرف الدفاع عن دينه وإبراز المكانة السنية التى أقام الله عليها رسوله الخاتم عليه أفضل الصلوات وأزكى التسليم .

لقد صدع بالحق ونادى بالصدق ، وذكرنا بالخصائص التى امتنّ الله بها على رسوله المعظم ، وبالمنح التى تفضل بها عليه ، وامتزج حب المصطفى عليه

الصلاة والسلام بروحه ، وحنايا قلبه فأحيا سنة نبينا ﷺ ، وأقام مجالس الصلوات والسلام عليه فى مجالسه ، وعطّر المحافل والمجامع بالثناء على أشرف مخلوق وأفضل رسول وأحب الخلق إلى الله سيدنا محمد بن عبدالله صلوات الله وسلامه عليه يوم مولده ويوم مبعثه ويوم يؤذن له بالشفاعة فى ساحة القضاء أمام رب العالمين أحكم الحاكمين عز وجل .

وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم .

كتبه

محمد عبدالواحد أحمد

من علماء الأزهر

ووكيل وزارة الأوقاف

تقريظ

فضيلة الشيخ إبراهيم الدسوقى مرعى

وزير الأوقاف السابق بمصر

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم النبيين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه ومن دعا بدعوته إلى يوم الدين ، **وبعد** :

فقد حظيت بهذا الكتاب النفيس **«مفاهيم يجب أن تصحح»** لمؤلفه السيد الفاضل الدكتور السيد محمد علوى بن عباس المالكى الحسنى ، ومن عنوان هذا الكتاب أدركت مدى ما يكن مؤلفه من حب وتقدير لنبى الإنسانية والرحمة للعالمين سيدنا محمد ﷺ ومن غيرة على دينه وشفقة بإخوانه المسلمين ، ولا عجب ، فهذا خلق المسلم الصادق فضلا عن أن مؤلفه من آل بيت النبوة الذين طهّرهم ربهم ، وقال فيهم : ﴿إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهّركم تطهيرا﴾ . لقد أرادهم الله ليكونوا الأسوة والقدوة والهداة إلى الحق والشجى فى حلق أعدائه والقوة المخلصة لحماية هذا الدين .

وإذا كنت حياتى أعمل جنديا فى ميدان الدعوة الإسلامية فقد لمست عن كثب حاجة المجتمع المسلم إلى هذا الكتاب وأمثاله حماية لهذه الأمة من حملات التشكيك التى منينا بها اليوم وإيذانا بأن لهذا الدين جنودا مخلصين ، يذودون عنه إلى قيام الساعة ، ولا يضرّهم من خالفهم حتى يظهر الله الحق أو يأتى أمر الله .

والحمد لله فقد أوفى هذا الكتاب على الغاية وأدّى كل ما نرجو ، فقد قدم الرأى الصائب الذى ارتضاه مؤلفه مؤيدا بالدليل وآراء الأئمة فى العصور المتعاقبة فى أهم القضايا التى عصفت أو كادت تعصف بوحدة هذه الأمة وتمزق شملها ،

وفى مقدمتها قضية العقيدة ! فقد عرض الكتاب لما أثير حولها من شبهات وقدم من الأدلة ما يدحضها ويبطل آراء الغالين بما حاكوا من أباطيل حولها ، أولئك الذين أقاموا من أنفسهم قضاة يحكمون على من يشاءون بالكفر وعلى آخرين بالإيمان متجاهلين قول النبى ﷺ : «سباب المسلم فسوق وقتاله كفر» . وإن سيمة الإسلام التسامح والتيسير ، وما أجمل ما أجاب به عليّ كرّم الله وجهه حين سئل عن المخالفين له : أكفارٌ هم ؟ قال : لا ، إنهم من الكفر فرُّوا ، فقيل : أمنافقون هم ؟ قال : لا ، إن المنافقين لا يذكرون الله إلا قليلا ، فقيل : أي شيء هم ؟ فقال : هم قوم أصابتهم الفتنة فعموا وصموا .

وفى الحديث الصحيح قال ﷺ : «إذا قال الرجل لأخيه : يا كافر ! فقد باء بها أحدهما» . كما أن القرآن يعلمنا أن نطهر أنفسنا من مقالة السوء حتى مع المشركين ، فيقول سبحانه : ﴿ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم﴾ ، ويقول لموسى وهارون حين بعثهما لفرعون : ﴿فقولا له قولا ليّنا لعله يتذكّر أو يخشى﴾ .

وفى الباب الثانى من الكتاب فنّد مزاعم أولئك الذين يرمون بالكفر زورا من يعرفون لرسول الله قدره ويملأ قلوبهم حبه فيعظمونه ويوقرونه ، غير ذاكرين أن الله عظمه ورفع ذكره وألزم أمته الأدب معه بآيات فى القرآن الكريم تتلى ونتعبد بتلاوتها . فمصه ومقامه وجاهه عند ربه باق لا شك فيه عند أهل الإيمان حيا أو بعد أن لحق بربه ، ثم يتحدث عن التصوف وأنه الأفق الأعلى للفكرة الإسلامية والوجه المشرق لآداب ديننا وكمالياته ، وأنه برىء من الخرافات والأباطيل والدجل ، وأن أقطاب التصوف قد تحدثوا عن الشريعة الإسلامية بما يؤكد التزامهم الكامل بكل ما جاءت به فى عبادتهم ومعاملتهم ، وفى كل أمرهم .

وعن التوسل وأنه أحد طرق الدعاء، وباب من أبواب الرجاء إلى الله عز وجل وأنه لا يوجد مانع شرعي أو عقلى يمنع التوسل بالنبى ﷺ فى حياته أو بعد مماته فضلا عن الأدلة التى ساقها فى هذا المقام ، وإذا كان المتفق عليه هو التوسل بالأعمال الصالحة فإنه لا مانع إذاً من التوسل بالصالحين من هذه الأمة ، ومثل التوسل الإستعانة والإستغاثة وما شابه ذلك ، فالمؤمن فى كل ذلك لا يرى غير ربه .

وفى حديثه عن الشفاعة والإحتفال بالمولد النبوى والتبرك بآثاره ﷺ وآثار الصالحين ، فقد ساق من الأدلة ما به يثبت أن ذلك سنّة مرفوعة وطريقة مشروعة أقرها رسول الله ﷺ وفعلها صحابته من بعده .

وفى الباب الثالث من الكتاب يتحدث عن زيارة النبى ﷺ وآراء العلماء فيها وزيارة القبر النبوى ومشروعيتها وزيارة الآثار والمشاهد وأقوال الأئمة فيها . هذا ، وقد جاء هذا الكتاب ليروى ظمأ الذين يعشقون الحقيقة ويبحثون عنها فى وقت قد تكالبت فيه قوى الشر لتنال من الإسلام وتعاليمه وتوقد نار العداوة والبغضاء بين أبنائه ، فكان بفضل الله صيحة الحق تدفع الباطل ، فإذا هو زاهق ونور الإيمان يبدد ظلام الشك ويهدى إلى الصراط المستقيم ، جزى الله مؤلفه عن الإسلام والمسلمين خيرا ، ونفعنا بما قدم ورزقنا الإخلاص فى عقيدتنا ، والتوفيق للتأسى بنبينا وحبه وحب الصالحين ومن اهتدى بهديه ، واتبع ما جاء به . كما نسأله أن يبارك جهود المخلصين من العلماء العاملين ويمدهم بمدده ويؤيدهم بروح منه لتبقى كلمة الله هى العليا ، وبع ما جاء به .
كما نسأله أن يبارك جهود المخلصين من العلماء العاملين ويمدهم بمدده ويؤيدهم بروح منه لتبقى كلمة الله هى العليا ، وحتى لا تكون فتنة ويكون الدين لله
والله الموفق

٢١ من ربيع الأول سنة ١٤٠٦هـ – الموافق ٤ من ديسمبر سنة ١٩٨٥ م

إبراهيم الدسوقى مرعى
وزير الأوقاف السابق بمصر

تقـريظ

فضيلة العلامة الشيخ حسين محمود معوض
من كبار علماء الأزهر الشريف

بسم الله الرحمن الرحيم

وصلى الله الرحمن الرحيم على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم

الحمد لله رب العالمين نحمدك ربنا بجميع محامدك ما علمنا منها وما لم نعلم ، ونشكرك شكر من غمرته بفضلك و حبوته بعطفك لا يحصى الثناء عليك ربنا أنت كما أثنيت على نفسك عز جارك وجل ثناؤك ، ونصلى ونسلم على سيّدنا محمّد المبعوث رحمة للعالمين صلاة تحل بها العقد وتنفرج بها الكرب ويستسقى الغمام بوجهه الكريم .

وبعـد : فقد تصفحت كتاب العالم الجليل الحسيب النسيب محمد علوى المالكى الذى سماه **«مفاهيم يجب أن تصحح»** فوجدته حافلا بالعلم الغزير والفهم السليم ، وجزاك الله عن الإسلام والمسلمين خيرا بما قدمت لنا فى هذا الكتاب الملئ بالأنوار تنبعث من بين سطوره وزادك الله علما وفهما ، وليس بعالم من لم يضف إلى العلم جديدا يبصر به الناس فيما غاب عن وعيهم ولم تدركه عقولهم والذى ينظر إلى هذا الكتاب وما تناوله فإنما يجد الحديث الطريف بالأدلة الناصعة التى لا تدع مجالا إلى الشك فى كل ما تضمنه الكتاب مبرزة حقائق واضحة لا يسلك فيها إلا ضال ولا يتنكب طريقها إلا زائغ عن الصراط المستقيم ، وقد قال رسول الله ﷺ : «إن هذا الدين متين فأوغل فيه برفق ، ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه فسددوا وقاربوا وأبشروا واستعينوا بالغدوة والروحة ، وشىء من الدلجة» . وهذا يعطى أن التنطع فى الدين مهلكة لكل متنطع .

وسبحان الله فإن الطبائع تختلف والفطر تتباين ، ولكن إذا وضح الأمر واستبان فلا مفر للعاقل إلا أن يرجع إلى الصواب ويلزم نفسه به .

وقد ضُرب المثل بمن بُرز بالعلم فى العصر الذهبى للإسلام والمسلمين ، فقيل فى شأن علي رضى الله عنه وكرم وجهه قضية ولا أبا حسن لها كما نال أيضا شهادة أهل عصره بقولهم فيه : «العلم مدينة وعلي بابها» . ولم يقتصر الأمر على عصر النبوة بل إن النبى ﷺ زكى من جاء بعد عصره ، فورد فى شأن الشافعى

رضى الله عنه : «عالم قريش يملأ طباق الأرض علما» .

عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله ﷺ أتى المقبرة فقال : السلام عليكم دار قوم مؤمنين وإنّا إن شاء الله بكم عن قريب لاحقون ، وددت لو أنا قد رأينا إخواننا ، قالوا : أو لسنا إخوانك يارسول الله ؟ قال : «أنتم أصحابى وإخواننا الذين لم يأتوا بعد» ، قالوا : كيف تعرف من لم يأت بعد من أمتك يارسول الله ؟ قال : «أرأيت لو أن رجلا له خيل غُر مُحجلة بين ظَهْرَىْ خيل دُهْم بُهْم ألا يعرف خيله» ؟ قالوا : بلى يارسول الله ، قال : فإنهم يأتون غرا محجلين من الوضوء وأنا فرطهم على الحوض ، ألا ليذادون رجال عن حوضى كما يذاد البعير الضال أناديهم ألا هلم فيقال : إنهم بدلوا بعدك ، فأقول : سحقا سحقا» رواه مسلم .

وقد ذكر رسول الله ﷺ تفاوت الناس فى حديثه الصحيح : «الناس معادن كمعادن الذهب والفضة خيارهم فى الجاهلية خيارهم فى الإسلام إذا فقهوا والأرواح جنود مجندة ما تعارف منها أئتلف وما تناكر منها اختلف» .

وإذا كان كتابك أخى العزيز قد تناولت فيه ما يأتى :ـ

١ ـ الحكم على بعض المسلمين بالكفر لأنه حلف مثلا بالنبى ﷺ مع العلم بأن الفقهاء أباحوا الحلف بالكعبة والقرآن والنبى ، لأن الله عظم هذه الأشياء ولا مانع أن نعظم بالحلف ما عظم الله سبحانه ، ولا يتعارض هذا مع الحديث : «من كان حالفا فليحلف بالله أو ليذر» ، إذ أنت تعظم ما عظم الله .

٢ ـ المجاز العقلى فى القرآن .

٣ ـ الواسطة بين الخالق والمخلوقين .

٤ ـ الشفاعة . ٥ ـ مفهوم الاستعانة .

٦ ـ حديث المؤلف المستفيض عن التبرك بآثار الصالحين إلى غير ذلك من مباحث الكتاب وحتى لا أطيل فإنى أعرض للبحث الأول وأعجب لمن له صلة بالعلم أن يكفر مسلما والقرآن والسنة يتلاقيان ، فالله عز وجل يقول : ﴿ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾ ويعنى ذلك أن كل ما دون الكفر يغفره الله ، ولا يكفر مسلم إذا ارتكب كبيرة أبدا كيف والله عز وجل يقول : ﴿قل لعبادى الذين أسرفوا على أنفسهم لا تقنطوا من رحمة الله إن الله يغفر الذنوب جميعا إنه هو الغفور الرحيم﴾ .

(تقريـــظ المجلس العلمي بمدينة مراكش)

الحمد الله الذى زين العلمـاء وخصهم بالخشية وتفضـل عليهـم بالمعية وصلاة وسـلاما على خـير البرية وعلى آله واصحابه والذرية ·· وبعـــد ،

فان العلم بحر زاخر لا ساحل له ، ومنتهاه الى الله سبحانه ، وان العلم النافـع هو ما يصحبه عمل ، ولا يكون معه التباهى ، ولا قصـد التطاول على الغيـر ، ولا صـرف وجوه الناس الى صاحبه ·

وان الاشتغال بالعلم تـدريسـا وتاليفا عبادة وكفى به شرفا ، لأنـه حرفة الانبياء فالعلماء ورثة الانبياء كما جاء فمرحى بمن لقنه ودرسـه أو ألف فيه أو شرح للناس ما هـــم محتاجون له ، وان من الهـــداة الاعلام الذين درسوا وألفوا واجتهدوا فى ايصال هـذا الخير للأمـة : الشريف الحسنى سيدى محمد علوى مالكى الذى ألف كتاب (مفاهيم يجب أن تصحح) فقـد جـاء هـذا الكتاب خدمـة للاســلام ومشحذة للأفهام وازالة للايهام فهو من خير ما كتب في هذا العصـــر فى هـــذا الموضـــوع ·

ولما عرض هـذا الكتـاب على انظار العلمـــاء العارفين تلقـوه بالقبول والثناء على مؤلفه الـذى أدى عنهم واجبا فى عنقهم تجـاه الله ورسوله والأمة بل ربما عقمت اقلام كثيرين على ميلاد هذا الكتاب ولهذا فان اعضاء المجلس العلمى بمراكش وباشراف الرئيس وبعد الاطـــلاع على هذا المؤلف وقراءة بعض فصولـه والتأمل فيها ، يوافق مؤلفـــه الموافقة التامة عليه ، شاكرين لـه مجهوده الكبير ومباركين صنيعـــه الجمـــيل ·

والســلام عليكـم ورحمة الله وبركاته ...

عبـــد الســـلام جبـران
رئيس المجلس العلمى الاقليمي بمراكش
واعضـــاء المجلس

تقاريظ نعتــذر عن نشــرها

هذا وقـد تفضل جملـة من كبار علماء المسلمين بالكتابة عن هـــذه المفاهيم وتأييدهـا وتقريظ كتـابنا والثناء عليه فجزاهم الله خير الجزاء، ولكن لطولهـا نعتذر عـن نشرهـا بنصها ونكتفى بذكر بعض أصحابها وخلاصـة رأيهـم الكريم ، الا وهي الموافقة التامة والتأييد الكامل وهم :-

١ ـ سماحة الامام العلامة الأصولى اللغوى الشيخ سيدى الفاروقى الرحالي شيخ العلماء ورئيس مجلس العلماء بالمغرب مراكش ·

٢ ـ فضيلة العلامة الفقيه محدث المغرب بل محدث الدنيا الشـــيخ السيد عبد الله بن محمـد بن الصديق الغماري ·

٣ ـ فضيلة العلامة المحدث الأصولي السيد عبد العزيز بن محمـد بن الصديق الغماري ·

٤ ـ فضيلة الأستاذ الداعي الى الله السيد محمد بن علي الحبشي رئيس المركز الاسلامي بأندونيسيا·

٥ ـ سماحة الامام العلامة العارف بالله والداعي اليـه الحبيب عبد القادر السقاف مفتي حضـر موت وشيخ العلماء بها ·

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ

کے فرزند ارجمند

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی

شہرہ آفاق تصنیف اذکار معصومیہ کا اردو ترجمہ

اذکار مسنونہ

- قرآن پاک، ذکر الٰہی، درود شریف اور دیگر عبادات کے فضائل کا مجموعہ ہے۔
- قرآن و سنت کی روشنی میں مختلف دعاؤں اور وظائف کا چشمہ فیض ہے
- قرآن و حدیث اور بزرگان دین کے اقوال و اعمال پر مشتمل اصلاح و تربیت کا جامع مرقع ہے۔

یہ وہی کتاب ہے

- جس کے مطالعہ کی برکت سے گم گشتگان راہ حق، اولیائے کاملین میں شمار ہونے لگے
- اس کا ترجمہ نہایت سلیس و عام فہم ہے اور احادیث کی عبارات اور حوالہ جات بھی درج ہیں
- اس کتاب کا ورق ورق اساتذہ، طلبہ، وکلا، خطباء، ملازمین، خواتین تاجر پیشہ لوگوں کے لئے وظیفہ حیات ہے
- اس کا مطالعہ آپ کو خودشناسی کی لذت بھی عطا کرے گا اور خدا شناسی کا سرور بھی

تخریج احادیث حضرت مولانا حافظ محمد اشرف نقشبندی

ترجمہ مولانا نورالحسن

میلادُ النبی، خصائص، شمائل، زیارت نبویہ، تبرک توسل و استعانت
بدعت اور مسئلہ تکفیر جیسے اہم اختلافی مسائل پر ایک تحقیقی کتاب

اصلاحِ مفاہیم

دُنیا بھر کے جیّد عُلمائے کرام اور پاکستان
کے بڑے بڑے عُلمأ دیوبند کی مصدقہ کتاب

مفاہیم یجب ان تصحح

تصنیف مکّہ معظمہ کے نامور عالم علاّمہ سیّد محمد علوی مالکی مدظلہ العالی

کا اُردو ترجمہ